® Scanned PDF By HAMEEDI

سے کنگھی کر رہی ہے۔ مجھے انکا سے ندامت ہوئی کہ میں نے معاملات پوچھے بغیر اس سے تلخ و تیز باتیں کیوں کیں...... "کلپنا کہاں گئی؟" میں نے اپنے خیالوں سے چونک کر پوچھا۔

"وہ جہاز کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے بدری نرائن کے بیروں پر مسلسل وار کر رہی تھی لیکن اس دوران ایک ایسی شکتی دیکھنے میں آئی، جس نے بدری نرائن کا جادو ناکام کر دیا۔ کلپنا اب مطمئن ہو کر چلی گئی کہ جہاز میں صرف انکا نہیں، کچھ اور شکتیاں بھی ہیں۔ یہ جو تم بدھ بھکشوؤں کے پاس بیٹھے تھے، یہ انہی کی شکتی تھی۔"

"بدھ بھکشو...... تو میرا اندازہ صحیح تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔" میں نے تجسس سے پوچھا۔ چند لمحوں کی مہلت کے بعد انکا نے مجھے ان کے بارے میں جو تفصیلات بتائیں انہیں سن کر میں دنگ رہ گیا۔ ان کا تعلق تبت سے تھا۔ تبت میں انہوں نے بڑے مندروں اور عبادت گاہوں میں عرصے تک مہاتما بدھ کی موتی کے سامنے یکسوئی کے ساتھ بیٹھ کر ریاضت کی تھی۔ تبت بدھوں کا بہت بڑا مرکز ہے۔ وہاں کے لاماؤں اور بھکشوؤں کے متعلق عجیب و غریب روایات مشہور ہیں۔ بدھ بھکشوؤں کے متعلق میں نے بھی سنا تھا کہ انہیں تحمل، صبر، قناعت، ضبط اور عفو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دنیوی آلائش و علائق سے ان کا رابطہ نہیں ہوتا۔ اپنے طویل مراقبوں کے ذریعے اور ساری دنیا سے الگ ہو کر ایک سمت ارتکاز کر کے ان کے اندر حیرت انگیز صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ انکا نے مجھے بتایا کہ یہ بھکشو گوتم کی تعلیمات عام کرنے کے لئے تبت کے شاہی خاندان کے لاماؤں کے ایما پر دنیا کا دورہ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ گوتم کی شخصیت اور اس کی تعلیمات مغرب میں دیگر فلسفہ ہائے مذاہب کی طرح بہت دلچسپی سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان تین بھکشوؤں میں سب سے بڑے کا نام کمپالا تھا اور اس کے ساتھی نوجوانوں کے نام تبراس اور سبرا تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر یہ جہاز میں نہ ہوتے تو صرف انکا اور کلپنا جہاز کو کس حد تک تباہی سے بچا سکتی تھیں۔

تہران کے اس شان دار ہوٹل میں جہاز کے تمام مسافر اپنی سلامتی کی خوشی میں دھوم مچائے ہوئے تھے۔ جہاز کے مکمل چیک اپ کے لئے قیام کو چار روز اور طول دیا گیا تھا۔ مسافروں کا تمام صرفہ کمپنی کے ذمہ تھا۔ ہوٹل میں ایران کی خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں۔ رات کو وہاں کیبرے ہوتا تھا۔ جس قطعہ زمین پر ہوٹل تعمیر کیا گیا تھا وہاں کی دنیا ہی الگ تھی۔ وہ سارے ایران سے مختلف تھا۔ طرح طرح کے لوگ طرح طرح کے چہرے صبح و شام نظر آتے تھے۔ میں اور انکا اداس اداس ایک دوسرے میں الجھے الجھے اپنے کمرے میں مقید تھے۔ ایک شخص بری طرح اعصاب پر سوار تھا۔ بدری نرائن، جو ہندوستان میں تھا۔ وہ اتنی دور ہو کر بھی جہاز کو اس کے تمام مسافروں سمیت نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر سکتا تھا تو ہندوستان پہنچنے کے بعد میر

چاہتا تھا؟ جب کہ میں اتنے بہت سے پنڈتوں، پجاریوں کے سامنے کسی طور بھی اپنا دفاع نہ کر پاتا اور ایسی صورت میں کہ جگد یو بھی دنیا سے کوچ کر گیا ہو۔ کیا اسے انکا سے خطرہ تھا؟ اور کیا وہ کلدیپ کی شخصیت سے خوف زدہ تھا؟ اگر میں واپس ہندوستان جاتا ہوں تو زندگی کی وہی گردش شروع ہو جائے گی جس سے بچ کر میں نے انگلستان کا سفر کیا تھا۔ وہ شہروں شہروں مارے مارے پھرنا، پولیس کا تعاقب، ہر جگہ بدری نرائن اور اس کے ساتھیوں کا خوف مگر میں کب تک ہندوستان سے باہر رہوں گا۔ جگد یو کی موجودگی میں کوئی شخص بھی انکا کو حاصل کرنے کا جاپ کرنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، اب اس کے بعد کسی دن بھی کسی پجاری کے دل میں اس کی طلب کی آگ بھڑک سکتی ہے۔ تزئین کو میں کس بھروسے پر اشرفی بیگم کی گھناؤنی زندگی سے دور لانا چاہتا تھا۔ وہ کب تک کلدیپ کے ساتھ رہے گی اور کلدیپ کب تک اس نوجوان لڑکی کی نگرانی کرے گی۔ وہ مالا اور نرگس کو مجھ سے دور کر چکا ہے۔ کلدیپ کو تنہا سمجھ کر کہیں تزئین پر ہاتھ نہ ڈالے۔ اس کمینے سے کیا بعید ہے؟ ہزاروں وسوسوں اور خدشوں سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ مجھے اپنی کوئی فکر نہیں تھی۔ اپنی زندگی تو جیسے تیسے گزر گئی، تزئین کی فکر دامن گیر تھی جس میں نرگس کی شباہتیں اور نرگس کی نیکیاں موجود تھیں۔ میں اگر ہندوستان واپس جانے کا ارادہ ترک کرتا ہوں اور لندن پہنچ کر جین کی شفیق آغوش میں رہتا ہوں تو اس کا کیا حال ہوگا؟ لندن میں جین میری منتظر تھی۔ کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے کہ اب جب کہ وہ کالی کے تحفظ سے نکل چکا ہے۔ اسے عبرت ناک حالت سے دوچار کیا جائے گا۔ جرمنی اور لندن میں انکا نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جین کے سر پر جا کر اسے کسی وقت بھی میری آغوش میں پھینک سکتی ہے مگر میں مرحلہ شوق کی مہم جوئی اور جین کے بدن کے جادو میں ایسا کھویا کہ مجھے وقت کا احساس ہی نہ رہا، اب میں ایک ایسا شخص تھا جو خود اپنے گالوں پر طمانچے مار رہا تھا۔ جمیل احمد خان، ایک بد بخت انسان، جسے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا آتا تھا اور جو اپنا ہی آشیانہ پھونک دیتا تھا۔ موت جس سے پناہ مانگتی تھی اور زندگی جس سے ناراض رہتی تھی۔ اس کے پاس سب کچھ تھا، اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وحشتیں جب حد سے سوا ہو گئیں تو میں اپنے کمرے سے اٹھ کر نیچے چلا گیا جہاں بدھ بھکشو ہوٹل کے لان پر بیٹھے بت بنے ہوئے خود میں کھوئے ہوئے تھے۔ ہوٹل میں ٹھہری ہوئی چند مغربی خواتین ان کے گرد عقیدت سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ انکا میرے سر پر خاموش بیٹھی تھی۔

انہوں نے کچھ دیر بعد ایک ساتھ آنکھیں کھولیں اور ان کے ساکت جسموں میں حرکت پیدا ہو گئی۔ بڑے بھکشو کمپالا نے میری طرف مسکرا کر دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے سلامتی کی دعائیں دیں۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر رقت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ شاید وہ میری ہیئت کذائی سے متاثر ہوا۔ "میرے بچے، تجھے سکون کی ضرورت ہے۔" اس نے شفقت سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے ایک بار پھر اشارہ کنایوں میں اپنی تمام روداد اسے سنا دی۔ اس کے باوقار چہرے پر ایک ٹھہراؤ تھا۔ دونوں نوجوان بھکشو وہاں بیٹھی ہوئی خواتین کو درس دے رہے تھے۔ کپالا نے مجھ سے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا جس سے میری بے چینیاں کم ہوتیں۔ ہاں اس نے مجھے اپنے ساتھ تبت لے چلنے کی پیش کش کی۔ ظاہر ہے تبت کا سفر میری پریشانیوں کا حل نہیں تھا۔ وہ آتما کی رفعت و عظمت کے متعلق مجھے لیکچر دیتا رہا۔ وہ یقیناً ہندو پجاریوں، پنڈتوں سے مختلف شخص تھا۔ چند ہی لفظ اس کے ورد زباں تھے۔ گوتم، شاکیہ، منی تپسیا، تیاگ، نروان۔ جب میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے ہندوستان جانا چاہئے یا نہیں۔ تو اس نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''اس چھوکری سے پوچھ جو تیرے سر پر بیٹھی ہے۔''

''وہ مجھے ہندوستان میں پیش آنے والے خطروں کا احساس دلاتی ہے۔'' میں نے کسی بچے کی طرح کہا۔

''وہ یہ خطرے دور کرنے کے لئے کوئی ترکیب کیوں نہیں سوچتی؟ اس کے پاس تو بہت سی شکتیاں ہیں۔''

''پر وہ کس کس سے لڑے۔ اس کی شکتی دوسری شکتیوں کی طرح محدود ہے۔'' میں نے کہا۔

اس کی مسکراہٹ ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔ میں بے بسی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ انکا کا مذاق اڑا رہا تھا۔ میں نے عالم تصور میں دیکھا، انکا میرے سر پر بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

''جمیل! چلو، یہ ابھی تیار نہیں ہوگا۔ ویسے یہ شخص ہندو دھرم کا دشمن ہے۔ اگر گوتم کی اہنسا کی تعلیمات اس کے سامنے نہ ہوتیں تو کسی پنڈت پجاری کو نہ چھوڑتا۔''

''کہیں تمہیں برا تو نہیں لگ رہا؟'' میں نے دل ہی دل میں اس سے کہا۔ ''کیا تم متعصب ہو گئیں؟''

''تم بے وقوف ہو۔ میں نے صرف تمہیں چاہا ہے۔ وہ انسان جو اس دنیا میں جیتے ہیں، مذہب ان کا ہوتا ہے، تعصب وہ کر سکتے ہیں لیکن میں تو ایک شکتی ہوں۔ میرے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔ کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تو اس کی تابع ہوں جس کے سر پر رہتی ہوں۔ اس میں مذہب کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیا تم ہندو ہو؟'' انکا نے جل کر کہا۔

''میں تو کچھ بھی نہیں رہا۔ میں نہ جانے کیا ہو گیا ہوں، مجھے خود نہیں معلوم۔'' میں نے اداسی سے کہا۔

''یہ شخص چونکہ مجھے ہندو سلسلے کی ایک لڑکی سمجھتا ہے۔ اس لئے میری شکتی کا مذاق اڑا رہا ہے۔ جمیل یہ تمہارے کام آ سکتا ہے۔''

''اچھا خاموش رہو۔ ممکن ہے اسے ہماری تمہاری باتوں کا علم ہو۔ مشکل یہ ہے، اسے اندازہ نہیں کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' انکا کے بجائے کپالا بولا۔

آپ...... آپ؟'' لفظ میرے منہ میں اٹک گئے۔'' ''آپ مہاتما گوتم بدھ کے سچے بھکشو ہیں، آپ کے باطن کا دروازہ کھلا ہے، میری مدد کیجئے۔ اس شخص کی مدد کیجئے جو گناہوں کی زندگی چھوڑنا چاہتا ہے۔''

''میر۔ ے ساتھ تبت چلو، میں تمہیں پگوڈا اور وٹو با میں بٹھا کر تمہارا من اجلا کروں گا!''

''تبت! لیکن میرے بزرگ......'' میں نے کچھ بولنا چاہا لیکن اس نے میرا جملہ اچک لیا۔

''میں جو کہتا ہوں اس پر عمل کرو یا پھر جو تمہارے جی میں آئے، کرو۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔

وسیع و عریض ہندوستان کے تقریباً تمام علاقے۔ اس کے بعد انگلینڈ پھر جرمنی، پھر ایران، اب تبت اور اس کے بعد نہ جانے کہاں؟ میں بوجھل قدموں سے اٹھا اور میں نے اپنے کمرے میں آ کر انکا کو حکم دیا۔ ''میرا ذہن معطل کر دو۔ جیسے ایک بار تم نے پونا میں کیا تھا نہیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' انکا نے تشویش سے میری حالت دیکھتے ہوئے بولی۔

''جہاز کی روانگی میں ابھی تین روز باقی ہیں۔ اس طرح تم کوئی فیصلہ نہیں کر پاؤ گے۔ جو ہونا ہے اسے تم روک نہیں سکتے۔ کوئی اچھا فیصلہ کرنے کے لئے ذہن کا پُرسکون ہونا ضروری ہے۔ آؤ میرے ساتھ، آؤ۔ میں تمہیں ایران دکھاؤں، تہران کے عجائب دکھاؤں، ایرانی دوشیزاؤں سے ملاقات کئے بغیر تم ہندوستان چلے جاؤ گے؟''

''انکا!'' میں نے اسے جھڑک دیا۔ ''تم بڑی بے حس ہو۔ ہر طرف اندھیرا نظر آتا ہے اور تمہیں دل لگی سوجھ رہی ہے۔''

انکا نے مجھے منانے کی کوشش کی۔ میں اس دن اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ میرا کھانا بھی کمرے میں آ گیا۔ کھانا بھی رسماً کھایا تھا، بھوک اڑ گئی تھی۔ اس کرب و اضطراب کے عالم میں خوب سوچ بچار کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے لندن واپس جانے یا تہران میں ٹھہرنے یا کہیں آوارہ گردی کرنے یا بدھ بھکشو کے حکم کے مطابق تبت جانے کے بجائے ہندوستان واپس جانا چاہئے۔ نہ جانے زندگی کی یہ ڈور کب ٹوٹ جائے۔ اگر ہندوستان ہی میں ذلت کی موت مرنا میرا مقسوم ہے تو پھر یہی سہی۔ وہاں کلدیپ موجود ہے۔ وہ اتنی بے سہارا تو نہ ہوئی ہوگی۔ میرے پاس انکا بھی ہے۔ میں بچتا ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

بمبئی سے میسور تک پہنچنا ہی ایک مسئلہ ہے۔ میرے اس فیصلے پر انکا کچھ سوچنے لگی اور پھر اس نے بھی اس فیصلے کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ میں نے تیسرے روز تہران کے بازاروں، عمارتوں اور تفریح گاہوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ شہر صفائی میں یورپ کے کسی بڑے شہر کے مساوی ہے۔ تہران میں نے اسی طرح دیکھا جیسے کوئی تصویریں دیکھے۔ میں ٹیکسی سے نہیں اترا، ہاں میں نے اسکرٹ پہنے ہوئے ایرانی لڑکیاں دیکھیں لیکن طبیعت ہی موزوں نہیں تھی۔ انکا نے مجھے کئی بار ٹوکا اور کئی حسین لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہ انہیں میرے ایک اشارے پر ہوٹل میں لا سکتی ہے۔ حسن کا تعلق فرد کے داخلی معاملات سے ہے۔ اچھا لگنا یا برا لگنا جسم کے طبعی عمل کی خوش گواری یا ناخوش گواری پر موقوف ہے۔ جب جسم میں ہیجان برپا ہو تو رنگوں کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے اور روشنیاں کوئی خاص فرق نہیں ڈالتیں۔

بدھ بھکشو کے پاس میں ایک بار اور گیا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جہاز مکمل طور پر درست تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر ہر طریقے سے اس کی چیکنگ کی جا رہی تھی۔ تین روز گزر گئے۔ چوتھے دن جہاز روانہ ہونا تھا۔ میرے دل کا جو عالم تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ تہران کی آخری رات تو میں بہت مضطرب تھا۔ حالانکہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کا شخص بری طرح انتشار میں مبتلا تھا۔ انکا مجھے کیبرے میں لے گئی۔ کیبرے سے لندن کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہ کیبرے یورپ کے عریاں رقصوں سے کچھ زیادہ آگے کے مناظر پیش کر رہا تھا۔ دھیمی روشنیوں میں موسیقی کے بادل تیر رہے تھے۔ ایران کی ایک سے ایک گل اندام لڑکی موجود تھی۔ انکا نے میری طبیعت بحال کرنے کے لئے مجھ سے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔ ''ان میں سے کون سی لڑکی تمہیں پسند ہے؟''

میری طبیعت میں جارحیت آ گئی۔ ''سب پسند ہیں۔''

''نہیں نہیں، ٹھیک سے بتاؤ۔ تہران کے لوگ کیا کہیں گے کہ تم یوں ہی انہیں داد عیش دیئے بغیر چلے گئے۔'' انکا نے مجھے چھیڑا۔

''تم مذاق کا وقت نہیں جانتیں۔'' میں نے جھنجلا کر کہا اور ہال سے باہر نکل آیا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب میں بستر پر لیٹ چکا تھا، دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے بے دلی سے دروازہ کھولا۔ ایک پری چہرہ لڑکی میرے سامنے موجود تھی۔ اس نے آتے ہی میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ میں نے اسے خود سے علیحدہ کیا لیکن وہ مجھ سے الجھی رہی۔ میں نے اسے دھتکارا لیکن وہ اور جارح ہو گئی۔ اتنی معصوم لڑکی سے اس اذیت پسندی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تو انکا تھی جو مجھ سے چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ آخر میں نے شکست قبول کر لی۔ ایک رات اور گزر گئی اور چوتھے روز صبح ہی صبح ہم جہاز میں بیٹھ گئے۔ بدھ بھکشو

مارے ڈالتی تھی۔ ہم اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ جہاز جلد ہی تہران کی زمین سے اٹھ گیا اور تہران کی فضاؤں میں پرواز کرتا ہوا بستیاں پھلانگتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

کراچی انیر پورٹ پر جہاز کوئی آدھے گھنٹے ٹھہرا۔ میں جہاز سے اترا نہیں اس لئے کہ بدھ بھکشو بھی جہاز میں موجود تھے اور میں بمبئی تک ان کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ بمبئی سے ان کی منزل گیا تھی، جہاں گوتم بدھ کے عظیم الشان مندر میں گوتم بدھ کی یاد میں کوئی جشن منایا جا رہا تھا۔ ہندوستان، میرا وطن، میں نے کراچی کا صاف ستھرا ہوائی اڈا جہاز کی کھڑکیوں سے دیکھا۔ میرا وطن میرے لئے جہنم بن گیا تھا، صرف لندن میں چند ماہ سکون سے گزارے تھے مگر وہاں بھی بلاؤں نے میرے تعاقب میں کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔ بیان کرنے اور مصائب جھیلنے میں بڑا فرق ہے۔ جو لفظ سرسری گزر جاتے ہیں، ان لفظوں کا جبر میں نے سہا ہے، جو انڑا خوشبو بکھیرتے ہیں، میں نے انہیں سونگھا ہے۔ میرے احساس کی شدت میرے درد میں شامل ہونے سے محسوس ہوئی۔

بمبئی میں اترنے کے بعد میں بدھ بھکشوؤں کے ساتھ چلتا رہا۔ انکا پوری طرح محتاط تھی۔ میرا ارادہ کسی اولین گاڑی کے ذریعے سب سے پہلے کلدیپ کے استھان جانے کا تھا۔ میرے پاس کچھ زیادہ سامان نہیں تھا۔ تزئین کے لئے میں نے چند چیزیں خریدی تھیں جو میرے سامان میں محفوظ تھیں۔ بدھ بھکشوؤں کو لینے کے لئے ائرپورٹ پر کچھ لوگ موجود تھے۔ میرا کوئی نہیں تھا۔ ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی مجھے اجنبیت کا احساس ہوا۔ ائرپورٹ سے میں بخیریت سینٹرل اسٹیشن پہنچ گیا۔ میں نے صرف رات کو سفر کرنا مناسب سمجھا۔ انکا بار بار اچھل جاتی، میری جیب میں تھوڑی بہت انگلستانی کرنسی تھی جو میں نے ائرپورٹ پر بھنالی تھی۔ باقی رقم جین کے پاس محفوظ کر آیا تھا۔ انگلستان میں، میں نے بہت سی رقم کمائی تھی۔ اگر اسے کمائی کہا جائے۔ ٹرین کی روانگی کے بعد سب سے پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب ایک چھوٹے اسٹیشن پر ایک انسپکٹر میرے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے متعدد الزامات کے تحت حراست میں لینے کی کوشش کی۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا۔ دو سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ گاڑی اپنی رفتار سے چل رہی تھی اور میں انہیں بتا رہا تھا کہ میرا نام دولت علی خان ہے۔ میں جمیل احمد خان نہیں ہوں۔ میں نے انہیں لندن جانے والے کاغذات دکھائے لیکن وہ انگلستان کی پولیس نہیں تھی۔ اس کا تعلق ہندوستان سے تھا۔ میں جان بوجھ کر تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھا تھا لیکن یہی بات میرے لئے مصیبت بن گئی۔ اگر وہ فرسٹ کلاس کے تنہا کیبن میں آتے تو میں انہیں گاڑی سے نیچے کسی نالے میں پھینک دیتا۔ ڈبے میں موجود لوگ مجھے، میرے قیمتی سامان کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔ بس ایک حربہ رہ گیا تھا کہ انکا میرے سر سے اترے اور کوئی شعبدہ دکھائے۔ انکا انسپکٹر کے سر پر جانے کے بجائے ایک
ے میرے معاملے میں دلچسپی لے

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

رہا تھا۔ وہ انسپکٹر سے الجھ پڑا اس نے اس پر ہاتھ اٹھا دیا۔ ڈبے میں ایک قیامت برپا ہوگئی۔ مسافر سپاہیوں سے دست وگریباں ہوگئے۔ میں نے اپنا سامان وہیں چھوڑ دیا اور ایک جگہ جب گاڑی ذرا ہلکی ہوئی، میں لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا ڈبے سے کود پڑا۔ میرے سر میں شدید چوٹ لگی۔ اندھیری رات تھی، کوئی اسٹیشن قریب تھا۔ میرے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ میں نے اپنی چوٹ کی پروانہ کی اور جدھر منہ اٹھا، تیزی سے بھاگتا رہا۔ اس علاقے میں خاصی بارش ہوتی ہے۔ میں چھپتا چھپاتا میلوں تک نکل گیا۔ میرا رخ اس طرف تھا جدھر سے گاڑی آئی تھی۔ یہ پہلا حادثہ تھا ہندوستان میں اترنے کے فوراً بعد۔ میں جانتا تھا کہ اس پردہ نگاری میں کون معشوق ہے وہ بدری نرائن کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ انکا میرے سر پر نہیں تھی۔ ہندوستان کی پولیس میرے جرائم کے متعلق فردِ جرم تیار کرچکی تھی۔ آگے چلنے کے بعد بارش نے زور باندھ لیا۔ اندھیرا، انجانا راستہ، بارش۔ مجھے اس وقت خیال آیا کہ میرا ہندوستان آنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے بدھ بھکشو کمپالا کی معنی خیز مسکراہٹ یاد آئی جو بمبئی ائرپورٹ پر رخصت ہوتے وقت اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ صرف ایک دن میں میری حالت کتنی متغیر ہوگئی تھی۔؟ تہران کے آرام دہ ہوٹل میں قیام، پھر جہاز کا سفر اور یہ ویران مقام۔

چلتے چلتے اندھیرے میں مجھے روشنی کی ایک کرن نظر آئی۔ وہ ایک کوٹھری تھی اور اس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ دروازے کی جھریوں سے روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی تھی۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔ ’’آجاؤ۔‘‘ اندر سے ایک بھاری بھرکم مردانہ آواز آئی مگر میں سہم کر وہیں کھڑا رہا۔ ’’آجاؤ۔ ڈرو نہیں۔‘‘ پھر اسی آواز نے بند دروازے کے اندر سے کہا۔ میں بارش میں بھیگا ہوا تھا۔ میں نے درزوں سے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ وہاں مجھے ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی نظر آئی لیکن عجیب بات تھی کہ اندر سے آواز کسی مرد کی آئی تھی۔ مرد مجھے نظر نہیں آیا۔ میں نے دروازے کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ وہ آسانی سے کھل گیا۔ اندر روشنی تھی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا لیکن میرے قدم وہیں کسی نے جکڑ لئے۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ سارا کمرا خالی تھا۔ دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہوگیا۔ میں نے حواس باختہ ہوکر دروازے پر ضربیں لگانی شروع کردیں۔ دروازہ ذرا بھی نہیں ہلا۔ میں بدری نرائن کے جال میں پوری طرح پھنس گیا تھا۔ انکا بھی میرے پاس نہیں تھی۔ بارش کی پُرشور آواز میں میری چیخ پکار کون سنتا؟ اشرفی بیگم کے بالا خانے پر بھی میں اسی طرح پھنس گیا تھا۔ یہ خیال کرکے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ بدری نرائن نے کوٹھری کے گرد اپنی کالی طاقتوں کا جال نہ بن دیا ہو۔ مجھے یہ اندیشہ بھی ہوا کہ اگر کلپنا یا انکا میری مدد کو نہ آسکیں تو......؟ میں نے سوچا جدوجہد بیکار ہے۔ دیواروں سے سر ٹکرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں ان جہنمی طاقتوں کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہوں؟ میں انکا کا محتاج ہوں۔ میں کلدیپ اور کلپنا کا محتاج ہوں۔ ایک محتاج اور معذور آدمی، جمیل احمد خان۔ ایک

پاگل، ایک کتا آدمی۔

بارش تھم گئی تو میں نے کوٹھری سے باہر نکلنے کی ایک کوشش اور کی۔ یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح صادق کے وقت پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آنی شروع ہوگئیں۔ میں نے درز سے باہر جھانک کر دیکھا۔ مجھے ایک درخت کے نیچے ایک سادھو بیٹھا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ میں زور زور سے چیخ کر اسے متوجہ کرنے لگا مگر اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ آسن جمائے، مست الست اپنی دھن میں مگن رہا۔ تھک ہار کر میں اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ باہر آگ لگ رہی ہے۔ میں نے جھری سے پھر دیکھا۔ ایک گول دائرے کی شکل میں سامنے آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ کسی دیہاتی کے ہاتھ میں کدال تھی اور سادھو مردہ پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد دیہاتی جھری میں میری نظروں کے دائرے سے نکل گیا اور دوسرے ہی لمحے میں نے انکا کو اپنے سر پر موجود پایا۔ وہ مجھے حکم دے رہی تھی کہ میں دروازے پر ایک بھرپور ضرب لگاؤں۔ میری دو تین لاتوں سے دروازہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یہ وہی دروازہ تھا جسے میں آدھی رات سے کھولنے کی کوشش کررہا تھا۔ باہر آکر میں نے آگ کا وہ دائرہ پھلانگ لیا جس نے ساری کوٹھری کا احاطہ کررکھا تھا۔ سادھو کا خون اس کے اونچے استھان پر پھیلا ہوا تھا اور دیہاتی وہاں موجود نہیں تھا۔ اسے انکا نے بھگا دیا تھا۔

’’ہمیں جلد از جلد اس بستی سے دور ہو جانا چاہئے۔‘‘ انکا نے کہا۔

میں نے اس وقت مناسب نہیں سمجھا کہ اس سے کوئی باز پُرس کروں۔ جب سورج چڑھ آیا تو میں کافی دور آچکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے میرے پیروں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔ میں نے انکا سے آگے جانے کے لئے انکار کردیا۔ اس وقت انکا نے اپنے پنجے میرے سر میں اتنی زور سے چبھوئے کہ مجھ پر بے ہوشی کا غلبہ ہوگیا اور مجھے کچھ ہوش نہیں رہا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کیا سوچ رہا ہوں؟ جب انکا کا یہ غلبہ ختم ہوا تو میں نے خود کو ایک ویران مقام پر پایا۔ انکا مجھے بستیوں بستیوں چھپاتی ہوئی جنوبی ہند کے ایک مقام کرنول تک لے آئی تھی۔ ناندیڑ رائے چور اور ادونی ہوتے ہوئے میں کرنول شہر سے دور کسی کسان کے گھر مقیم تھا۔ مجھے بمبئی سے چلے ہوئے ایک ماہ ہوگیا تھا۔ کسان نے مجھے ایک علیحدہ کوٹھری دے دی تھی۔ ہوش میں آنے کے فوراً بعد تمام باتیں انکا نے مجھے بتا دی تھیں۔ جب میں کمپارٹمنٹ سے کود گیا تھا تو ڈبے میں انسپکٹر نے میرے اس ہمدرد شخص پر گولی چلا دی تھی۔ نتیجے میں دوسرے مسافر انسپکٹر پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انکا کو معاملات اپنے قابو میں رکھنے کے لئے دیر تک وہاں رکنا پڑا۔ پھر جب وہ واپس آئی تو اس نے کوٹھری کے گرد ایک دائرہ کھنچا ہوا دیکھا۔ اس دائرے کی وجہ سے انکا اندر نہیں جا سکتی تھی۔ چنانچہ انکا نے قریبی بستی سے ایک دیہاتی کو لیا۔ اس مقام پر یہ سادھو بمبئی کے ایک مندر کے پجاری کے اشارے پر یہ سب کچھ کررہا تھا جس سے بدری نرائن نے درخواست کی تھی۔ انکا نے اسے ایک کدال

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے ختم کرادیا تھا۔ اس کے بعد اس نے دیہاتی سے اس دائرے میں آگ لگوادی جس میں، میں مقید تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ کلپنا کیوں نہیں آئی جو ہر موقع پر میری مدد کو آ جاتی تھی؟ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے مندروں کے پجاری میری تاک میں تھے۔ انکا نے مجھے مغلوب کر کے، مجھے اپنی ذات کا ایک حصہ بنالیا تھا۔ اس طرح اس نے کسی حد تک میرے دفاع کا سامان پیدا کر لیا تھا۔ راستے میں جو مصائب پیش آئے، ان کا تذکرہ فضول ہے کیونکہ میں ان سے بے خبر تھا۔ ہمارے سامنے اس وقت یہ مسئلہ تھا کہ ہم کس طرح کلدیپ کے استھان تک پہنچیں؟ کرنول تک تو انکا مجھے لے آئی تھی لیکن کرنول سے میسور کا فاصلہ کم نہیں تھا۔ اب تک میرے خیال کے مطابق انکا ہی نے مجھے پنڈتوں کی زد سے بچایا ہوا تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ کلپنا میرے ساتھ رہی تھی۔ اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب کرنول سے میسور تک پیدل سفر کرتے ہوئے میں ایک پھسلواں چٹان سے گر پڑا اور کلپنا کو میرے سامنے ظاہر ہونا پڑا۔ سرمئی رنگ کی ساڑی میں حسین و جمیل کلپنا بے حد اداس تھی۔ اسے دیکھ کر میں اپنی تکلیف بھول گیا۔ کلپنا کو دیکھ کر انکا میرے سر سے غائب ہو چکی تھی۔ کلپنا کو سوگوار اور ملول دیکھ کر مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آسکا۔ اس کی کنول جیسی آنکھوں میں ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ اس کے چہرے کے نقوش مجھے دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ ''کلپنا۔ میری نگاہیں دھوکا تو نہیں کھا رہی ہیں؟'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

''ہاں جمیل احمد خان۔ یہ میں ہوں کلپنا۔'' کلپنا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ''جب سے تم ہندوستان آئے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن مجھے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح تمہاری مصیبتوں میں اضافہ ہو جاتا اور انکا بھی اتنی مستعد اور فعال نہ رہتی۔''

''تمہارے چہرے پر اداسی کیوں ہے؟ تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو؟'' میں نے کہا۔

''ساری بساط الٹ گئی ہے جمیل احمد خان۔ مگر تم نراش نہ ہونا۔ تم نے حوصلہ چھوڑا تو پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آسکے گا۔ سمے سمے کی بات ہے۔ انکا نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا۔ پولیس تمہارے پیچھے ہے۔ تم شہروں میں نہیں جا سکتے کیونکہ اپنے ٹوٹے ہوئے ہاتھ کے باعث آسانی سے پہچان لئے جاؤ گے۔ چاروں طرف پنڈتوں نے تمہارے خلاف جال بچھایا ہوا ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں نے کہاں کہاں وہ بلائیں تم سے دور رکھی ہیں۔ جتنا تم ان سے بچ رہے ہو، اتنے ہی وہ تمہارے خلاف صف آرا ہو رہے ہیں۔'' کلپنا نے کہا۔

''میرا خیال ہے میرے لئے ایک جگہ ہی سکون کی ہے، کلدیپ کا استھان۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے یاد ہے، ایک دفعہ تم نے مجھے اشرفی بیگم کے بالا خانے سے اپنی طاقتوں کے ذریعے کلدیپ کے استھان تک پہنچا دیا تھا۔''

''اب میں ایسا نہیں کر سکتی۔ بدری نرائن نے دو بڑے پجاریوں کو استھان کے باہر بٹھا دیا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو تمہیں اتنی تکلیفیں اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ استھان کے اندر داخل نہیں ہو سکتے لیکن باہر انہوں نے اپنے ہیر پھیرے پر لگا دئے ہیں۔ میں تم سے یہی کہنے آئی ہوں کہ تم اپنا راستہ بدل دو۔ بہتر تھا کہ تم ہندوستان نہ آتے اور اگر آتے تو اس وقت آتے جب میں نے تم سے کہا تھا۔ کرنول تک میں اس مقصد سے تمہارے ساتھ نہیں رہی ہوں کہ میسور کا فاصلہ کم سے کم ہو جاتا ہے بلکہ ایک ہی راستہ تمہارے بچاؤ کا تھا۔''

''کلدیپ اور ترئین کا کیا حال ہے؟ کلدیپ تو پریتم لال کی جانشین ہے۔ پریتم لال جو ایک بہت بڑا پجاری تھا۔ اس کی طاقتوں کو کیا ہوا؟''

''کلدیپ اسی نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ایک کڑے جاپ میں مصروف ہے۔ صرف تمہارے لئے۔ ترئین بالکل ٹھیک ہے۔ اس کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ پریتم لال کے استھان میں داخل ہونے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔''

کلپنا میرے زخم پر مرہم رکھ کر اچانک غائب ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی انکا آ گئی۔ انکا نے مجھ سے کہا۔ ''کچھ دیکھو گے؟''

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ ''کیا؟''

''لو دیکھو۔'' انکا نے کہا اور اسی لمحے میں نے ایک ایسا خوف ناک منظر دیکھا کہ آنکھیں بند کر لینی پڑیں۔ عجب شکل کے بے شمار چھوٹے چھوٹے بندر نما جانور ایک دوسرے پر وحشیانہ پن سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ''یہ کیا ہے؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

میری نظروں کے سامنے سے وہ منظر غائب ہو گیا۔ ''دیکھا؟'' انکا نے کہا۔

''مگر یہ سب کیا ہے۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہاری آنکھوں پر پردہ پڑا رہنا چاہئے۔ میرے پیارے جمیل! تمہیں معلوم نہیں کہ تم کتنی مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ چلو یہاں سے بھاگ چلو۔''

میں اپنی لنگڑاتی ہوئی ٹانگ سے اٹھ کر آگے بڑھنے لگا۔ انکا سرگوشیوں سے کہنے لگی۔ ''یہ کرنول کے ایک مندر کے پجاری اور کلپنا کے درمیان لڑائی تھی۔ جمیل، یہ کلپنا، کلدیپ کا کوئی روپ ہے۔ کلدیپ نہیں چاہتی کہ وہ میرے سامنے آئے۔''

میں نے اسے کلپنا کی گفتگو سے آگاہ کیا تو اس نے فوراً راستہ بدل دیا۔ ''اب ہم یہاں ج[illegible]؟ کلپنا اچانک غائب ہو گئی تھی۔ میں اس سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکا۔''

''وہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ اب ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم کسی ایسے مقام پر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

چلے جائیں جہاں ان پنڈتوں پجاریوں کی دست برد سے دور رہیں۔" انکا نے کہا۔

"میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔ اگر میں مسجد یا کسی بزرگ کی درگاہ میں پناہ لوں تو وہاں یہ مردوداور اس کے حواری مجھ پر کوئی وار نہیں کرسکیں گے۔"

"تم صحیح کہتے ہو لیکن مسجد یا درگاہ میں تم جیسے گناہ گار شخص کو کون قبول کرے گا؟ اور تم لوگوں کی نگاہوں سے تو نہیں بچ سکتے۔ وہاں بدری نرائن نہیں تو پولیس کو کوئی خبر دے سکتا ہے۔"

مجھے خود خوف آیا کہ میں مسجد یا کسی بزرگ کے مزار پر پناہ لینے کا اہل نہیں ہوں۔ میں تو بہت برا آدمی ہوں۔ ہوائی جہاز یا پانی کے جہاز سے سفر کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں شش و پنج میں لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا کہ انکا نے میرا ذہن اپنے قابو میں کرلیا۔ درمیان میں تکلیف دہ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ اگر سناؤں گا تو کوئی نئی بات نہ ہوگی۔ وہی حوادث، وہی معرکے، وہی بدبختیاں، وہی آنکھ مچولی، کہیں گرفتاری، کہیں رہائی، کہیں سزا، کہیں نجات، کسی وقت دکھ تو کسی لمحے خوشی۔ پہلے بھی پے در پے حادثات سے پاگل ہوگیا تھا۔ انکا گاہے بگاہے مجھے ہوش میں لاتی تھی تو میں ہذیان بکنے لگتا تھا اور وہ پھر مجبور ہوکر میری تمام حسیں سلب کر کے مجھے اپنا تابع کرلیتی تھی۔ چھ ماہ، میری سرگزشت کے دنوں میں اور جمع کر لیجئے۔ چھ ماہ میری عمر اور گھٹ گئی۔ پاؤں کہیں رکھتا تھا، پڑتا کہیں تھا۔ سوچتا کچھ تھا تو نتیجہ کچھ نکلتا تھا۔ ہر طرف پہرے تھے۔ ان بھیانک عفریتوں کے پہرے۔ جن کے سینے میں دل نہیں تھا جو دنیا سے کٹ کر بے دل اور سنگ دل ہوگئے تھے۔ کلپنا نے اس دوران مجھ سے بات نہیں کی۔ میرے جسم پر اپنا لباس نہیں تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا اس عرصے میں، میں نے کیا کھایا، کیا پیا؟ کہاں سے پہنا؟ میرے پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے تھے اور میری جلد سیاہ ہوچکی تھی۔ جنوبی ہندوستان سے شمالی ہندوستان اور شمالی سے مشرقی علاقوں میں جگہ جگہ گھوم کر، گیا پہنچ گیا۔

گیا شہر میں ۷ میل پر پھیلا ہوا بدھ گیا ایک علاقہ ہے جہاں گوتم بدھ نے نروان حاصل کیا تھا۔ یہاں وہ آثار جگہ جگہ نظر آتے ہیں جہاں گوتم بدھ نے پہلی مرتبہ آکر قیام کیا تھا گو اب ان میں سے بیشتر آثار کھنڈروں کی شکل میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ یہاں وہ بڑا برگد کا درخت بھی موجود ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر گوتم بدھ نے ریاضت کی تھی۔ یہ بہت اونچا اور پھیلا ہوا درخت ہے۔ اس کے متعلق لوگوں میں مختلف آرا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ اصل درخت نہیں ہے لیکن بدھ بھکشوؤں کا خیال ہے کہ یہی وہ درخت ہے جسے گوتم بدھ کے اوپر سایہ کرنے کا شرف حاصل ہے۔ پوری بستی میں پگوڈا اور مندروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہاں بدھ بھکشو گوتم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں۔

ایک مندر کے احاطے میں برگد کا اونچا درخت ہے۔ یہ مندر سب سے بڑا ہے اور سب سے بڑا رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ یہ پتھر سے بنایا گیا ہے۔ مندر کا کلس بہت دور سے نظر آتا ہے۔ بدھ یاتری گوتم

کے جشن سالگرہ کے موقع پر دنیا بھر سے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس وقت پورے مندر میں چراغاں کیا جاتا ہے اور گوتم کے قدموں میں عطیات نچھاور کیے جاتے ہیں۔ اس بڑے مندر کی پتھر کی بنی ہوئی عمارت میں چھوٹی چھوٹی مورتیاں منقش ہیں۔ ان مورتیوں کے ذریعے سنگ تراشوں نے بڑی جاں فشانی سے گوتم کی پوری زندگی اور تعلیمات کو پیش کیا ہے۔ گیا کے ایک جانب ندی ہے اور تین اطراف میں پہاڑیاں ہیں۔ بدھ گیا میں قدم رکھتے ہی انکا میرے سر سے یہ کہتے ہوئے اتر گئی۔ "تمہارے لئے اب یہی محفوظ جگہ رہ گئی ہے۔ جب میری ضرورت ہو، اس علاقے سے باہر آ جانا، میں وہاں منتظر ملوں گی۔ اندر جا کر تم کمپالا کا پتا پوچھنا اور سنو جمیل!" اس نے مجھے نصیحت کی۔ "یہاں لوگوں کو ناراض کرنے کے بجائے دوست بنانے کی کوشش کرنا۔ یہ وقت نکل جائے گا لیکن اچھے وقت کے لئے تمہیں برا وقت گزرانا ہوگا۔"

میں نے اس کی تسلیوں کا کوئی جواب نہیں دیا، مجہول انداز میں سر لٹکائے گریبان چاک میں چھوٹے چھوٹے مندروں سے گزرنے لگا۔ اس بستی میں بھکشوؤں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گوتم بدھ کو یہ دنیا چھوڑے ہوئے چند ہی دن ہوئے ہیں۔ میرے اوسان خطا ہوگئے۔ کئی بھکشوؤں نے مجھے تشویش سے دیکھا لیکن انہوں نے میرا راستہ نہیں روکا۔ میں ان میں کمپالا کو تلاش کر رہا تھا۔ کمپالا جو تبت کا کوئی بہت بڑا بھکشو تھا۔ بمبئی سے گیا آ گیا تھا تا کہ گوتم بدھ کے جشن سال گرہ میں شریک ہوسکے۔ بمبئی سے مجھے چلتے ہوئے سات آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ میں اس اعتبار سے ہندوستان کا منفرد شخص ہوں کہ میں نے ایک سمت سے دوسری سمت طویل ترین راستوں پر پیدل سفر کیا ہے۔ ہندوستان کی متنوع اور رنگا رنگ تہذیب کے موضوع مجھ سے بہتر جاننے والے شاید ہی چند اور اشخاص ہوں گے لیکن یہ موقع ہندوستان کے تہذیبی تضاد بیان کرنے کا نہیں ہے۔ یہ تو میری تیرہ بختیوں کی سرگزشت ہے۔

کاش میں کمپالا کی ہدایت کے مطابق اس کے ساتھ تبت چلا جاتا اور میری زندگی سے یہ جو سات آٹھ ماہ کم ہوگئے تھے، وہ بچ جاتے، لیکن کتنے کاش، کتنی حسرتیں! کسے معلوم تھا کہ موت بھی ناراض رہے گی۔ وہ مجھے سسکا سسکا کر مارنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھے کہ انہوں نے ایک عرصے تک مجھے زندہ رکھنے کے باوجود زندگی سے دور رکھا اور میں یوں ہی رہا۔

مندر کا سارا علاقہ پُرسکون تھا۔ کچھ دور جانے کے بعد میں نے ایک نوعمر بھکشو کو روک کر نرمی سے پوچھا۔ "بھائی! کیا یہاں کمپالا سے ملاقات ہوسکتی ہے؟"

"کمپالا!" اس نے حیرت سے دہرایا۔ "تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

میں نے مختصراً اسے اپنی ملاقات کا سارا واقعہ سنایا۔ اس نے محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اور کہنے لگا۔ ''وہ ایک عظیم بھکشو ہے اور تبت واپس چلا گیا ہے لیکن تم میرے ساتھ رہو۔ میری کٹیا اس بستی میں موجود ہے۔ میں تمہارے من کو شانت رکھنے کے لئے شاکیہ منی کی آفاقی تعلیمات کا رس پلاؤں گا۔ جلد ہی کوئی قافلہ تبت روانہ ہوگا، میں تمہیں ان کے ساتھ روانہ کردوں گا۔''

میں اپنے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ میں نے تھکے ہوئے انداز میں گردن ہلا دی۔ اس نوجوان کا نام ناگرا تھا۔ وہ مجھے گوتم کی سب سے بڑی مورتی کے سامنے لے گیا جس پر سونا اور ہیرے جواہر لگے ہوئے تھے اور اس نے مجھے وہاں کھڑا کر کے بڑی عقیدت سے کہا۔ ''شاکیہ منی۔ شانتی کے دیوتا۔ یہ شخص تیرے سامنے اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ آیا ہے۔ اسے سچائی کا راستہ دکھا۔'' وہ چاہتا تھا کہ میں بھی اس کے الفاظ دہراؤں لیکن کوشش کے باوجود میرے منہ سے کچھ نہیں نکل سکا۔ میں اس کے ساتھ گم صم کھڑا رہا۔ گوتم کی اس مورتی کے سامنے دن بھر زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس علاقے میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور انجماد محسوس ہوتا تھا جو گوتم بدھ کی تعلیمات اور اس کی زندگی کی عکاسی کرتا تھا۔ میں نے بدھ مت کے متعلق کبھی کسی پہلو سے نہیں سوچا۔ قسمت مجھے یہاں لے آئی تھی۔ میں خود نہیں آیا تھا، مجھے یہاں پہنچا دیا گیا تھا۔ انکا مجھے یہاں لے کر آئی تھی تو یقیناً اس کا کوئی مقصد ہوگا۔ کلپنا کا ایما بھی اس میں شامل تھا۔ میں تو بے زبان جانور تھا جسے جس طرف ہنکا دیا جاتا تھا، چلا جاتا لیکن بدھ گیا کے پُراسرار ماحول میں بیٹھ کر مجھے کمپالا کی کہی ہوئی باتیں یاد آگئیں۔ ناگرا نے مجھے اپنے حجرے میں ٹھہرایا۔ رات کو جب وہ عبادت اور مندر کے کاموں سے فارغ ہونے پر آتا تو مجھ سے اپنے مت اور بدھ کے پیغام کے بارے میں گفتگو کرنے لگتا۔ اس گفتگو سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو اس آگ میں جل رہا تھا جسے ناگرا کی شیریں اور ٹھنڈی باتیں نہیں بجھا سکتی تھیں۔ ناگرا کا دل رکھنے کی خاطر میں اس کی باتیں توجہ سے سن لیا کرتا تھا۔ ناگرا کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اہنسا اور شانتی کے باوجود اس کے دل میں ہندو دھرم سے ایک عناد ہے۔ میں نے مختصراً اسے اپنی سرگزشت سنائی۔ اس نے تبت کی عبادت گاہوں، تطہیر قلب اور مراقبے کی کئی مشقوں کے بارے میں مجھے بتایا۔ مجھے اپنے قلب کی تطہیر کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے خود ہی ایک سادہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن میرا فیصلہ بدری نرائن کی موت و زندگی سے مشروط تھا۔ ناگرا میری روداد سن کر حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ مجھے کمپالا کے پاس تبت ضرور جانا چاہئے۔ وہ میری مدد ضرور کرے گا۔

رفتہ رفتہ میں ان کے طریقہ عبادت اور ان کے فلسفہ مذہب سے واقف ہوگیا لیکن یہاں کی زندگی میں یکسانی تھی، بہت کم لوگ اصل بھکشو کے درجے تک پہنچ پاتے تھے۔ باقی تو نفس کو مارتے مارتے راستے میں بھٹک جاتے تھے۔ میرے دوست ناگرا کی باتیں دل لبھانے والی تھیں۔ اگر مجھے کوئی الجھن

Downloaded from Paksociety.com

نہ ہوتی تو میں ان باتوں کے سحر میں کھو جاتا۔ میں ایک سیماب صفت آدمی اس یکسانیت سے اکتا گیا۔ میں ایک مہینے کی مدت میں صرف ایک بار پگوڈا سے باہر گیا تھا۔ انکا، بدھ گیا کی حدود سے باہر آتے ہی میرے سر پر آ گئی۔ میں نے اسے بدھوں کے ایک قافلے کے متعلق بتایا جو اگلی چودھویں کو تبت کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ انکا بھی تنہائی سے بیزار تھی۔ میں اس کے زرد چہرے اور اداس باتوں سے گھبرا گیا اور جلد ہی مندر میں واپس آ گیا۔ وہ میری محبوبہ، میری دل و جانی، میری انکا بڑی مستعدی کے ساتھ بدھ گیا کے علاقے کے باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔

چودھویں کی رات کو مہاتما بدھ کی مورتی کے سامنے پچیس افراد پر مشتمل بھکشوؤں کی ایک جماعت نے اپنے رہبر سے آشیرباد لیا۔ ناگرا نے میری حفاظت کے بارے میں تمام بھکشوں کو خبردار کر دیا تھا۔ ان میں کچھ بھکشو بڑی عمر کے بھی شامل تھے۔ گیروے رنگ کی ایک چادر میرے جسم پر ڈھانپ دی گئی۔ میرا سر مونڈ دیا گیا اور میں خالص بدھ پجاریوں کے روپ میں قافلے کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ مندر سے باہر آتے ہی انکا میرے ساتھ ہوگئی۔

گیا کے شمال مشرق میں جہاں بہار کی سرحد آسام سے ملتی ہے، یہ تیس بتیس میل کی لمبی پٹی ہندوستان کو چین سے جدا کرتی ہے۔ یہیں چینی حدود سے پہلے ہمالیائی سلسلے میں بھوٹان اور سکم واقع ہیں۔ ان دونوں جگہوں کا مذہب بودھ اور زبان تبتی ہے۔ سکم کے شمال میں دشوار گزار راہیں طے کر لینے کے بعد کہیں سرزمین تبت آتی ہے جہاں کا حکمراں دلائی لاما ہے۔ یہ پیدل سفر زندگی کو وبال سمجھنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنا مقصد اولین قرار دینے والے بھکشوؤں کی معیت میں گزرا۔ اس قافلے کے لئے تبت میں داخلے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

ہم دشوار گزار پہاڑ، سبزہ زار اور گھنے جنگل عبور کرتے اور مختلف جگہوں پر قیام کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جگہ جگہ پہاڑ کاٹ کر بدھوں کی عبادت گاہیں بنائی گئی تھیں۔ یہاں ایسی عمارتیں بھی موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ ٹیکسلا کی خانقاہیں جن حضرات نے دیکھی ہیں وہ ان وسیع و عریض پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی عمارتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہاں چیڑ کے لمبے لمبے درخت پہاڑی ڈھلوانوں پر اس طرح کھڑے ہیں جیسے اس کوہستانی سلسلے کی حفاظت کے لئے قدرت نے درختوں کی ایک سیاہ کھڑی کر رکھی ہو۔ کبھی کبھی آس پاس سے پہاڑی چشموں کے زمزمے سنائی دیتے۔ ان جنگلات میں درندے بکثرت ہیں لیکن یہ عام انسانی گزرگاہوں سے دور ہی رہتے ہیں۔

کوئی دو مہینے بعد ہم تبت کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ دو مہینے میں انکا کو خون پینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور جہاں آبادی ملی وہ میرے سر سے اتر کر چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کی چہرے پر

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تازگی تھی لیکن اس کی زندہ دلی کسی نے چھین لی تھی۔ وہ عام طور پر خاموش رہنے لگی تھی۔ مجھے بھی باتیں کرنا پسند نہیں تھا۔ بدھ بھکشو بھی آپس میں کم باتیں کرتے تھے۔ نفس پر غلبہ، خواہشات مارنا، حسرتوں کی پامالی، اس تثلیث سے میرا گھبرا جانا فطری تھا لیکن میرے سامنے ان لوگوں کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ دس گیارہ ماہ ہو گئے تھے پیدل چلتے چلتے۔ یہاں ہماری جماعت مختلف ٹکڑیوں میں بکھر گئی۔ میری رہنمائی کے لئے دو بھکشو رہ گئے جو ناگرا کے جوئیر تھے۔

آخری دو روز کی مسافت کے بعد مجھے اس مندر میں پہنچا دیا گیا جہاں کمپالا اپنا من شانت رکھتا تھا۔ انکا ان مندروں، پگوڈا اور وٹوبا سے دور رہتی تھی۔

مجھے بھکشوؤں کے لباس میں کمپالا کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ وہ بدھ طالب علموں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اس نے درس چھوڑ دیا اور طالب علموں کے درمیان سے گزر کر سیدھا میرے پاس آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''جمیل احمد خان! آخر تمہیں سچائی کے راستے پر آنا پڑا؟''

کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میں اپنے درد کے اظہار کے لئے لفظ ڈھونڈ رہا تھا کہ وہ بولا۔ ''میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ اپنے دیوتاؤں کو بھول گئے ہیں۔''

''کمپالا......!'' میں نے سسکتے ہوئے کہا۔ ''تم میری آخری امید ہو۔ میں بہت دور سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''تم ایک محفوظ جگہ آ گئے ہو جمیل احمد خان۔ سنو میرے بچے، گوتم نے کہا تھا...... صحیح خیال، صحیح بات چیت، صحیح خواہش، صحیح کردار، صحیح زندگی، صحیح کوشش، صحیح غور و فکر، صحیح راہ...... اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرو۔ یہی من کا اجلا پن ہے۔ تمہارے اندر بہت سی طاقتیں ہیں مگر تم نے کبھی انہیں بروئے کار لانے کا ارادہ نہیں کیا۔ تم دوسروں کے سہارے پر پڑے رہے۔ تم نے ایک چھوکری ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ تم خواہشوں میں گھر گئے۔ میں تمہیں ایک نئی زندگی دوں گا۔ ایسی زندگی جس میں چھاؤں ہے، ٹھنڈک ہے، صفائی، سچائی ہے۔''

میں اس کی باتیں دل میں اتار رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے کہا۔ ''میرے یہاں آنے کا مقصد تمہیں معلوم ہے، میں اس سے محفوظ رہنا چاہتا تھا اور اسے نیست و نابود کرنے کے لئے تم سے مدد لینا چاہتا تھا۔'' آخر میں میری آواز بھرانے لگی۔

''تشدد کا راستہ چھوڑ دو اور خود اپنے اندر چھپا ہوا خزانہ باہر لاؤ۔ جب تم اپنی صلاحیتوں سے دولت مند ہو جاؤ گے تو تمہارے تمام دکھ ختم ہو جائیں گے۔'' اس نے ... آواز میں کہا

''میں اس کی موجودگی میں کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ میں ساری زندگی عدم تشدد کا وعدہ کرتا ہوں مگر مجھے ایک تشدد کی اجازت دو۔ میری ہستی اس کی موت کی پابند ہے۔''

''تم ابھی یہاں نئے آئے ہو۔ میں تم سے کوئی اصرار نہیں کروں گا۔ تمہارے من کی صفائی میں ایک عرصہ لگے گا میرے بچے، یہاں کے مندروں میں بھیڑ رہتی ہے۔ میں تمہیں یہاں سے چالیس میل دور جنگل میں لے جاؤں گا جہاں میں اپنے دوست کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ دے دوں گا۔ اس کی صحبت میں تمہیں سکون نصیب ہو جائے گا اور تم دیکھو گے۔ تم دیکھو گے جمیل احمد خان کہ تمہارے اندر کتنی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، دنیا کا خیال چھوڑ دو۔ دنیا لذت و رغبت کی جگہ ہے۔ وہاں کسی کا من اجلا نہیں ہے۔''

کمپالا کے مربیانہ طرز گفتگو سے میں اور الجھ گیا۔ وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جو میرے غم کا مداوا نہیں بن سکتی تھیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں اسے بدری نرائن کو ختم کرنے کے لئے کسی خطرناک قسم کے عمل پر آمادہ کرلوں گا مگر وہ مجھے ایسی نصیحتیں کر رہا تھا جیسے میں اس کے سامنے کوئی بچہ ہوں۔ جیسے میں راستے سے بھٹک گیا ہوں، جیسے اس کے ہاتھ میں میری انگلی ہو اور مجھے اس کے اشاروں پر چلنا چاہئے۔ میں یہاں سے ابھی واپس بھی نہیں جا سکتا تھا اسی لئے میں نے ناکام ہو کر اپنی انگلی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ اس نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ اپنے بڑے حجرے میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھنٹوں ہلے بغیر ساکت و جامد بیٹھا رہتا ہے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی ہے۔ جیسے ساری دنیا اس کے سامنے ہیچ ہے۔ جیسے وہ دنیا کی طرف استہزا کی نظر سے دیکھ کر مسکرا دیا ہو۔ یہ بات میں نے ہندو پنڈتوں میں بھی دیکھی تھی مگر کمپالا کی بات اور تھی۔ اس کا سکون سب سے مختلف تھا۔ دوسرے دن میں تبت کے مندروں میں گھومتا رہا۔ انکا کبھی میرے سر پر آ جاتی، کبھی چلی جاتی۔ جب میں نے اس سے کمپالا کے دوست کے پاس جانے کے متعلق کہا تو اس نے مجھے وہاں جانے سے نہیں روکا۔ انکا کی دلدوز گفتگو بیان کروں گا تو بہت سی باتیں رہ جائیں گی۔ ان افسردہ، غم زدہ باتوں کا کیا ذکر؟ اور دکھڑے بیان کرنے کے لئے کیا کم ہیں۔

اس سے اگلے روز دو خچروں پر بیٹھ کر میں اور کمپالا ایک ایسی جگہ روانہ ہوئے جو اونچے پہاڑوں اور فلک بوس درختوں کے درمیان واقع تھی۔ راستے میں کمپالا اپنے دوست نندا کی روحانی بصیرت کے متعلق مجھے عجیب عجیب واقعات سنا رہا۔ خود کمپالا نے بھکشوؤں میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا۔ نندا نے اپنی عبادت کے لئے ایک خاموش جگہ منتخب کی تھی۔ ہم سہ پہر کو وہاں پہنچے۔ وہ کوئی بڑی عمارت نہیں تھی لیکن وہاں گوتم کی ایک بڑی مورتی ایستادہ تھی۔ نندا ایک پاگل شخص معلوم ہوا۔ اس کا لباس عام بدھ بھکشوؤں کی طرف صاف اور اجلا نہیں تھا۔ کمپالا مجھے اس کے مکان یا عبادت گاہ میں باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ برآمد ہوا تو اس کے ساتھ گندمی رنگ کا ایک ساٹھ سالہ شخص تھا۔ اس کی صحت اس کی عمر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کے باوجود بھی قابل رشک تھا۔ اس نے میری طرف تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ان نظروں میں بدھ بھکشوؤں کی وہ شفقت نہیں تھی جس نے مجھے بڑا سہارا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کرختگی دیکھ کر میرے رگ و پے میں سرد لہر دوڑ گئی۔ میں کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ وہ ٹھوس آواز میں بولا۔ ''تو ان مداریوں میں پھنس گیا جن سے میں پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔''

پُراسرار بھکشو کا حلیہ اور انداز میرے لئے پریشان کن تھا۔ انکا وہاں موجود نہیں تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر لگی کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔ میری طرف سے کمپالا نے جواب دیا۔ ''بہرحال نندا۔ اب یہ تمہارے سپرد ہے۔ تمہیں اس پر پورا اختیار حاصل ہے۔''

''اس کے من میں میل جمی ہوئی ہے۔'' نندا نے درشتی سے کہا۔ ''پر یہ یہاں چل کر آیا ہے تو میں اسے مایوس نہیں کروں گا اور کمپالا۔ تم اسے لائے ہو۔ تم جو یہ جانتے ہو کہ ابھی مجھے اس کا اعتماد بھی حاصل نہیں ہوا کہ اس نے میرے ناکردہ گناہ معاف کر دئیے ہیں۔''

''تم شاکیہ منی کے عظیم پیرو ہو۔ پچھلی باتیں بھول جاؤ نندا، گوتم کے پیروؤں کو تمہاری ضرورت ہے۔''

''اب میں باہر کیا آؤں گا۔ میرا چہرہ سیاہ ہے۔'' نندا نے کہا۔ یہ نندا کا عجز تھا یا اس گفتگو کا کوئی مقصد تھا، میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔ کمپالا مجھے اس کے سپرد کر کے شام کو رخصت ہو گیا۔ شام کے وقت اس سنسان جگہ ہول سا آتا تھا۔ نندا نے مجھے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا لیکن اس اندھیری کوٹھری میں میرا دل نہ لگا اور میں اس کے جاتے ہی باہر نکل آیا اور اس چھوٹے سے مندر میں گھس گیا۔ اندر جا کر میں نے دیکھا، نندا گوتم کی بڑی مورتی کے قدموں میں پڑا سسک رہا ہے اور اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز مکان کی دیواروں میں گونج رہی ہے۔ ''شاکیہ منی، تو جانتا ہے کہ تیرے بھکشو نے اپنے گناہ کی معافی کے لئے کتنی کٹھنائیاں جھیلی ہیں۔ تو مجھے معاف کر دے۔ میں اپنے پچھلے دنوں کا گناہ گار ہوں شاکیہ منی جو میں نے تیرے دھرم کی نفی کرنے والوں کے ساتھ گزارے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا تو میں ایک لمحے بھی وہاں نہ رکا...... میرے ہردے کی اگنی ٹھنڈی کر۔ مجھے شما کر دے شاکیہ منی۔ تیرا بھکشو تیرے پاس پہنچنے والا ہے۔''

مورتی سے باتیں ختم کرنے کے بعد وہ پُراسرار شخص وہاں سے اٹھا۔ میں حیران و ششدر اپنی جگہ کھڑا تھا۔ مڑ کر اس نے مجھے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ پھر وہ میرے قریب آ کر کہنے لگا۔ ''تم نے شاکیہ منی سے میری باتیں سن لیں؟ تمہیں بھی شانتی کی ضرورت ہے، مجھے بھی۔ تم نے بھی مصیبتیں جھیلی ہیں، میں نے بھی۔ تم نے بھی ان لوگوں کا دکھ سہا ہے، میں نے بھی۔ میں اس کا بھکشو ہوں۔ پچھلے جنم میں بھی تھا اور اس سے پہلے نہ جانے کتنے جنموں سے میں اس کے ساتھ ہوں۔ پچھلے جنم

میں نروان حاصل کرنے کے بعد میرا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا اور میں نے ایک پہاڑی سے گر کر خودکشی کر لی تھی۔ اس کے بعد میں نے ایک ہندو برہمن کے گھر جنم لیا۔ میں پچپن سال تک ہندو دھرم سے متعلق رہا اور میں نے تپسیا، جاپ کر کے ہندو پجاریوں میں ایک بڑا درجہ حاصل کر لیا لیکن پچپن سال کے بعد جب مجھے ہندوؤں کے ایک بڑے پجاری کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا، مجھ پر اپنے علم اور عرفان سے یہ نکتہ وا ہوا کہ میں سچائی کے راستے پر نہیں ہوں۔ میں نے بدھ مت کی طرف دیکھا اور ایک رات، میں نے اپنے اضطراب میں شاکیہ منی کو اپنے قریب محسوس کیا۔ اس کے بعد ہندو دھرم میں میرا جی نہیں لگا اور میں نے اپنی کٹیا میں بند ہو کر مراقبہ شروع کر دیا۔ مراقبے کے ایک عالم میں مجھے اپنی پچھلی زندگی، پچھلے جنم صاف نظر آئے اور میں نے اسی دن ہندو دھرم چھوڑ دیا۔ وہ لوگ میرے دشمن ہو گئے اور انہوں نے تمہاری طرح مجھے اذیتیں دینی شروع کر دیں لیکن میں اپنے قدموں پر کھڑا رہا اور پھر میں یہاں تبت میں شاکیہ منی کے قدموں میں آ گیا۔ میں نے اپنے ہندو دھرم کے چولے میں شاکیہ منی کے خلاف بہت زہر اگلا ہے اور میں ان کے ساتھ ساتھ رہا ہوں جو شاکیہ منی کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ دنیا کے تمام حصوں میں بغاوت ہوئی اور بدھ مت کی امر تعلیمات نئے زمانوں کی خواہشوں سے مٹنے لگیں۔ تبت ان سے محفوظ رہا لیکن جب ایک بھکشو پاٹلی پتر سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا تو اس نے برہمنوں کی افترا پردازی کے متعلق بتایا۔ کاش شاکیہ منی مجھے اجازت دیتا تو میں ان پاپیوں کو اس کی حرمت کا مذاق اڑانے کی سزائیں دیتا۔ ان پاپیوں نے شاکیہ منی کو وشنو کا نواں اوتار بتا کر ہندو دھرم میں بدھ مت کو ملانے کی کوشش کی۔ کاش مجھے شاکیہ منی اجازت دے کہ میں تھوڑے عرصے کے لئے اہنسا کو خیرباد کہہ دوں۔''

وہ مجھ سے اس طرح باتیں کرتا رہا جیسے میں اس کا کوئی رفیق ہوں۔ اس کی ذہنی حالت اتنی دگرگوں تھی کہ اس نے دوسری ملاقات میں اپنے دل کا غبار مجھ پر عیاں کر دیا اور شروع میں اس سے مجھے جو ایک خوف سا محسوس ہو رہا تھا وہ ختم ہونے لگا۔ بولتے بولتے کبھی اس کے لہجے میں سختی آ جاتی تھی۔ رات گئے تک میں اس کی خوشامدیں کرتا رہا۔ پہلی بار مجھے اندازہ ہوا کہ میں صحیح جگہ پہنچ گیا ہوں۔ مجھے نندا سے طاقت کا سہارا نہیں لینا چاہئے۔ یہ غلطیاں میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ مجھے اس سے اپنی خفتہ صلاحیتیں بیدار کرنے کی مشقیں کرنی چاہئیں۔ میں اس گفتگو کے دوران اپنے دل کی بات نہ چھپا سکا۔ میں نے کہا۔ ''نندا جی۔ تمہیں سب معلوم ہو گا۔ میں بدری نرائن کو شکست دینا چاہتا ہوں۔ اس کے سوا میرے دل میں کوئی تمنا نہیں ہے۔''

''بالک! کیا تو اس دشٹ پجاری سے بہت خائف ہے؟'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں نندا جی مہاراج!''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

’’جی جی جی۔‘‘ پھر وہ کچھ رک کر بولا۔ ’’مجھے سب معلوم ہے مگر یہ سب تجھ پر منحصر ہے۔ کل سے تو تمام دھیان ہٹا کر ایک دھیان ہو جا۔ میں تیرے پاس ہوں۔ میں تجھ سے پہلے کچھ نہیں کہتا لیکن میں تجھے بتاتا ہوں کہ آدمی، آدمی ہونے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اگر تو نے دھوپ، بارش اور سردی برداشت کر لی اور تو نے اپنا من برف کی تہہ میں رکھ دیا تو تیرا چھپا ہوا آدمی بیدار ہو گا جو ابھی تک سویا ہوا ہے۔‘‘

’’نندا جی! میں ہر بات کے لئے تیار ہوں۔‘‘ میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

’’اس سندر ناری کا خیال بھی چھوڑ دے جو یہاں آتے ہوئے گھبراتی ہے۔ اب وہ ان گپھاؤں میں تنہا پھر رہی ہے۔ اس سے کہہ دے کہ وہ اس لڑکی کے سر پر چلی جائے جسے تو نے پتری سمجھا ہے۔‘‘ نندا نے مجھے ہدایت کی۔

’’ٹھیک ہے نندا جی۔ میں اسے وہاں بھیج دیتا ہوں، کیا اسے کوئی خطرہ ہے؟‘‘ میں ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

’’نہیں۔ پر وہ اس کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ وہ اکیلی ناری اس لڑکی کی کب تک حفاظت کرے گی۔‘‘

نندا کلدیپ کے متعلق کہہ رہا تھا۔ ان باتوں سے صاف ظاہر تھا کہ نندا کتنی دور تک دیکھ سکتا ہے۔ میں اسی وقت باہر نکل گیا اور انکا میری سر پر آئی تو میں نے اسے وہاں جانے اور تزئین کی حفاظت کرنے کے لئے تبت سے رخصت کر دیا اور اپنی تقدیر پر شاکر ہو کر نندا کے پاس چلا آیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن نندا نے مجھے ایک خاص انداز میں بٹھا کر مجھے آنکھیں ایک سمت مرکوز کرنے کی ہدایت کی اور ہلنے جلنے سے منع کیا۔ اس سے اگلے دن اس مشق کا وقت اس نے بڑھا دیا۔ چوتھے دن میری آنکھوں میں درد ہونے لگا اور ایک طرف دیکھتے دیکھتے وہ پتھرانے سی لگیں، لیکن میں دل پہ جبر کئے بیٹھا رہا۔ میں اپنا تخیل اور تصور یکسو کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ میری آنکھیں ایک سمت، درخت کی طرف مرکوز تھیں اور چیونٹیاں میرے جسم پر رینگ رہی تھیں لیکن میں نے ہونٹ بھینچ کر انہیں اپنے جسم پر نشتر لگانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میرا جسم اینٹھنے لگا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرے لپک جاتے تھے۔ پانچویں دن نندا جب میرے سامنے سے ہٹا تو میرا جی چاہا کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ میرے جسم میں سوئیاں چبھ رہی تھیں۔

تصور اور تخیل یکسو کرنا آسان بات نہیں ہے۔

جس نے خیال کا بے لگام گھوڑا قابو میں کر لیا اس نے خود پر قبضہ کر لیا۔ میرا ذہن میرے قابو میں نہیں رہا تھا۔ بدھ بھکشو کمپالا کا خیال تھا کہ مجھے اپنے دل و دماغ کی صفائی کرنی چاہئے۔ وہ کہتا تھا کہ ہر

شخص کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتیں ہوتی ہیں جن سے اسے کام لینا نہیں آتا۔ اس کا انداز مذہبی سے زیادہ سائنسی تھا جیسے کوئی کہہ رہا ہوں کہ ورزش کرو، تمہارا جسم طاقت ور ہو جائے گا۔ وہ کہتا تھا کہ تپسیا اور مراقبہ ذہن کی خفیہ صلاحیتیں ابھارنے کی ورزش ہے۔ کمپالا سے زیادہ مجھے نندا نے متاثر کیا۔ اس کی حالت پاگلوں کی سی تھی۔ وہ تبت کے اس سنسان مقام پر گوتم کے خیال میں مست تھا اور اسے خوف تھا کہ شاکیہ منی اس سے ابھی تک ناراض ہے۔ نندا آدمی کے دل میں گھسا رہتا تھا۔ اس کی آنکھیں دل میں کھب جاتی تھیں۔ اس کی سختی میں ایک شفقت تھی۔ اس نے مجھے تصور اور تخیل یکسو کرنے کا جو عمل بتایا تھا، اسے متواتر جاری رکھنا پڑا۔ شروع شروع میں مجھے اذیت ناک تکلیف کا احساس ہوا۔ کئی بار جسم پر چیونٹیوں کے رینگنے اور کیڑے مکوڑوں کے کاٹنے سے میرا جی چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں اور انکا کو تزئین کے پاس سے بلا لوں۔ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے لیکن میں بھاگ کر کہاں جاتا؟ ہندوستان کی سرزمین پر بسنے والے پنڈت پجاری اور وہاں کی پولیس والے خون آشام درندوں کی طرح میری تاک میں گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ میں جبر کر کے اپنے حالات سے مفاہمت کرنے پر مجبور تھا اور یہاں تبت کی پہاڑیوں پر نندا کے رحم و کرم پر تھا۔ میں نے جیل کے دن دیکھے تھے اور سڑکوں پر بھیک مانگی تھی۔ یہ جگہ تو بڑی پُرسکون تھی۔ یہاں کسی کے آنے اور مجھے پریشان کرنے کا خدشہ نہیں تھا۔ ہر طرف سبزہ تھا اور نندا جیسا مہربان شخص میرے ساتھ تھا۔ جب میں یہ سوچتا تو ساری تکلیفیں بھول جاتا اور پوری تن دہی سے اپنے مراقبے میں کھو جاتا۔

نندا نے سچ کہا تھا انسان اگر خود کو مارے تو امر ہو جاتا ہے۔ میں اس کے اشارے سینے سے چپکاتا رہا۔ دو ماہ کی مدت میں جب میں نے ارتکاز ذہن کی مشق پوری کر لی تو خود مجھے اپنے اندر نمایاں تبدیلیوں کا احساس ہوا۔ میں بڑی حد تک اپنے منتشر خیالوں اور اپنے پراگندہ دماغ پر حاوی ہو گیا تھا۔ ایک طرح کی طمانیت اور ٹھہراؤ سا مجھے محسوس ہونے لگا تھا۔ روز میری مشق کی مدت بڑھ جاتی تھی۔ یوں بھی میں مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ مضبوط اعصاب کا نہ ہوتا تو ایسے حالات میں کب تک زندہ رہتا۔ ایک شام اپنا عمل ختم کرنے کے بعد میں نندا کو یہ خوش خبری سنانے گیا کہ اب مجھے اپنے کام میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ میں بڑی آسانی سے گھنٹوں ایک جگہ یکسو ہو کر بیٹھ سکتا ہوں۔ نندا چھوٹے مندر میں شب و روز عبادت میں مصروف رہتا تھا۔

’’میرے لئے اب کیا حکم ہے نندا جی!‘‘ میں نے اس کی محویت میں دخل دیا۔

اس نے اپنی ویران آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ ’’تو آ گیا۔‘‘ اس نے چونک کر کہا۔ ’’آگے راستہ مشکل ہے۔ میری مان، اپنی دنیا میں لوٹ جا۔ شاکیہ منی نے میرے گناہ ابھی تک معاف نہیں کئے ہیں۔ میں تنہا رہ کر گوتم سے لو لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ .. مجھے معاف کر دے گا۔ تو اگر یہاں رہا

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تو میں......"

"میں اب کہاں جاؤں گا نندا جی مہاراج!" میں نے عاجزی سے کہا۔ "اگر تمہارا سہارا بھی چھن گیا تو پھر میں خود کو ان پہاڑوں سے گرا لوں گا۔"

"تو کمپالا کے پاس واپس چلا جا۔" نندا نے روکھے لہجے میں کہا۔ "وہ بھی تجھے منش بنا سکتا ہے۔"

"میں اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" میں نے بڑھ کر نندا کے پیر تھام لئے۔ "کیا مجھ سے کوئی بھول ہوگئی ہے جو آج پھر تم مجھے دھتکار رہے ہو؟ کیا میں غلط وقت پر آ گیا ہوں؟ مگر میں تو روز اسی طرح آتا ہوں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے نندا جی؟ تم اپنے سیوک سے آنکھیں کیوں پھیر رہے ہو؟"

"دیکھ۔ تیرا من اجلا ہونے میں دن لگیں گے۔ تو پہلے ہی بہت بھٹکا ہوا ہے۔ تو نے اپنا سارا جیون رنگ رلیوں میں برباد کیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تو ثابت قدم نہیں رہے گا۔ میرا وقت کم ہے اسے برباد نہ کر۔ اگر شاکیہ منی کو میں نے کم وقت میں نہ منالیا تو پھر مجھے ایک اور جنم لینا پڑے گا۔ تو کمپالا کے پاس چلا جا۔"

"نندا جی! اب یہ ناممکن ہے۔" میں نے فیصلہ کن آواز کہا۔ "یا تو میری مدد کرو یا میں شاکیہ منی کی مورتی سے ٹکریں مار مار کر اپنی زندگی موت کے حوالے کر دوں گا۔ مجھے مایوس نہ کرو مہاراج! یہ آج تم کیسے بدل گئے ہو؟"

اس نے ایک جھرجھری لی اور میری طرف گھور کر دیکھنے لگا۔

"میں اپنی تمام غلطیاں تسلیم کرتا ہوں لیکن کیا مجھے بھی تمہاری طرح ایک پُرسکون مستقبل کی تلاش نہیں ہے۔ میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ اب کبھی اپنے ماضی کا رنگ اپنے آپ پر نہیں چڑھنے نہیں دوں گا۔ میں بنتی کرتا ہوں مہاراج! میری سہائتا سے منہ نہ موڑو۔ میں تمہارے دوار سے خالی نہیں جاؤں گا۔ چاہے تم مجھے مار مار کر نکالو۔"

میں گڑگڑا کر نندا سے منت سماجت کرتا رہا۔ اس پر گاہے گاہے پاگل پن کے دورے پڑتے تھے۔ میں اس کی عادت سے واقف ہو چکا تھا۔ وہ اکثر مجھے جھڑک دیا کرتا تھا لیکن آج اس نے مجھے وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تو میری تشویش دوچند ہوگئی۔ وہ مورتی کے سامنے سے اٹھ کر ایک جدید ٹھوس چٹان کی مانند میرے روبرو کھڑا ہو گیا۔ پتھر میں جونک لگنے کے لئے وقت درکار تھا۔ شاید وہ مزید مشقوں کے لئے میرا ارادہ آزمانا چاہتا تھا۔ میں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ میری آہ وزاری جاری رہی۔ نندا کے چہرے کے کرخت تاثر آہستہ آہستہ نرم پڑ رہے تھے۔ اسے شاید یقین ہو چلا تھا کہ میں کمزور ارادے کا شخص نہیں ہوں اور میں نے جو طے کر لیا ہے اس پر ثابت قدم رہوں گا اور مستقبل میں کی جانے والی اذیت ناک مشقوں کے لئے تیار ہوں۔ اس نے مجھے شانوں سے تھام کر اٹھایا [illegible]

"خوب سوچ لے۔ منش بننے کے لئے تجھے اپنے آپ کو یکسر بدلنا ہوگا۔ میں تجھے نراش نہیں کروں گا۔ اگر تو اپنے پیروں پر کھڑا رہا اور تیرے جسم نے تیرا ساتھ دیا تو دیکھنا کہ تو کیا سے کیا ہو جائے گا۔ پر مجھے وچن دے کہ آئندہ کسی بے گناہ کو کشٹ نہیں دے گا، اہنسا پر کاربند رہے گا۔"

"میں وچن دیتا ہوں مہاراج! جو تم کہو گے وہی کروں گا۔ میں اسی لئے یہاں آیا ہوں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

نندا مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا۔ گوتم کی مورتی کی پشت پر جا کر وہ ایک تاریک اور شکستہ زینے سے نیچے کی سمت اترنے لگا۔ میں اس کے ساتھ تھا۔ آنے والے لمحوں نے تجسس اور حیرت کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ سیڑھیاں طے کر کے میں نیچے پہنچا تو مجھے شدید گھٹن کا احساس ہوا۔ ہم اس وقت کسی ویران عبادت گاہ کے بچے کھچے کھنڈروں میں کھڑے تھے۔ میرے اطراف شکستہ مورتیاں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ ہر شے پر گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ جگہ برسوں سے استعمال نہ کی گئی ہو۔ نندا چند لمحے خاموش کھڑا حسرت ناک نظروں سے ماحول دیکھتا رہا، پھر وہ گوتم کے ایک بڑے بت کی طرف بڑھا۔ قریب جا کر اس نے بت کو دیوانہ وار دونوں ہاتھوں سے صاف کرنا شروع کر دیا۔ گرد کی تہیں ہٹیں تو میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ بت کسی ٹھوس دھات کا بنا ہوا ہے۔ اندھیرے کے باعث میں یہ طے نہ کر سکا کہ وہ سونے کا ہے یا پیتل کا؟ البتہ اتنا اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ وصّائی کا ایک بہترین شاہکار ہے۔ نندا چند لمحوں تک پوری یکسوئی سے بت کے سامنے کھڑا رہا۔ وہ مجنونانہ کیفیت میں اپنا سر بت کے قدموں سے رگڑ رہا تھا اور بچوں کی طرح سسک رہا تھا۔ اس کے رونے کا انداز انتہائی دردناک تھا۔ دیر تک اس کی سسکیاں کھنڈر میں گونجتی رہیں پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔ وہ بت سے مخاطب تھا۔ "شاکیہ منی، مجھے شانتی دے۔ میرے من میں پچپن سال کے گناہوں کی آگ ابھی تک سلگ رہی ہے۔ شاکیہ منی، میں نے کبھی کسی کو کشٹ دینے کی کوشش نہیں کی۔ میں ہندو دھرم میں بھی تیرے مسلک اہنسا پر کاربند رہا۔ پر یہ کیسا دھواں ہے جو میرے سینے سے اٹھ رہا ہے؟ میرے ہاتھ ان سے انتقام لینے کے لئے اٹھتے ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ تیرا مذاق اڑایا ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا شاکیہ منی! مجھے اپنے پاس بلا لے۔" نندا کے آنسو گوتم بدھ سے اس کی عقیدت کے ترجمان تھے۔ میں اس کی باتیں کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندو دھرم میں گزارنے پر گوتم بدھ سے پشیمان تھا۔ یہ پشیمانی کوئی ختم نہیں کر سکتا تھا تاوقتیکہ اس کی سانس بند نہ ہو جائے۔ شاید وہ گوتم بدھ کے ساتھ میری طرف سے غافل ہو گیا تھا۔ پھر اچانک وہ قدموں سے اٹھا اور کسی قدر ہوش مندی سے بولا۔ "شاکیہ منی! یہ منش جو میرے ساتھ آیا ہے، میری طرح پاپی ہے۔ اسے بھی میری طرح شانتی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کی ضرورت ہے۔ تو شانتی کا دیوتا ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں۔'' پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ ''تو بدھ بھکشوؤں کے سوا وہ پہلا منش ہے جو ان کھنڈروں میں میرے ساتھ آیا ہے۔ یہاں شانتی ہی شانتی ہے۔ یہاں تو شاکیہ منی کے ساتھ بیٹھ کر اور اس کی طرف دھیان لگا کر تپسیا کر۔ اپنا من مار لے، ہر طرف سے آنکھیں بند کر لے۔''

''میں تیار ہوں نندا جی!'' میں نے تیزی سے کہا۔

''شاکیہ منی کے سامنے مجھے نراش مت کرنا۔ اب سب کچھ بھول جا کہ تو کون ہے، تیرا نام کیا ہے، تو کن لوگوں سے متعلق ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ صبح ہو گئی، شام ہو گئی ہے۔ برسات ہو گئی ہے۔ آکاش جل رہا ہے۔''

''میں سب کچھ بھول جاؤں گا لیکن......''

''لیکن تو دشٹ بدری نرائن کو نہیں بھول سکتا؟ کیوں؟'' نندا نے میرا جملہ مکمل کر دیا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''میں اس کی موجودگی میں اپنا دل شانت نہیں رکھ سکتا۔ اس نے میرے ہردے میں گھاؤ پیدا کئے ہیں۔ ان ناسوروں کے بھرنے میں وقت لگے گا۔ میں نے عہد کیا ہے کہ میں تم سے ہمیشہ سچ بولوں گا پھر جھوٹ کیسے کہوں۔''

''سن جمیل احمد خان!'' نندا نرمی سے بولا۔ ''ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے سوا نیکی کچھ نہیں ہوتی۔ ضبط کرنے کی مشق کر، تیرے اندر جواہر پیدا ہوں گے۔ اگر تو نے خود سے ایثار کیا اور ضبط قائم رکھا تو کوئی تجھے دکھ نہیں پہنچا سکتا۔ میں تجھے اپنی ہندو دھرم کی شکتیاں دان کر سکتا تھا لیکن تو پھر بھی شانت نہیں ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ تیرا من اجلا ہو جائے۔ تو سب کو معاف کرنا سیکھ لے اور تیرے شریر میں ایسی شکتی پیدا ہو جائے کہ کوئی شکتی تجھ پر حاوی نہ آ سکے۔ سمجھا، اب میری پچھلی شکتی تیرے کسی کام کی نہیں ہے۔ اب میں شاکیہ منی کے چرنوں میں ہوں۔ میں تجھے اپنی پچھلی شکتی دان کر کے یہاں سے لوٹا سکتا ہوں پر تو بیاکل رہے گا اور تو نے بدری نرائن کو ختم بھی کر دیا تب بھی تیرا من شانت نہیں ہوگا۔ میں تجھے منش بنانا چاہتا ہوں۔ مورکھ، منش جو اس پاپی سنسار میں آ کر جانور بن جاتا ہے۔''

نندا کی خوش آئند باتیں میرا عزم سوا کر رہی تھیں۔ رات کو وہ اپنی کٹیا میں بھی یہی باتیں کرتا رہا پھر اس نے مجھے مراقبے اور ارتکاز کی وقفے دار مشقوں کے متعلق بتایا۔ میں نے خود کو نندا کے حوالے کر دیا تھا اور اپنے متعلق سوچنا بند کر دیا تھا۔ مجھے اس کی باتوں میں امید کی کرن نظر آتی تھی۔ اگر وہ مجھے اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا حکم دیتا تو بھی میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اور پہلی بار میں نے مسلسل ایک دن ایک رخ بیٹھ کر نندا کو خاصا متاثر کر لیا۔ میری حالت ایک دن کے اس بغیر حرکت ارتکاز کے بعد کیا تھی؟ میں یہ بیان نہیں کر سکتا۔ جب نندا نے دوسرے دن مجھ سے

مراقبہ ختم کرنے کے لئے کہا تو میری آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں۔ میں جس طرح بیٹھا تھا، اسی طرح ایک طرف لڑھک گیا۔ نندا نے میرے شانے پکڑ کر مجھے اٹھایا لیکن میں جلدی ہوش میں آ گیا اور میں نے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں اور پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ وہ میری کمر تھپتھپانے لگا۔ دوسرے روز، ایک دن آرام کر کے پھر میں نے ارتکاز میں گزارا۔ پھر یہ مدت بڑھ گئی اور بڑھتے بڑھتے ایک ہفتہ ہو گئی۔ اب میں نے اپنی مسمار حالت پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔ نندا کی بتائی ہوئی مشقوں میں مجھے جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ مجھے کچھ سکون ہو چلا تھا۔ میں صرف اہم واقعات بیان کر رہا ہوں۔ بغیر کھائے پیئے ایک ہفتے کی مشق آسان نہیں ہوتی۔ میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کیا گزری تھی لیکن رفتہ رفتہ بھوک اور پیاس میں شدت نہ رہی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ میں انہیں ضمنی چیزیں سمجھنے لگا۔ میں نے صرف پانی پینے پر اکتفا کیا۔ ان مشقوں کے دوران میں نے شروع شروع میں عجیب دنیاؤں کی سیر کی۔ میں مسلسل اپنے ارتکاز کی مدت بڑھاتا رہا اور مجھے چھوٹی موٹی مشقوں میں چار ماہ گزر چکے تھے۔ چار ماہ کے بعد میں اپنے اندر ایک ہلکا پن محسوس کرنے لگا۔ میں بہت کم سوچتا اور بہت کم بولتا تھا۔ نندا سے بھی کم ہی بات ہوتی تھی۔

میری ہمت اتنی بڑھی کہ میں نے مسلسل ایک ماہ تک مراقبہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مراقبے میں مجھے ایک طرح کی آسودگی محسوس ہوتی تھی، جیسے میں سو رہا ہوں، جیسے میں اس دنیا میں نہیں ہوں۔ میں نے اپنے خیالات اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ میرے چہرے پر ایک سکون سا پیدا ہو گیا تھا لیکن اسی مدت میں، جب میں اندھیرے میں دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا، جب میری بینائی غیر معمولی طور پر تیز ہو گئی تھی، ایک دن اچانک میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ میں نے خوف زدہ ہو کر آنکھیں بند کر لیں اور جسم جھٹک کر پھر یکسو ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس عارضی پریشانی پر قابو پا لوں گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ابھی مجھے آنکھیں بند کئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایسا محسوس ہوا جیسے گوتم بدھ کا بت تڑاخ سے ٹوٹ کر گر گیا ہے اور آندھی سی چل رہی ہے۔ پھر مجھے ایسا لگا جیسے کوئی ذی حیثیت، بھاری بھر کم شخص میرے سامنے کھڑا ہے اور اس کا لباس بدھ بھکشوؤں جیسا ہے اور اس کے چہرے پر نرمی کے بجائے کرختگی ہے۔ میں نے اسے اپنے ذہن کا کوئی وہم سمجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے کھنڈر میں ایک گرج دار آواز گونجی۔ ''تمہارا سارا جیون پاپ، ہوس اور گندگی سے گزرا ہے۔ نندا نے تمہیں غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔ تم کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تم اپنا وقت برباد کر رہے ہو اور تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم گوتم کے چرنوں میں بیٹھو۔'' وہ شخص انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ مجھ سے مخاطب تھا۔ میرا جسم لرز رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ ادھورے ارتکاز سے ذہن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میں نے بار بار آنکھیں بند کرنی چاہیں لیکن اس کا ہیولا سامنے سے نہیں ہٹا [illegible] اگرچہ جم کر بیٹھا ہوا تھا لیکن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میری یک سوئی کی کیفیت میں خلل پیدا ہو گیا تھا اور میرے جسم میں شدید قسم کا درد سا اٹھنے لگا تھا۔ مگر عین اسی وقت میرے جسم کے اکڑنے اور بے ہوش ہونے سے پہلے نندا چیختا ہوا کھنڈر میں داخل ہوا اور کھنڈر میں اس کی غضب ناک آواز گونجنے لگی۔ ”اپرادھی! پلید آتما کیا تو نہیں جانتا کہ میں یہاں موجود ہوں؟ تو گوتم کے استھان پر اس کے ایک سیوک کو پریشان کرنے آیا ہے؟ ٹھہر میں تجھے ابھی نرک میں پہنچاتا ہوں۔“

نندا کا یہ جملہ ختم ہوتے ہی وہ ہیولا غائب ہو گیا۔ اب میرے سامنے گوتم کا بت اصلی شکل میں موجود تھا۔ نندا فوراً کھنڈر سے باہر نکل گیا۔ آئندہ دو چار روز تک مجھے اسی قسم کی بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اپنے جسم کو کوئی حرکت نہیں دی لیکن ایک دن ضبط کا یارانہ رہا۔ اس روز میں نے اپنی نرگس کو تمام حشر سامانیوں کے ساتھ اپنی سامنے جلوہ گر دیکھا۔ نرگس کی دید نے مجھے گنگ کر دیا۔ وہ اپنے بازو پھیلائے مجھے اپنی جانب بلا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حزن کی کیفیت تھی اور ایسا تقدس تھا کہ میں اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی لیکن کچھ دیر بعد ایک بد ہئیت مکروہ شخص نے نمودار ہو کر نرگس کو زبردستی اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ اس کا لباس نوچ رہا تھا۔ نرگس نے دہشت انگیز لہجے میں مجھے پکارا۔ ایک لمحے کے لئے میں یہ بھول گیا کہ شیطانی قوتیں مجھے ورغلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ نرگس کو ایک جلاد کے چنگل میں دیکھ کر میری کیا حالت ہوتی؟ لیکن میں نے اسے چیخنے چلانے دیا اور اپنی تمام تر توجہ گوتم کے بت کی طرف مرکوز کر لی۔ میرے کانوں میں نرگس کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ اسی لمحے مجھے سیڑھیوں پر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ نندا تھا۔ نندا کے آتے ہی وہ منظر اوجھل ہو گیا۔ اس وقت نندا نے مجھے مخاطب کیا۔ ”جمیل احمد خان! بار بار مجھے کیوں بلاتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اپنا من مضبوط کر۔ میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔ تجھے خود ان سے نمٹنا ہوگا۔“

میں نے ایک جھرجھری لے کر نندا کی ہدایت گوش گزار کی اور دوبارہ اپنے مراقبے میں ڈوب گیا۔ اس بار میں نے طے کر لیا تھا کہ کوئی بھی شیطانی طاقت مجھے ورغلانے آئی تو میں اپنے انہماک میں خلل نہیں پیدا ہونے دوں گا۔ اس مضبوط ارادے کے بعد بھی کئی مرتبہ مجھے اس قسم کی پریشانیوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن میں نے ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ یہاں تک ہوا کہ میں نے اپنی بیٹی تزئین کو انتہائی شرم ناک حالت میں بدری نرائن سے ملوث پایا۔ بدری نرائن اسے درندوں کی طرح بھنبھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا الم ناک منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر میری روح لرز گئی۔ میں دل کو لاکھ سمجھاتا کہ یہ سب میرے ارتکاز میں خلل ڈالنے کی سازشیں ہیں لیکن وہ اتنا زندہ اور سامنے کا منظر تھا کہ دل کو یقین نہیں آتا تھا۔ تزئین مجھے بار بار آواز دے رہی تھی اور بدری نرائن جس بہیمانہ

طریقے سے زک پہنچا رہا تھا، وہ مجھے اپنے استھان سے اٹھنے پر بار بار مجبور کر رہا تھا۔ تزئین کی بے بسی نے مجھے تڑپا دیا۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ نندا نے کیا نصیحت کی تھی۔ میں اٹھ کر بدری نرائن کا گلا گھونٹ دیتا لیکن مجھ سے اٹھا نہ گیا اور عافیت کے اس لمحے میں مجھے خود کو منظم اور منضبط رکھنے کا موقع مل گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرنے کے بجائے اس سمت نگاہیں گاڑ دیں۔ میرے سامنے شیطانی قوتوں کا تماشا جاری رہا اور میں بیٹھا رہا۔ بالکل خاموش، ساکت، منجمد، کسی بت کی طرح۔ کسی پتھر کی طرح۔

اس کے بعد مجھے کسی نے پریشان نہیں کیا۔ باقی زمانہ نہایت اطمینان اور سکون سے طویل طویل مراقبوں میں گزرا۔ نندا سے اب کبھی کبھار رسماً بات ہو جایا کرتی تھی۔ میں خود کو بدلتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ میرے جذبے سرد پڑ رہے تھے اور میرے خون میں وہ گردش نہیں رہی تھی جو میرے جسم کا خاصہ تھی۔ میں جب کبھی مراقبے سے فارغ ہوتا، باہر آ کر ٹھنڈی ہواؤں میں سکون کی چند سانسیں لیتا اور پھر کسی طویل عمل میں مصروف ہو جاتا۔ نندا میری تطہیر اور قلبی ماہیت پر بہت خوش تھا۔ مجھے اب دنیا حقیر نظر آنے لگی تھی۔ نہ کسی سے ملنے کو جی چاہتا تھا، نہ کسی سے انتقام لینے کا جذبہ ابھرتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی تزئین اور کلدیپ کی یاد آ جاتی تھی۔ میرا من اجلا ہو رہا تھا اور اندرونی طور پر میرے اندر ایسی قوتیں پیدا ہو رہی تھیں جن کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ قوتیں حاصل کرنے کی کوئی مسرت نہیں تھی۔ نہ میں ان تحصیلات کا کسی پر اظہار کرنا چاہتا تھا۔ مجھے بس مراقبے میں مزہ آتا تھا۔ مجھے آلتی پالتی مار کر کسی جگہ بیٹھ کے خود کو کھو دینے میں ایک لذت سی محسوس ہوتی تھی۔ اتنے سال اضطراب و دلکش، نشیب و فراز اور مصائب و آلام کی زندگی گزارنے کے بعد میں نے زندگی کو پہچانا تھا۔ زندگی صرف حرکت کو نہیں کہتے۔ موت کا لطف زندگی کو جھٹلا کر اٹھایا جا سکتا ہے موت ایک ابدی سکون ہے۔ یہ سکون زندگی میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اب ایک عجیب بے نیازی کا عالم تھا۔ ذرا تبت کے اس سبزہ زار کا تصور کیجئے۔ چاروں طرف پہاڑ، جھرنے، اونچے اونچے درخت، کہیں برف پوش پہاڑیاں تو کہیں لالہ زار۔ آپ کبھی پہاڑ پر گئے ہوں اور ایسے سبزہ زار پر اور آپ بہت تھکے ہوئے ہوں اور آپ غموں سے چور ہوں اور آپ نے اپنی زندگی کا ایک حصہ شدید کرب میں گزارا ہو تو درختوں کے سائے میں آپ کی روح کو ایسا سکون ملے گا جو دنیا میں عنقا ہے۔ اس تنہائی میں اونچے اونچے درخت میرے دوست تھے۔ مجھے یہ قدرتی مناظر اس قدر پسند آئے تھے کہ میں زندگی بھر یہیں رہنا چاہتا تھا۔ میں اب کہیں اور جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ میری زندگی بہہ رہی تھی۔ میرے دن روز بہ روز جاں فزا ہو رہے تھے۔ اس جدوجہد میں کوئی دو سال گزر گئے۔ دو سال ...... پھر بھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں حال ہی میں یہاں وارد ہوا۔ دو سال تک مسلسل انہماک، استغراق، مراقبے اور ارتکاز کے بعد ایک دن نندا نے مجھ سے کہا۔ ”بالک! کیا تجھے اپنی اندر کچھ دکھائی دے رہا ہے۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''نندا جی مہاراج! آپ کی کرپا سے میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ہوس نہیں ہے۔ البتہ یہ خیال کبھی کبھی ستاتا ہے کہ میں اپنی بیٹی تزئین کے لئے کچھ نہیں کر سکا ہوں اور کلدیپ میرے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اور بدری نرائن؟'' نندا نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

''میں نے اسے معاف کردیا۔ اس کا خیال اب میرے دل میں نہیں آتا۔ اب میں ہمیشہ کے لئے یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ تمہاری آگیہ سے صرف ایک بار میں یہاں سے جاؤں گا اور تزئین کا کہیں بیاہ کر کے کلدیپ کو لے کر واپس آجاؤں گا۔ میں انکا کو بھی چھوڑوں گا اس لئے کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

نندا میری باتیں غور سے سن رہا تھا، بولا۔ ''تجھے اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ وہ مہان استری تیرا انتظار کررہی ہے۔ تو اس دنیا میں واپس جا۔ میری باتیں گرہ سے باندھ لینا، اہنسا، درگزر، تیاگ، تپسیا اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔''

''مہاراج! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اپنا شریر نرم و گرم سہنے کا عادی بنالیا ہے۔ کیا میں اس پہاڑی سے نیچے اتر سکتا ہوں؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تو اپنے آپ سے پوچھ۔ اگر تجھ پر پاپی دنیا کی ہوا کا اثر ہوگیا تو تیری تمام تپسیا نشٹ ہوگئی۔''

''میرے دل میں اب کوئی جذبہ نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے پریشان کیا تو میں راستہ بدل لوں گا۔ اس پر بھی وہ نہیں مانے تو میں انہیں سمجھاؤں گا۔ پر وہ میرے آگے آگئے اور انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کردیا تو مجھے کیا کرنا چاہیے مہاراج؟''

''اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تیری زبان نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا اور وہ تیرے پیچھے پڑ گئے ہیں اور اب کوئی صورت تیرے لئے نہیں رہی تو تو آخر میں انہیں آئندہ کے لئے انہیں محتاط رہنے کا سبق دے سکتا ہے اور اپنے بچاؤ کے لئے قدم اٹھا سکتا ہے۔''

نندا کی نصیحت آمیز باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں خود اپنے طور پر مطمئن تھا۔ اس گفتگو کے بعد میرا وہاں سے جانے کو جی نہیں چاہا لیکن ایک دن نندا میرے پاس آیا۔ اس دن اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ وہ بار بار گوتم کی مورتی سے اپنا سر پھوڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی زبان سے دیوانگی کی باتیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اسے پانی پلایا تو وہ اکھڑی اکھڑی باتیں کرنے لگا۔

''جمیل احمد خان!'' اس نے مجھ سے کہا۔ ''میں شاکیہ منی کے پاس جارہا ہوں۔ اس نے مجھے معاف کردیا ہے۔ تم اب یہ استھان چھوڑ دو۔ مجھے وشواس ہے کہ اب تمہیں کسی چھل کپٹ، کسی ناری کی سہائتا کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تمہارے من سے میل دور ہو چکا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم [illegible]

نہیں چاہتے لیکن اب سے بہت بیت گیا ہے۔ پچپن سال ہندو دھرم میں رہتے رہتے میں نے بہت سی شکتیاں پراپت کی تھیں۔ میں وہ تمام شکتیاں تمہیں نہیں دے سکتا اس لئے کہ وہ کسی کو دی نہیں جاسکتیں۔ جتنا کچھ میرے پاس ہے، وہ تمہارا ہے۔ میرے جسم میں جلدی سے سوراخ کرو اور جو میں کہتا ہوں وہ کرو۔ میں شاکیہ منی کے پاس پاک وصاف ہوکر صرف اسی کا ہوکر جانا چاہتا ہوں۔ جب میری سانس بند ہو جائے تو تم تمام خون میرے جسم سے صاف کر دینا اور میرے خون سے غسل کرنا۔ پھر مجھے تم یہیں چھوڑ کر فوراً چلے جانا۔''

''مہاراج!'' میں نے افسردہ ہوکر کہا۔ ''کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ کر جارہے ہو؟ نہیں نہیں، ابھی مجھے تم سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔''

''نہیں۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ میرے شریر پر ایک پتھر مارو تاکہ میرا خون میرے جسم سے نکل جائے۔'' اس نے کرب سے کہا۔

''مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔'' میرا خون یخ ہوگیا۔

''یہ میرا حکم ہے جمیل احمد خان! کیا تم مجھے شانتی سے نہیں مرنے دو گے؟ جلدی کرو بالک! ایسا نہ ہو کہ میں اپنے شریر کے اسی خون کے ساتھ اس کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''مہاراج!'' میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''میں تم سے عقیدت رکھتا ہوں۔ تم میرے محسن ہو۔ میں اپنے محسن پر کس طرح ہاتھ اٹھا سکتا ہوں؟ کوئی اور کام کہو مہاراج! کہو کہ جمیل احمد خان تو اپنے پتھر مار لے۔''

''تم میری بات کیوں نہیں سمجھتے؟'' اس نے جھنجلا کر کہا۔

''مہاراج!'' اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ کہا گیا۔ اس کا اصرار جب حد سے بڑھ گیا تو میں نے بادل ناخواستہ منہ پھیر کر ایک بڑا پتھر اس کے دماغ پر مارا۔ خون بری طرح اس کے ماتھے سے بہنے لگا لیکن اس نے اف تک نہ کی۔ وہ اسی طرح پڑا رہا اور اس کا خون جسم سے بہتا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور اس کے چہرے پر ایک ملکوتی مسکراہٹ چھا گئی۔ جب اس کی سانسیں بند ہوگئیں تو میں نے اس کی ہدایت کی مطابق اس کی خون آلود پیشانی چوم کر اسے اس طرح لٹا دیا کہ اس کے جسم سے خون کا قطرہ قطرہ خشک ہو جائے۔ اس نے کوئی ہچکی نہیں لی۔ اس نے مرتے وقت کسی کرب کا اظہار نہیں کیا۔ وہ عجب فاتحانہ انداز سے مرا۔ میں نے جلدی سے اپنی چادر علیحدہ کی اور اس کے خون میں لوٹنے لگا۔ یہ ایک پُرکراہت عمل تھا تاہم یہ میرے محسن کا حکم تھا۔ نندا کا حکم تھا۔ خون جلد ہی میرے جسم پر خشک ہوگیا۔ میں نے کچھ دیر توقف کے بعد جھرنے جا کر اسے دھویا اور مندر واپس آکر نندا کی لاش پر کپڑا ڈالنا چاہا لیکن [illegible] رسائیں سائیں کررہا تھا۔ مجھے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اپنی پریشانی ختم کرنے کے لئے ارتکاز کی ایک چھوٹی سی مشق کرنی پڑی۔ شام تک میں اپنا تکدر دور کر چکا تھا۔ وہ رات میں نے مراقبے میں کاٹ دی۔ صبح اٹھ کر میں نے مندر کو خیر باد کہا اور کمپالا کی خانقاہ کی سمت روانہ ہو گیا۔ نندا کی اچانک موت کا واقعہ مجھے بار بار یاد آ جاتا تھا۔

چالیس میل کی مسافت ایک ایسے ٹھنڈے انسان کی مسافت تھی جسے نہ کہیں جانے کی جلدی ہو اور نہ کسی سے ملنے کا شوق، چونکہ مجھے اب کمپالا کے پاس جانا چاہئے تھا اس لئے میں کمپالا کے پاس جا رہا تھا۔ یہ آزردہ خاطری نہیں تھی بلکہ سکون کی ایک کیفیت تھی۔ میں کہتا ہوں انسان کی لگامیں خود اس کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ اس کی تو بینائی کم ہوتی ہے اس لئے صرف اس کی افزائش کی ضرورت پڑتی ہے۔ عموماً آدمی اندھے ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں دنیا کی چمک دمک سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کے پاس سکون کی دولت ہے تو آپ دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہیں۔ شاید میری باتیں آسانی سے سمجھ میں نہ آئیں اس لئے میں اپنی سرگزشت جاری رکھتا ہوں۔ لوگ کسی کہانی کے دوران نتائج اور تجربات کا ذکر کلیوں میں پسند نہیں کرتے، سو میں اپنی زندگی کا تماشا دوبارہ دکھانا شروع کرتا ہوں اور نتائج اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں۔

جب میں کمپالا کی خانقاہ میں ایک بدھ بھکشو کے حلئے میں داخل ہوا تو وہ دروازے پر مجھے منتظر ملا۔ کمپالا سے آنکھیں ملاتے وقت میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے نندا جیسے بڑے بھکشو تک میری رہنمائی کی تھی۔ میں کس زبان سے اسے نندا کی موت کی خبر سنا سکتا تھا لیکن میرے کچھ کہنے سے قبل ہی کمپالا نے سرد آہ بھر کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں میرے بچے! وہ خود جو چاہتا تھا وہی ہو گیا۔“

”نندا جی مہاراج نے مجھے اتنا موقع بھی نہیں دیا کہ میں ان کی خدمت کر سکتا۔“ میں نے دل گرفتہ لہجے میں کہا۔

”وہ امر ہو گیا ہے۔ اس نے تمہیں منش بنا کر بھیجا ہے۔ اسے شاید تمہاری تکمیل کا انتظار تھا۔“ پھر کمپالا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ ”مجھے امید نہیں تھی کہ نندا تمہیں اتنی شکتیاں بھی دان کر دے گا۔ جمیل احمد خان! تم نے حقیقی زندگی قریب سے دیکھ لی۔ تشدد کا راستہ اختیار کرنے والے شاکیہ منی کو خوش نہیں کرتے۔ فیصلے اپنے ہاتھ میں لو گے تو دھرم سے واسطہ نہیں رہے گا اور دھرم سے کٹ کر منش، منش کہاں رہتا ہے۔ نندا نے تمہیں مہان شکتی دی ہے۔ تمہیں سچائی، سکون اور ضبط کا راستہ دکھایا ہے۔ اگر تم ان راستوں سے بھٹک گئے تو اس کی آتما بے چین رہے گی۔“

کمپالا نے چار روز مجھے اپنے ہاں ٹھہرایا۔ میں نے خانقاہ میں طویل مشقیں کر کے طلبہ کو حیرت زدہ کر دیا۔ مجھے اپنی لگن سے جو قدرت اپنے اعصاب پر ہو گئی تھی وہ برسوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہی بات ان کے لئے حیرت و تشویش کا باعث تھی۔ وہاں طلبہ کا ہجوم میرے اطراف رہنے لگا تھا۔ میں ایک کم

گو بھکشو کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

چار روز بعد ایک قافلہ گیا کی طرف روانہ ہوا۔ میں اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ چلتے وقت کمپالا نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور ہمیشہ اہنسا کے مسلک پر کاربند رہنے کی تلقین کی۔ اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔ ”جمیل احمد خان! آدمی کا کوئی دھرم ہو، آدمی کو آدمی ہونا چاہئے۔“ کمپالا کے اس آخری جملے نے مجھے ایک مدت بعد یہ یاد دلایا کہ میرا بھی کوئی دھرم ہے۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں راستے بھر اس کے متعلق سوچتا رہا۔ میرے جسم پر گیروے رنگ کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ یہ کمپالا نے مجھے دی تھی۔ کمپالا نے چار روز میں مجھے بہت کچھ سکھا اور سمجھا دیا تھا۔ نندا کی ایک ایک بات بھی لوح ذہن پر محفوظ تھی۔ دو مہینے کے طویل سفر کے بعد ایک بار پھر میں ہندوستان کی سرحدوں میں پہنچ گیا۔ دربھنگے میں مجھے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہنا پڑا۔ قافلے کا ہر فرد مجھ سے گلے لگا تھا۔ وہ لوگ گیا کی سمت روانہ ہو گئے۔ میں نے ایک روز دربھنگے میں قیام کیا پھر یہاں سے اپنا حلیہ بدل کر پٹنہ ہوتا ہوا سیدھا لکھنؤ جا پہنچا۔ اب میرے جسم پر سیدھا سادہ مسلمانوں والا لباس تھا۔ لکھنؤ تک مجھے کسی نے نہیں پہچانا۔ میں نے چچا جان کے گھر جانے کے بجائے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ میں دیدہ و دانستہ کسی سے الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ شہری زندگی اور پھر لکھنؤ کی زندگی میں آنے کے بعد ماضی کے بہت سے واقعات نے میرے ذہن کے دروازے پر دستک دی لیکن وہ اندر نہیں آ سکے۔ اسی شہر میں بن علی، زرافشاں اور درخشاں کا بھی قیام تھا مگر جسم میں کوئی گرمی نہیں تھی۔ ایک ٹھنڈک تھی جس کے لئے میں نے در در کی خاک چھانی تھی۔ میں شام کو اپنے معمول کے لباس میں چچا جان کے گھر گیا۔ گھر والے مجھے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید میرا انتقال ہو گیا ہے۔ چچا جان کو پولیس نے بہت پریشان کیا تھا۔ وہ میری آمد سے سہمے ہوئے تھے، کہنے لگے۔ ”تمہیں یہاں آتے ہوئے کسی نے دیکھا تو نہیں؟“

میں نے بے نیازی سے کہا۔ ”مجھے معلوم نہیں۔“

”تمہارے جانے کے بعد کئی بار مکانوں کی تلاشی لی گئی۔ رخسانہ کی شادی کے موقع پر وہ گھر میں گھس آئے اور براتیوں کے سامنے میری بے عزتی کی۔“ چچا جان روہانسے ہو گئے۔

بہرحال اب ان کی زندگی میں کوئی دکھ نہیں تھا۔ ان کا کاروبار خوب چل رہا تھا۔ میں زیادہ دیر ٹھہر کر ان کے لئے پریشانی کا سبب بننا نہیں چاہتا تھا اس لئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ میرا چچا زاد بھائی مجھے میرے ہوٹل تک چھوڑنے آیا۔ وہ اب ایک وجیہہ جوان ہو گیا تھا اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی گاڑی تھی۔ وہ لوگ میری اچانک آمد سے باغ باغ تھے لیکن ساتھ ہی خوف بھی ان پر حاوی تھا۔ پولیس ابھی تک مجھے نہیں بھولی تھی۔ بن علی جیل میں تھا لیکن اس کی بہنیں اپنی حویلی میں منتقل ہو گئی تھیں۔ میرے دل میں چچا جان کے ہاں قیام کرنے اور اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہنے کی آرزو ابھری تھی مگر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے اسے دبالیا۔ دوسرے دن میں میسور کے لئے روانہ ہونے والا تھا۔ اب میں جلد از جلد میسور پہنچ کر کلدیپ اور تزئین کے پاس جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔ یہ شہری زندگی مجھے اب اچھی نہیں لگی۔ اب بہت سی باتیں، ذرا سے انہماک کے بعد مجھ پر منکشف ہو جاتی تھیں اور میری آنکھیں دور دور تک دیکھنے لگتی تھیں۔ لکھنؤ میں ہر جگہ محاذ آرائی تھی۔ رات کو جب میں نے ہوٹل میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہلکا پھلکا کھانا کھایا تو مجھے انکا کا خیال آیا۔ اسی وقت میں نے انکا کو اپنے سر پر واپس آنے کا حکم دیا۔ اپنے بھائی کو رخصت کرنے کے بعد میں بستر پر دراز تھا کہ انکا میرے سر پر واپس آ گئی۔ میں نے عالم تصور میں سر پر نظر ڈالی تو دیکھا انکا کا چہرہ زرد پڑا ہے۔ ہماری ملاقات تقریباً ڈھائی سال بعد ہوئی تھی۔ وہ مجھے حسرت بھری نظروں سے تک رہی تھی۔ میں نے نہایت اطمینان سے اس سے پوچھا۔ ''کہو کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں جمیل! کئی بار نندا کے استھان پر آنے کا ارادہ کیا لیکن تمہارا حکم تھا کہ تزئین کے سر پر رہوں۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''تزئین اور کلدیپ کا کیا حال ہے؟''

''تمہاری کلدیپ اور تزئین خیریت سے ہیں۔ کلدیپ تو ان دنوں جھونپڑی میں مقید ہو کر کسی جاپ میں مصروف ہے۔ تزئین، کلیلیں بھرتی پھرتی ہے۔ جب کلدیپ کو پتا چلا کہ تم نے تزئین کی حفاظت کے لئے مجھے اس کے سر پر بھیجا ہے تو اس نے مسلسل جاپ کرنے شروع کر دیئے۔ بدری نرائن کے دو دوست پجاری ابھی تک پہاڑی کے نیچے دھرنا دیئے بیٹھے ہیں۔ وہ تزئین اور کلدیپ کو پہاڑی سے نیچے لانا چاہتے تھے لیکن اب تک اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔''

''اچھا!'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بہر حال اب میں واپس آ گیا ہوں۔''

''تم نے یہاں آ کر اچھا نہیں کیا جمیل! ہندوستان کی فضا تمہارے لئے اب بھی سازگار نہیں ہے۔ بدری نرائن اور اس کے ساتھی۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد کم نہیں ہوئی، بڑھ گئی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم لکھنؤ کیسے آ گئے؟ میں نے تمہارے بارے میں جاننے کی بہت کوشش کی لیکن مجھے اس میں مایوسی ہوئی۔ نندا مہان پجاری تھا۔ اس نے مجھے تمہارے حالات سے لاعلم رکھا۔ تم ہندوستان کب آئے اور یہاں تک کیسے آئے؟''

''میں تبت میں رہا۔ پھر نندا مر گیا تو یہاں چلا آیا۔ یہاں آ کر چچا جان سے ملا۔ اب میسور جانے کا خیال تھا۔'' میں نے مختصراً کہا۔

''شاید انہیں اب تک تمہارے ہندوستان آ جانے کی اطلاع نہیں ملی ہے۔'' انکا نے تشویش سے کہا۔

''ممکن ہے۔'' میں نے سرد مہری سے جواب دیا۔

''کیا بات ہے، تم کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہو؟''

''نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''تمہاری گفتگو میں وہ شوخی، وہ گرم جوشی نہیں رہی جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔''

''شاید تبت میں تنہا رہنے کا اثر ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا ہے۔ تم کچھ سدھرے سدھرے نظر آتے ہو۔''

انکا مجھے ہندوستان میں میرے دشمنوں کا احوال عورتوں کی طرح سنانے لگی۔ میرا خیال تھا کہ اگر اسے پہلے میری طاقتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا تو اب میرے سر پر آ کر وہ جان چکی ہو گی لیکن شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی یا وہ یہ سمجھتی ہو گی کہ میں اپنی روش کبھی نہیں بدل سکتا۔ میں نے سوچا، انکا کو سب کچھ بتا دوں پھر ارادہ ملتوی کر دیا۔ میری اصل طاقت وہ نہیں جو مرتے وقت نندا نے مجھے بخشی تھی۔ اصل طاقت تو میں اس سے پہلے حاصل کر چکا تھا۔ انکا بدری نرائن کی ہرزہ سرائیوں کی داستان سناتے سناتے خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ ''مجھے ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوئے دس دن گزر چکے ہیں۔ ابھی تک کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا، بہر حال اب تم آ گئی ہو۔''

''میں تمہارے ساتھ زیادہ دیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے جلد ہی تزئین کے سر پر واپس جانا ہو گا۔''

''میرا خیال ہے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں؟'' وہ حیرت سے بولی اور جھک کر میرا چہرہ دیکھنے لگی۔

''یوں ہی۔'' میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔ ''تزئین اتنی بے وقوف نہیں ہے کہ وہ پہاڑی سے نیچے آنے کی حماقت کرے۔ پھر اب تو وہ پجاری بھی تھک گئے ہوں گے۔ ویسے تم اپنا دھیان ضرور اس کی طرف رکھنا۔''

''جمیل! نندا اور کمپالا نے تمہیں کچھ نہیں دیا؟'' انکا نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا سکون بے وجہ نظر نہیں آتا۔''

''نندا اور کمپالا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا ضبط سب سے بڑی نیکی ہے۔ معاف کرو۔ درگزر کرو، تیاگ کرو، تپسیا کرو، دنیا اور اس کی آسائشوں میں نہ پڑو۔ یہ سب فریب ہے۔ بدری نرائن سے اب مجھے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ وہ بھی ایک انسان ہے۔''

''جمیل!'' انکا نے میرا نام کھینچ کر ادا کیا۔ ''تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو، تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''تمہارے اندر بہت سی شکتیاں ہیں، تم جان کیوں نہیں لیتیں؟''

''مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے مگر...''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"مگر کیا؟" میں نے اس کا جملہ کاٹ کر کہا۔

انکا زچ ہو گئی۔ "مگر تم نے یہاں آ کر برا کیا۔ میں کس کس سے مقابلہ کروں گی؟ تمہارے خلاف تو قدم قدم پر ایک محاذ ہے۔" انکا نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی کلدیپ کا وہ خطرناک جاپ بھی مکمل نہیں ہوا جو وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر تمہارے لئے کر رہی ہے۔ تمہیں اس کا جاپ پورا ہونے کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ تم نے یہاں آ کر......"

انکا جملہ نامکمل چھوڑ کر یکایک اس طرح چونکی جیسے اس نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی ہو۔ میں نے ذہن پر زور دیا ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ اس لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ گویا خطرے کا اعلان تھا۔ انکا کی پریشانی سے لطف اندوز ہوتا ہوا میں اطمینان کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھا۔ وہ نرمی سے بولی۔ "دروزاہ کھولنے سے پہلے میری بات سن لو جمیل! باہر پولیس کا دستہ موجود ہے۔ وہ تمہیں گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ ہمیں اپنے آئندہ اقدام کے لئے کچھ دیر سوچنا ہوگا۔ جلد بازی بڑی دشواریاں کھڑی کر دے گی۔"

میں کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ دوسری بار زور سے پیٹا گیا۔ اسی وقت کسی بھاری آواز نے مجھے تیز آواز میں دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔

"جمیل!" انکا کا چہرہ غصے کی تمازت سے سرخ ہو گیا۔ "تم یہیں رکو۔ میں انہیں پرانی ترکیب پر عمل کر کے آپس میں بھڑا کر ابھی آتی ہوں۔ تم باہر نکلے تو مصیبت ہو جائے گی۔"

"اب یہ پرانی ترکیبیں چھوڑ دو انکا!" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اب میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ بے گناہ انسانوں کو مارنے سے کیا حاصل؟"

"میں تمہیں خطرہ ٹلتے ہی کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں گی۔" انکا نے تیزی سے بولی۔ "پولیس کو دروازے سے ہٹانا ضروری ہے۔"

"آخر تم کب تک یہ کرتی رہو گی۔ تم اطمینان سے میرے سر پر ہی بیٹھی رہو انکا دیوی۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میں خود تمہیں زحمت دوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا پھر آگے بڑھ کر میں نے بڑی بے فکری سے دروازہ کھول دیا۔ پولس کا ایک افسر دو سنگین برداروں کے ساتھ پھرتی سے اندر گھس آیا۔ باہر پولیس کے کئی مسلح آدمی موجود تھے۔

"تمہارا نام جمیل احمد خان ہے کیوں؟" افسر نے مجھے رعونت سے مخاطب کیا۔ وہ میرے کٹے ہوئے ہاتھ کو گھورنے لگا۔

"ہاں جناب۔ یہی میرا نام ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔" افسر کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"میرا جرم؟"

"بکومت۔" افسر نے مجھے ڈانٹتے ہوئے غصیلی آواز میں کہا۔ "سیدھی طرح ہمارے حکم پر عمل کرو ورنہ ہمیں مجبوراً تمہارے ساتھ تشدد کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔ باہر پولیس کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ اس بار تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

اس کی اشتعال انگیز باتوں سے میرے ماتھے پر کوئی شکن نہیں ابھری۔ میں نے بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں یہ ظلم ہے جناب۔"

"بکواس بند کرو۔" افسر گرجا۔ "میں تم سے بحث کرنے نہیں آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے خطرناک آدمی ہو لیکن اب تمہارے برے دن آ چکے ہیں۔ تم نے ترپاٹھی کا نام شاید اب تک نہیں سنا تھا۔ بڑے بڑے چور اچکے اور ڈاکو میرا نام سن کر تھرا جاتے ہیں۔"

افسر کا نام ترپاٹھی تھا۔ وہ میرے ساتھ بڑی حقارت کا سلوک کر رہا تھا۔ انکا میرے سر پر بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھ سے ترپاٹھی کو راہ راست پر لانے کی اجازت چاہی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے اسے کسی جارحانہ اقدام سے باز رہنے کی تاکید کی اور خاموشی سے ترپاٹھی کے ساتھ ہو لیا۔ انکا میرے سر پر بری طرح پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

تھانے پہنچ کر ترپاٹھی مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارے بارے میں اور کچھ اور ہی سن رکھا تھا لیکن تم تو انتہائی بزدل اور ڈرپوک آدمی ثابت ہوئے۔"

میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"سنو منشے! تم نے بدری نرائن مہاراج کا اپمان کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔" ترپاٹھی سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "تم نے ہمارے دھرم اور دھرماتماؤں کے خلاف زہر اگلا ہے۔ پنڈتوں، پجاریوں کو پریشان کیا ہے۔ میرے پاس تمہارے خلاف ہزاروں ثبوت موجود ہیں۔ سب سے بڑا ثبوت پنڈت ارجن داس جی کا بیان ہے۔ غور سے سنو جمیل احمد خان! تم نے کل رات بڑے کالی کے مندر میں گھس جس پجارن کو اغوا کیا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو۔"

یہ بے بنیاد الزام سن کر پہلی بار میرے خون کی گردش کچھ تیز ہو گئی۔ میں اگر چاہتا تو ایک اشارے پر ترپاٹھی کو اس گستاخی کی سزا دے سکتا تھا لیکن نندا کی نصیحتیں میرے پیش نظر تھیں اس لئے میں بدستور پرسکون رہا۔ میں نے نرمی سے کہا۔ "ترپاٹھی جی! میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے بے شمار پنڈت اور پجاری بدری نرائن کے اکسانے پر میرے دشمن بن چکے ہیں۔ مجھے خبر ہے کہ تم نے مجھے پھانسنے کے لئے بہت اوچھا ہتھکنڈا سوچا ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنا بے بنیاد الزام

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

واپس لے لو۔ ترپاٹھی جی، اس چار دن کی زندگی میں کیوں گناہ سمیٹتے ہو۔ کیا تمہیں مرنا نہیں ہے؟''

انکا غصے سے بولی۔ ''جمیل! تم اس کمینے کو شرافت کی تلقین کر رہے ہو؟ یہ بڑا موذی ہے۔ سخت متعصب ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہو جب کہ میں موجود ہوں۔ اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آ چکے ہیں۔ کہو تو ابھی اسے تگنی کا ناچ نچا دوں؟''

میں نے انکا کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ ترپاٹھی میرا جواب سن کر اور میری مطمئن حالت دیکھ کر شقاوت سے بولا۔ ''ننٹے! اپنی گندی زبان بند کر۔ میں نے بہت سے مسلوں، تیلی، چماروں، جعلی پیروں اور ملاؤں کو ٹھیک کیا ہے۔ اپنے کسی پیر پیمبر کو آواز دے۔'' اس نے میرے مذہب کے متعلق کچھ ایسے دل آزار الفاظ استعمال کئے جنہیں دہرانا بھی میں گناہ سمجھتا ہوں اس لئے انہیں حذف کر رہا ہوں۔ میں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ مستقل مجھے اشتعال دلاتا رہا۔ آخر جب میں نے یہ محسوس کر ہی لیا کہ وہ میری نرمی، سکون اور تحمل سے قابو میں نہیں آئے گا تو میں نے لہجہ بدل کر کہا۔ ''ترپاٹھی! اپنی زبان سنبھالو۔ مجھے مجبور نہ کرو کہ میں بھی جواباً کچھ کر بیٹھوں۔ جو کرنا ہے، کرو۔ زبان پر قابو رکھو۔''

ترپاٹھی کے لئے میرے جواب کی حدت آگ سے زیادہ شدید ثابت ہوئی۔ اس نے میرے مذہب کے متعلق شدت سے نازیبا الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ انکا مجھے بار بار اکسا رہی تھی۔ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ میں نے پلٹ کر اپنے ہاتھ کو زور سے جنبش دی اور میری شعلہ بار آنکھیں باہر جانے والے رستہ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ انکا اور ترپاٹھی میرے ہاتھوں اور آنکھوں کی حرکت غور سے دیکھ رہے تھے۔ ترپاٹھی نے اپنا پستول نکال لیا تھا۔ ''جمیل احمد خان! ان باتوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہاری چمڑی......''

لیکن ترپاٹھی کو آگے کچھ کہنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اس کے کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور ایک سادھو بال بکھرائے دیوانوں کی طرح تڑپتا ہوا اندر داخل ہو کر زمین پر لوٹنے لگا۔ ترپاٹھی اور انکا دونوں حیران تھے۔ میری نظریں سادھو پر جمی ہوئی تھیں۔

''ارجن داس مہاراج! تم؟ ہم نے اس کمینے کو گرفتار کر لیا ہے۔'' ترپاٹھی نووارد سے مخاطب ہوا لیکن ارجن کے کانوں تک اس کی بات نہ پہنچ سکی۔ وہ بدستور زمین پر تڑپ رہا تھا۔

''ارجن داس! تمہاری سزا یہ ہے کہ میں تمہیں کتے کی صورت میں تبدیل کر دوں۔ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟'' میں نے ٹھہرتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم نے کیا جان کر مجھ پر الزام لگایا تھا؟''

ارجن داس زمین پر پڑے پڑے میرے پاؤں سے لپٹ گیا۔ ترپاٹھی کے ذہن کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ ادھر ارجن داس انتہائی رقت بھری آواز میں گڑگڑا کر بولا۔ ''مہاراج! مجھے شما کر دو۔ ہمیں تمہاری شکتی کا اندازہ نہیں تھا۔'' مگر میں اس کے معافی مانگنے سے

Downloaded from Paksociety.com

پہلے ہی اپنا عمل کر چکا تھا۔ پھر یہ میری تیز نگاہوں کا اثر تھا، میری ریاضت کا کرشمہ تھا۔ میرے ارتکاز اور میرے مسلسل مشقتوں کا اثر تھا کہ ارجن داس کا جسم دیکھتے ہی دیکھتے پھوڑا بن گیا۔ مسامات سے خون اور فاسد مواد رسنے لگا۔

''گھبراتے کیوں ہو مہاراج!'' میں نے کہا۔ ''تم اس وقت ترپاٹھی کے سائے میں ہو۔ کیا تمہارے بیروں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔ اب میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ تم نے مجھے چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔'' میرا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''ترپاٹھی نے میرے خلاف بہت سارے ثبوت جمع کر رکھے ہیں۔ تمہارے اشاروں پر ناچنے والے پجاری میرے خلاف گواہی دینے کے لئے تیار ہیں۔ کیا ترپاٹھی کو اس سندر پجارن کا درشن نہیں کراؤ گے جسے تمہارے بقول میں نے اغوا کر لیا ہے۔''

''میں نردوش ہوں جمیل مہاراج! مجھے شما کر دو۔ دیا کرو۔ میں بنتی کرتا ہوں۔'' ارجن داس نے عاجزی سے کہا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

''میں مسلمان ہوں ارجن داس جی! تم پنڈت ہو کر ایک مسلے سے رحم کی بھیک مانگ رہے ہو۔ کہاں گیا تمہارا دھرم؟ کہاں ہیں تمہاری شکتیاں؟'' میں نے بے حد طنزیہ انداز میں کہا۔ ارجن داس کی حالت اور غیر ہو گئی۔ ترپاٹھی ہکا بکا ہو کر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔ ''میرے لئے اب کیا حکم ہے ترپاٹھی جی؟ تمہاری اجازت کے بغیر میں باہر جانا نہیں چاہتا، مجھے اجازت دو۔''

ترپاٹھی نے بولنے کی کوشش کی مگر الفاظ اس کے حلق میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ میں نے اس سے یہ کھیل ختم کرنے کے لئے کہا۔ ''سنو ترپاٹھی! تم خوش قسمت ہو جو میں اس طرح واپس جا رہا ہوں۔ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ تم مجھ سے ایسے وقت میں ملے ہو جب جمیل احمد خان بالکل بدل چکا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوا ہے، یہ بھی نہ ہوتا اگر تم میرے مذہب کے بارے میں ہرزہ سرائی نہ کرتے اور مجھ پر جھوٹا الزام نہ لگاتے۔ میں نے تمہیں پورا موقع دیا تھا کہ تم اپنے رویے پر نظر ثانی کر لو لیکن تم شاید میری طرف سے تشدد کے انتظار میں تھے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں نے کسی کو وچن دیا ہے۔ پر اس کی آتما دیکھ رہی ہو گی کہ میں مجبور ہو گیا تھا۔''

''مم...... میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں خان صاحب!'' ترپاٹھی نے بمشکل کہا۔ ''مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔''

''میں جا رہا ہوں۔ اپنے ساتھیوں کو سمجھا دینا اور میرا تعاقب کرنے کی حماقت نہ کرنا۔'' میں سرد آواز میں بولا۔ پھر میں نے اپنے قدموں میں پڑے ہوئے ارجن داس کو مخاطب کیا۔ ''جاؤ ارجن داس! تم ایک پنڈت ہو، سچائی کے راستے پر چلو۔ اپنے دوست بدری نرائن سے کہہ دینا کہ وہ اب محتاط رہے۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔"

"دھنیہ ہو مہاراج دھنیہ ہو۔" ارجن داس کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ترپاٹھی جی! کیا تم مجھے ہوٹل تک پہنچانے نہیں چلو گے؟ ورنہ تمہارے منہ زور سپاہی تمہاری اجازت کے بغیر تھانے سے مجھے کس طرح جانے دیں گے؟"

ترپاٹھی تمام تر نیازمندی سے اٹھا اور میرے ساتھ ہولیا۔ راستے میں وہ بوکھلایا بوکھلایا رہا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے اسے رخصت کر دیا۔ انکا ابھی تک خاموش تھی اور حیرتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں پہنچا تو اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "جمیل! یہ میں نے کیا دیکھا؟ بتاؤ تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟ کیا میں تمہارے لئے غیر ہوگئی ہوں؟"

"ناراض ہوگئیں کیا؟ یہ ذکر اپنے منہ سے مجھے کچھ مناسب نہیں لگا۔"

"اب تمہیں میری ضرورت ہی کیا رہی ہے؟" انکا نے اداسی سے کہا۔ "نندا نے تمہیں بہت کچھ دے دیا ہے۔"

"کیا تمہیں سب کچھ اچھا نہیں لگا؟"

"اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی۔ تم نے تو کمال کر دیا۔" انکا نے تجسس آمیز لہجے میں کہا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں نمی تھی۔

"تم میرے ساتھ رہو گی مگر اب خوب خرابے کو جی نہیں چاہتا۔ تم نے میرا بڑا ساتھ دیا ہے لیکن اب مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں رہا۔ میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔"

"اگر مجھے پہلے باخبر کر دیتے تو میں اتنی پریشان تو نہ ہوتی۔ تم اب بہت کچھ ہوگئے ہو مگر تمہاری جلانے اور تڑپانے کی عادت نہ گئی۔"

"اب چھوڑو بھی۔ تم ذرا سی بات پر ناراض ہوگئیں۔"

انکا اپنا مصنوعی غصہ زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکی۔ "یہ سب کیسے ہوگیا جمیل!" وہ بار بار پوچھتی تھی۔ آخر میں اس کے اصرار پر اسے نندا کے ساتھ گزارے ہوئے زمانے کی تفصیل سنانے لگا۔

دوسرے دن میں لکھنؤ کو خیر باد کہہ دیا۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے مجھے میسور پہنچنے کی جلدی تھی۔ انکا کے لئے ارجن داس کا عبرت ناک واقعہ بڑی حیرت انگیز خبر تھی لیکن مجھے اپنے اندر کوئی خاص سنسنی محسوس نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ اب میرے لئے کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اب مجھ میں کچھ ایسی صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں کہ اگر میں کسی گلاس پر نگاہ جما کے اس کے ٹوٹنے کی خواہش کرتا تو وہ یقیناً ٹوٹ جاتا۔ پھر میں نندا کی باطنی عظمت اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ ذرا سی توجہ کی بنا پر مجھے کسی واقعہ یا فرد کی خبریں بیٹھے بیٹھے نہایت آسانی سے معلوم ہو جاتی تھیں۔ اب تک میں انکا جیسی ہرجائی

Downloaded from Paksociety.com

قوت کے پیچھے پریشانیاں اٹھاتا رہا تھا۔ اپنے ماضی کے برے دن یاد کر کے مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ میری نرگس، میری مالا صرف میری کوتاہیوں کی نذر ہوئی تھیں۔ جو بات مجھے پہلے سمجھ جانی چاہئے تھی، اس پر میں نے بہت تاخیر سے عمل کیا۔

میسور تک پہنچنے کا حال بیان کیا جائے تو تکرار ہوگی۔ دو ایک جگہ مجھے شبہے کی نظر سے دیکھا گیا لیکن مجھے ان کا شبہ دور کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ سورگ باشی پریتم لال کے استھان کے زیریں حصے میں دو پنڈت مجھے دھونی رمائے نظر آئے۔ میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور سیدھا پہاڑی پر چڑھنے کے لئے آگے بڑھنے لگا لیکن وہ میری آمد سے بے خبر نہیں تھے۔ "ٹھہرو کہاں جاتے ہو؟" مجھے ان کی آواز دور سے سنائی دی۔

میں نے پیچھے مڑ کر ان کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ "ٹھہر جاؤ جمیل احمد خان! تم اوپر نہیں جاسکتے۔" انہوں نے دبنگ آواز میں دوبارہ مجھے تنبیہ کی۔

"مہاپُرشو۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے جانے دو۔" میں نے شائستہ لہجے میں کہا۔ یہ کہہ کر میں اور آگے بڑھ گیا۔

ان میں سے ایک پنڈت آناً فاناً میرے قریب آ گیا اور پینترا بدل کر بولا۔ "تم خود کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ دھرماتما یہی چاہتے ہیں۔ اب اس پہاڑی پر کوئی نہیں جا سکتا۔ تمہارے قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

"مجھے چلے جانے دو۔ میں نے تمہارا حصار توڑ دیا ہے۔ میں اب زمین پر نہیں، پہاڑی پر ہوں۔ تم مجھے اوپر جانے سے نہیں روک سکتے۔"

"وہ تو تم نے اپنی ناری کی وجہ سے توڑ دیا ہے پر ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں؟ چار سال ہونے کو آئے، ہم تمہیں اندھا کر دیں گے، تمہاری انکا دیوی کی شکتی بھی بے کار ہو جائے گی۔"

"مگر تم یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"یہ تم جانتے ہو۔ چھل کپٹ سے کام نہ لو۔ ہم تمہیں اس سے نشٹ کر سکتے ہیں پرنتو یہ بعد کی بات ہے۔"

"مہاراج! میرے راستے میں نہ آؤ، میں اوپر جا رہا ہوں۔" میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا اور ان سے پھر دو قدم آگے نکل گیا۔

... ں۔ میں ٹھوکر کھا کر گرا اور زمین

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پر آ پڑا۔ انکا کسمسا کر رہ گئی۔ میں نے ایک نظر پجاری کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ عیاں تھی۔ میں بے پروائی سے پھر اوپر چلنے لگا۔ میں ہر ممکن طور پر کسی فساد سے بچنا چاہتا تھا۔ انہوں نے سارے راستوں پر اپنے بیروں کا پہرا بٹھا دیا تھا اور ظاہر ہے وہ کوئی معمولی پنڈت پجاری نہیں تھے۔ کلپنا نے پہلے بھی مجھے یہاں آنے سے روک دیا تھا۔ یقیناً وہ بھی ان کی شکتی سے ہراساں ہوگی اس لئے کہ ان دونوں کو بڑے بڑے پجاریوں کا تحفظ حاصل تھا۔ جب کئی بار میری کوشش ناکام ہوگئی اور ہر بڑھتے ہوئے قدم پر ایک رکاوٹ محسوس ہوئی تو مجبوراً مجھے واپس زمین پر آنا پڑا۔ اسی لمحے مجھے اپنے سر پر ایک ہانڈی رقص کرتی نظر آئی۔ یہ میرے اور انکا کے لئے سب سے خطرناک علامت تھی۔ اگر وہ ہانڈی میرے سر پر گرنے میں کامیاب ہو جاتی تو میرا سارا بدن جھلس جاتا۔ جادو رد کرنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ اسے کسی طور واپس کر دیا جائے۔ نندا کا مشورہ مجھے جان سے زیادہ عزیز تھا لیکن یہ وقت نرمی اور اہنسا کے پالن کا نہیں تھا۔ میں پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ بات کہاں تک پہنچی ہے اور ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں نے ہانڈی پر اپنی نگاہیں مرکوز کر لیں۔ پلکوں کو جنبش دئے بغیر میں اسے لگاتار دیکھتا رہا۔ اسی عمل میں چند لمحے گزرے ہوں کہ ہانڈی ایک جگہ ٹھہر گئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر پورے اعتماد کے ساتھ اسے اپنے ہاتھ پر اٹھا دیا اور حیرت زدہ پجاریوں سے پوچھا۔ ''کیا خیال ہے مہاپُرشو؟ کیا میں اسے تمہاری طرف واپس کر دوں؟''

انہیں جواب دینے میں تامل ہوا۔ یہ ایک فطری امر تھا۔ پھر انکا نے شدت کے ساتھ مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ ہانڈی ان کی طرف لوٹا دوں۔ میں ہانڈی واپس ہونے کے نتیجے سے آگاہ تھا اس لئے متذبذب تھا لیکن وہ دونوں پھر متحرک ہو گئے اور انہوں نے کوئی دوسرا داؤ کھیلنے کے لئے پہل کر دی تھی۔ آخر میں نے ہانڈی ہوا میں ان کی طرف اچھال دی اور اسی سمت نگاہیں جمائے رکھیں۔ ہانڈی اب ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی۔ میرے لئے یہ کوئی پُر لطف تماشا نہیں تھا اس لئے میں نے ان کی تباہی کا منظر وہاں کھڑے رہ کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ اوپر میری تزئین اور کلدیپ موجود تھیں۔ جب میں اوپر چڑھ رہا تو مجھے ان کی کربناک چیخیں سنائی دیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا لیکن انکا اچھل اچھل کر بتا رہی تھی کہ ان کا کیا حشر ہوا۔ وہ دونوں اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

☆......☆......☆

مجھے دیکھ کر تزئین میری آغوش میں سسکنے لگی۔ میں نے اسے اپنے کلیجے سے لگایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کے اس کی پیشانی کے کئی بوسے لئے۔ میرے دل میں اس کے لئے نہ جانے کہاں سے بے پناہ محبت اور شفقت امنڈ آئی تھی۔ ''اب آپ کہیں نہیں جائیں گے، مجھے آپ کی دشواریوں کا تھوڑا بہت اندازہ ہو چکا ہے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھے دن آ رہے ہیں میری جان! میری گلہری، میری گڑیا۔ تم نے یہ کیا حال بنا رکھا ہے اپنا؟'' میں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''دیدی تو کب سے اپنے جاپ میں مصروف ہیں۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتیں۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔'' اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''مجھے اندازہ ہے، کاش میں تمہیں بتا سکتا کہ تمہارے باپ پر کیا کیا آفتیں نازل ہوتی رہی ہیں؟''

''آپ اتنے دنوں کہاں رہے؟'' تزئین نے معصومیت سے پوچھا۔

''کیا بتاؤں اور کیا نہ بتاؤں۔ تزئین! اس وقت تم مجھے کچھ کھانے کو دو۔'' میں نے موضوع بدلنے کے لئے کہا۔ تزئین دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ تزئین کے چہرے پر اب سنجیدگی غالب آ چکی تھی۔ میں ایک باپ کی حیثیت سے اس کے مستقبل کے لئے پریشان ہو گیا۔ کلدیپ اپنی کٹیا میں کسی طویل جاپ میں مگن تھی۔ میری اس سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔ نہ وہ جاپ توڑ سکتی تھی اور نہ میں اس کی محویت میں دخل دے سکتا تھا۔ میں یہاں کوئی ایک ہفتے رہا۔ اس کے بعد میں نے بہ مشکل چند دنوں کے لئے تزئین سے بمبئی جانے اور گھر بنانے کی اجازت لی۔ جب تک کلدیپ کا جاپ ختم نہ ہو جاتا، میرا وہاں ٹھہرنا بے سود تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ نندا کی نصیحتوں کے مطابق اپنی آئندہ زندگی کے لئے تنکے اکٹھے کر کے دوبارہ آشیانہ بنانے کی سعی کرتا۔ بہت سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے مستقل قیام کے لئے بمبئی کو منتخب کیا تھا حالانکہ میں تبت جا کر آنجہانی نندا کے ویران استھان پر زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن نندا اور کمپالا دونوں نے مجھے کلدیپ سے شادی کر کے ایک عام آدمی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی تھی اور جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر اپنا نہ لیتا اس وقت تک بدری نرائن سے کوئی ربط ضبط قائم نہیں رکھ سکتا تھا اور جب تک بدری نرائن سے کوئی فیصلہ کن بات طے نہ ہو جاتی اس وقت تک ہندوستان میں ہر جگہ میرے لئے نوع بہ نوع دشواریاں پیش آنے کا امکان تھا۔ وہی تشدد، وہی انتقام، وہی کشاکش برقرار رہتی۔ میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ میرے لئے مصیبت بنا ہوا تھا۔ اسی کی بنا پر مجھے آسانی سے شناخت کر لیا جاتا تھا۔ میں یہ ہاتھ چھپانے کی خاطر کندھے پر فیشن ایبل انداز میں سیاہ شیروانی ڈالے رکھتا تھا۔ بمبئی میں میرا قیام ایک ایسے ہوٹل میں تھا جو شہر سے دور بھی تھا اور پُر سکون بھی۔ مجھے اپنے کچھ پرانے حساب بھی دیکھنے تھے اور اپنے لئے کوئی ذریعہ معاش بھی تلاش کرنا تھا۔ انکا میرے سر پر موجود تھی لیکن اب میرے لئے اس کی حیثیت ایک بے فیض اور بے ضرر رفیقہ کی سی تھی، اس کے سوا کچھ نہیں۔

یہ کوئی تیسرے دن کی بات ہے۔ شام کا وقت تھا۔ میں اپنی مشقوں میں منہمک تھا کہ ایک حسین لڑکی اجازت لے کر میرے کمرے میں داخل ہوئی اور آتے ہی گھبراتے ہوئے انداز میں بولی۔ ''کیا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جمیل احمد خان آپ ہی ہیں؟'' اس کے لہجے سے اضطراب نمایاں تھا۔

''فرمایئے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ نام جانتی تھی اس لئے یقیناً کسی خاص مقصد سے آئی تھی حالانکہ ہوٹل کے رجسٹر میں میرا نام احمد کمال درج تھا۔

''کیا آپ ہی ہیں وہ؟'' لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں، میرا اصل نام یہی ہے۔''

''اچھا کیا جو آپ نے جمیل احمد خان کے نام سے کمرا نہیں لیا مگر وہ آپ کے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے شاید آپ کو پہچان گئے ہیں۔''

''آپ نے اپنی آمد کا مقصد بیان نہیں کیا۔'' میں نے کسی تجسس یا تشویش کے بغیر کہا۔

''ابھی بتاتی ہوں۔ میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ آپ جتنی جلدی ممکن ہو، بمبئی سے چلے جائیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔''

لڑکی کے چہرے اور رکھ رکھاؤ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اچھے کردار کی مالک نہیں ہے۔ صرف ایک نظر سے بہت سی باتیں مجھ پر عیاں ہو گئیں۔ انکا نے یہ معمہ اپنے طور پر حل کرنا چاہا لیکن میں پہلے ہی معاملے کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ ادھر انکا نے جو تفصیل بتائی وہ خاصی دلچسپ تھی۔ لڑکی کا اصل نام جمیلہ تھا، حالات نے اسے ناہید بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ کئی غلط ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود وہ ابھی عام نہیں ہوئی تھی۔ صرف خاص لوگوں کی دسترس میں رہی تھی۔ ان خاص لوگوں میں بمبئی کا ایک پولیس افسر مادھو لال بھی تھا۔ اتفاق سے جس وقت مادھو لال کے ایک مخبر نے اسے بمبئی میں میری موجودگی کی اطلاع دی، اس وقت ناہید اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ چنانچہ ایک مسلمان کو خطرے میں دیکھ کر اسے تشویش ہوئی اور وہ اسی وقت مجھے بمبئی سے بھاگ جانے کا مشورہ دینے آ گئی تھی۔ انکا نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آج آدھی رات کو ہوٹل سے مجھے گرفتار کرنے کی تجویز طے پائی ہے۔ ناہید کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے بعد مجھے اس سے ہمدردی ہونی لازمی تھی۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جب وہ چلنے لگی تو دروازے پر، میرے ایک جملے سے ٹھٹک کر رک گئی۔ میں نے پوچھا تھا۔ ''کیا تم مجھے اس مخبر کا نام یا حلیہ بتا سکتی ہو جس نے مادھو لال کو میرے بارے میں اطلاع فراہم کی تھی؟''

میرا جملہ سن کر وہ حیرت سے اچھل پڑی اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ کو ان واقعات کا علم کیسے ہو گیا؟''

''مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مادھو لال آج آدھی رات کو مجھے گرفتار کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ تم اطمینان رکھو، مادھو لال کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو گا۔ یہ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔''

ناہید مجھے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

Downloaded from Paksociety.com

''بی بی! میں تمہارا یہ احسان یاد رکھوں گا، اب تم جا سکتی ہو، وہ تمہارے تعاقب میں ہیں۔''

''کیا!'' وہ دہشت زدہ سی ہو گئی۔

میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارا خیال رکھوں گا۔''

وہ کترا کر نہایت تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں کمرا بند کر کے بستر پر لیٹ گیا۔

''جمیل! چند لوگوں کے سلسلے میں تمہیں اپنا رویہ سخت کر لینا چاہئے، یہ لازمی ہے۔ یہاں کا ایک بڑا پجاری گوپال تمہارے بہت سے واقعات سن کر تمہارا جانی دشمن بن چکا ہے۔ مادھو لال بدری نرائن کے عقیدت مندوں میں سے ہے، اب صرف دو صورتیں ہیں، جنگ یا فرار۔''

''وقت آنے پر دیکھا جائے گا انکا رانی! فی الحال مجھے کچھ دیر سوچنے دو۔'' میں نے جماہی لیتے ہوئے بے پروائی سے کہا پھر آنکھیں بند کر لیں۔

میرے ذہن میں رات کے لئے کوئی واضح منصوبہ نہیں تھا۔ وقت آنے پر کشت و خون سے بچنے کے لئے میں کئی راہیں نکال سکتا تھا۔ نندا کے پند و نصائح کے زیر اثر میں ابھی تک خود کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن فتنے مسلسل میرے تعاقب میں تھے۔

رات کو ساڑھے نو یا دس کا عمل تھا۔ انکا کے نکیلے پنجوں کی شدید چبھن نے مجھے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے انکا کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ بے حد بے چین نظر آئی۔ ''تم پریشان کیوں ہو، کوئی خاص بات ہے؟'' میں نے بے نیازی سے پوچھا۔

''کیا تم کچھ دیر کے لئے مجھے میری مرضی پر چھوڑ سکتے ہو۔''

''بات کیا ہے؟''

''ناہید اس وقت سخت اذیتوں سے دوچار ہے۔ میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ میں نے ناہید کے بارے میں اپنے خیال کا دائرہ وسیع کیا تو مجھے یہ پتا چلا......''

''ہونہہ...... انہوں نے اس غریب لڑکی کو سزا دے دی؟'' میں نے جملہ مکمل کر دیا۔

''ہاں۔ یہی ہوا ہے۔ تم اگر چاہو تو تم سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی لیکن تم حالات کی سنگینی پر غور ہی نہیں کرتے۔ مادھو لال نے اس ہوٹل میں تمہاری موجودگی کی اطلاع ملتے ہی اپنے آدمی یہاں تعینات کر دیئے تھے۔ انہوں نے ناہید کو تمہارے کمرے سے نکلتے دیکھ کر مادھو لال کو خبر کر دی۔ انجام کار اس وقت وہ بے چاری تمہاری ہمدردی کے جرم میں گوپال کے پاس پہنچا دی گئی ہے تا کہ وہ اسے کالی کے چرنوں میں بھینٹ کے طور پر استعمال کرے۔ وہ ظالم اس وقت اسے سخت اذیت میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ تم گوپال کو نہیں جانتے، وہ کمینوں کا کمینہ ہے، بڑا مغرور، درندہ صفت اور ظالم انسان ہے۔ مجھے اجازت دو جمیل! ناہید کی [illegible] میں سب کچھ کہہ گئی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے انکا کو کوئی جواب دینے کے بجائے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ خود کو لوگوں کی نظروں سے روپوش رکھنے کے لئے میں نے پولیس کے متعین آدمیوں کی آنکھوں میں دھند سی پیدا کردی اور ان کے سامنے سے گزر کر سڑک کر پر آ گیا۔ انکا نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کے سر پر جا کر میری مشکل حل کردی۔ پندرہ منٹ بعد ٹیکسی مندر کے قریب ایک اونچی عمارت کے سامنے رک گئی۔ میں نے برق رفتاری سے دوڑ کر عمارت کا احاطہ عبور کیا پھر اس خاص کمرے تک پہنچ گیا جہاں ناہید زنجیروں سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کے بدن پر کوئی لباس نہیں تھا اور جگہ جگہ اس کے خون کے دھبے تھے۔

وہ فرش پر تڑپ رہی تھی۔ اس کی روح فرسا حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے پیچھے سے ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''اچھا ہوا جمیل احمد خان کہ تم خود یہاں آ گئے۔ اب مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی۔''

''تم...... گوپال داس! تم نے اس لڑکی کا کیا حلیہ بنا دیا؟'' مجھے ایک مدت بعد اتنا غصہ آیا تھا۔ میری آواز گرج رہی تھی۔ ناہید ذبح کی ہوئی بکری کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ وہ حسین شکل اور خوب صورت آنکھیں جو میں نے ہوٹل میں دیکھی تھیں، اس وقت وہ عجیب کرب ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا۔ ناہید نے ایک مسلمان ہونے کے ناتے مجھے بچانا چاہا تھا۔ ہم میں سے کون مسلمان تھا، یہ خود ہمیں نہیں معلوم تھا لیکن ہمارے نام تو اب تک وہی تھے۔ وہ میری محسنہ تھی اور اس نے طوائف ہونے کے باوجود بھی اپنے ضمیر کا ساتھ دیا تھا۔

''کیا تمہیں بہت ملال ہے، جمیل احمد خان؟ ہاں یہ بھی تو مسلمان ہے۔ ویشیا، کلنکنی، اس کا خون کالی کو پسند آئے گا۔''

''کمینے! تجھے ایک لڑکی پر ظلم کرتے شرم نہیں آئی؟'' میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''تو بہت نیچ نکلا، تو نے ہندو دھرم کا بھی اپمان کیا۔''

''مسلے! تیری موت تجھے یہاں کھینچ لائی ہے۔ اپنی زبان خوب چلا لے۔ آج میں تجھ سے تمام پنڈتوں کا بدلہ لوں گا۔''

''میں نے کسی کو وچن دیا ہے گوپال داس کہ خون خرابا نہیں کروں گا لیکن تو نے بہت بڑی باتیں کہہ دی ہیں۔'' میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔ ''اب تجھے چھوڑنا یا شما کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تو......؟ تو مجھے شما کرے گا؟'' گوپال داس زہر خند سے بولا۔ ''کیا چنڈو پی رکھی ہے؟ یہ گوپال داس ہے، سنبھل کر بات کر۔''

ناہید کی کربناک چیخیں میرے دل و دماغ میں نشتر بن کر چبھ رہی تھیں۔ معاملے کو طول دینا

مناسب نہیں تھا۔ سب سے پہلے میری کاٹ کرتی ہوئی نظریں ناہید کے پیروں میں بندھی ہوئی زنجیروں پر پڑیں۔ ''آؤ ناہید! تم میرے پاس آ جاؤ۔'' زنجیریں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ بے تحاشا میری آغوش میں آ لپٹی۔ میں نے اسے علیحدہ کھڑا کر دیا۔ ''تم اپنے سر پر چادر ڈال لو، میں اس پاپی سے نمٹتا ہوں۔'' میں نے اس سے کہا۔

''یہ چھوٹے موٹے چمتکار دکھا کر مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟ پر میں آج تجھے بتاؤں گا کہ شکتی کسے کہتے ہیں۔'' گوپال داس گرجنے لگا۔

''تو بڑا ادشٹ ہے۔'' میں نے گھور کر اسے دیکھا اور مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنی آنکھوں کے سحر سے اسے حواس باختہ کر دیا۔ وہ اپنی جگہ جکڑ سا گیا، پھر میں نے تیزی سے زنجیر اٹھا کر اس کے چہرے پر ماری۔ میرے منتر کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ میں نے اسے اتنا مارا، اتنا مارا کہ خود میرے ہاتھ میں زنجیر سے چھالے پڑ گئے۔ میں نے اسے کوئی عمل کرنے کی مہلت نہیں دی۔ میں اسے مارتا ہی رہا، اتنا شدید مارا کہ کمرے کی دیواریں، میرے کپڑے اور ناہید کا بدن اس کے خون کی چھینٹوں سے لہولہان ہو گئے۔ میں نے اس کی دونوں آنکھوں میں اتنی زنجیریں ماریں کہ وہ ہمیشہ کے لئے پھوٹ گئیں۔ نہ جانے یہ کون سا چھپا ہوا غصہ تھا کہ میرے ہاتھ رکتے ہی نہیں تھے۔ انکا سراسیمہ نظروں سے میرا جنون دیکھ رہی تھی مگر میں تھا کہ مجھے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ گوپال کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی تھیں اور گوشت جگہ جگہ سے ادھڑ گیا تھا۔ وہ تڑپتے تڑپتے بے جان ہو گیا لیکن میرے ہاتھ نہیں رکے۔ پھر جب ناہید نے گرتے پڑتے میرے قریب آ کر میرے ہاتھ روکے تو مجھے ہوش آیا۔ ناہید کی حالت دگرگوں تھی۔

میں نے اسے اس اذیت سے نجات دلانے کے لئے بے ہوش کر دیا۔ پھر میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے لباس پہنایا۔ انکا دم بخود تھی۔ اس نے اس دوران مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔

میں نے زخمی اور بے ہوش ناہید کو اپنے کندھے پر لادا۔ میرا خیال تھا کہ ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر اسی وقت بمبئی کو خیر باد کہہ دوں گا۔ میں مزید کسی ٹکراؤ سے بچنا چاہتا تھا۔ کمرے سے نکل کر جیسے ہی راہداری میں آیا، مجھے ایک نئے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ بدری نرائن اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ میرے سامنے دیوار بن کر کھڑا تھا۔ اس کے ہمراہ دو ہٹے کٹے پجاری تھے۔ بدری نرائن کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا...... میری وحشتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

☆......☆......☆

زخمی اور بے ہوش ناہید میرے کاندھوں پر جھول رہی تھی اور میرے سامنے کرہ ارض پر میرا سب سے بڑا دشمن بدری نرائن، دو بھاری بھرکم پجاریوں اور اپنی تمام رعونتوں اور خباثتوں کے ساتھ موجود تھا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میری رگوں میں لاوا ابلنے لگا۔ دو پجاریوں کی موجودگی خالی از علت نہیں تھی اور یہ اس امر کی بھی علامت تھی کہ اگر کوئی معرکہ ہوا تو طول کھینچ جائے گا۔ یہ میری باطنی قوتوں نے مجھے متنبہ کیا کہ اس وقت میرے لئے کوئی ہنگامہ مناسب نہیں ہوگا حالانکہ اتنے دنوں بعد بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چبا ڈالنے اور اس کا سرمہ بنانے کے لئے ہاتھ میں کھولن ہو رہی تھی۔ گوپال داس کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد طبیعت یوں بھی مکدر ہو گئی تھی۔ کاندھے پر ناہید سوار تھی۔ نندا نے درگزر، عفو اور راستہ کاٹنے کی وصیت کی تھی اور ہدایت کی تھی کہ جب تک میں کلدیپ کو مستقل طور پر خود سے وابستہ نہ کرلوں اس وقت تک بدری نرائن سے کسی قسم کی رزم آرائی سے گریز کروں۔ اس وقت برداشت کرنا بہت بڑا مسئلہ تھا۔ مجھے بدری نرائن کا خون درکار تھا۔ انکا بھی میرے سر پر وحشت زدہ سی بیٹھی تھی۔ میرے ذہنی خلفشار نے کوئی انتہا پسندانہ اقدام کرنے سے مجھے روکا۔ اب میں پہلے کی طرح کوئی مشتعل شخص نہیں رہا تھا۔ نندا نے مجھے صبر، سکون اور گریز کی تعلیم دی تھی۔ صرف ایک جذبہ، باقی تمام گریز، دنیا سے گریز، دنیا کی آلائشوں سے گریز۔ بدری نرائن کو سامنے دیکھ کر اسے چھوڑ دینا میری اسی تعلیم اور تپسیا کا امتحان تھا۔ کیا میں اسے یوں ہی چھوڑ دوں؟ اس موذی، اس شیطان، اس کمینے شخص کو؟ جس نے میری زندگی مختصر کر دی۔ جس نے میرے عزیز ترین لوگ مجھ سے چھین لئے۔ میرے جسم پر اتنے زخم تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل تھا۔ مجھے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا چہرہ مسخ کر دینا چاہئے پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں اسے بتا دوں کہ جمیل احمد خان اب ایک مجبور و بے کس شخص نہیں ہے مگر میں نے اپنے حواس اندھے نہیں ہونے دئے۔ بدری نرائن کو اس کا احساس ضرور ہوگا کہ میرے اندر کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ اسی لئے وہ تنہا نہیں آیا، دو پجاریوں کے ساتھ آیا۔ ان کے سر گھٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں پر تجربے مرقوم تھے اور ان کی آنکھوں سے اعتماد ہویدا تھا۔ میں نے ان تینوں کو اپنی قوتوں کے ترازو میں تولنے کی کوشش کی۔ ہاں، سب کچھ ممکن تھا مگر یہ ایک نامناسب اور ناموزوں موقع تھا۔ ان کی طلبی پر تھوڑی دیر میں یہاں دوسرے پجاری بھی آ سکتے تھے۔ گوپال داس کی عبرت ناک موت، وہ اتنی آسانی سے کیسے فراموش کر دیں گے۔ میں نے کوئی فیصلہ کرنے کے لئے ایک لمحے کو اپنے دل و دماغ وہاں سے ہٹائے، آنکھیں بند کیں۔ یہ ارتکاز کا ایک لمحاتی عمل تھا۔ میں بڑی حد تک پُرسکون ہو گیا۔ میری خاموشی پر انکا نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ ''تم کیا سوچ رہے ہو؟ اس سے بہتر وقت کب آئے گا؟ مجھے تمہاری طاقتوں پر اعتماد ہے۔''

''ابھی کچھ دیر ہے انکا! یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے۔ اب میں صرف بدری نرائن کا دشمن نہیں ہوں' ہندوستان کے تمام بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی نظر میں آ چکا ہوں۔ بہتر ہے ہم گریزاں ہوں اور دوسرا راستہ اختیار کریں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ بدری نرائن کو ختم کر کے ہم آگے بڑھ جائیں گے؟''

میں انکا سے کہا۔

''تمہارا خیال ہے کہ وہ دوسرے راستے پر آ جائے گا۔ مجھے اجازت دو کہ میں کوئی تماشا کروں۔''

''نہیں انکا۔ نندا نے مجھے نیکیوں کی تعلیم دی ہے۔ بدری نرائن ایک واحد دشمن نہیں ہے۔ وہ تمام دشمنوں کا نمائندہ ہے۔ اگر اسے ختم کر دیا گیا تو تمام دشمن ختم نہیں ہو جائیں گے۔ اگر اسے یہ باور کرا دیا گیا کہ اس کا میرا راستہ الگ ہے اور میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا تو ممکن ہے اس کے تمام ساتھی مجھ سے عناد ترک کر دیں۔ تم کب تک لڑو گی؟'' میں نے انکا کو ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

''او جمیل! کیا تمہاری آنکھوں پر دھند چھا گئی ہے؟ وہ بدری نرائن ہے۔'' انکا نے غصے سے کہا۔ وہ نہ جانے کیا کیا تقریر کرتی رہی۔ میں نے اس کی باتوں سے دھیان ہٹا لیا۔ بدری نرائن سے میری نظریں چار تھیں۔ اس کے دونوں ساتھیوں کے تیور بھی حد درجہ خطرناک تھے۔ میں نے انہیں نظرانداز کر کے آگے بڑھنا چاہا تو مجھے اپنے پیچھے سے بدری نرائن کی طنز بھری آواز سنائی دی۔ ''ارے ارے شریمان جمیل احمد خان! کہاں چلے؟ بڑے بھاگیہ ہمارے، جو آج تمہارے درشن ہو گئے۔''

میرے قدم خطرہ سونگھ کر وہیں ٹھہر گئے لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میری خاموشی سے شہ پا کر وہ بولا۔ ''اتنے سال کہاں رہے مہاراج! کیا اپنے پرانے سیوک کو بھول گئے تھے؟ یہ میں ہوں مہاشے، میں بدری نرائن! سنا تم نے؟'' میں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ بدری نرائن اور بے باک ہو گیا۔ ''یہ تم نے اپنے شریر سے کس ناری کو لگا رکھا ہے، مہاراج؟ یہ جیوت ہے یا سورگ باشی ہو گئی؟''

''بدری نرائن!'' میں نے پلٹ کر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ ''اس چوہے بلی کے کھیل کو بہت سال ہو گئے، اب اسے بند ہو جانا چاہئے۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے یہاں سے جانے میں میرے کسی خوف کو عمل دخل ہے تو تم اپنے طور پر یہی سمجھ لو۔ اگر تم تمام باتیں بھول جانے اور اپنی راہ اختیار کرنے کا طریقہ منتخب کرتے ہو تو مجھے تمہارے اس فیصلے سے خوشی ہوگی۔ اگر تم پچھلی باتیں دہرانے اور زخم کریدنے کا ارادہ رکھتے ہو تو میں بتاؤں کہ تمہیں مایوسی ہوگی۔''

''آ...... آ...... آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہو جمیل احمد خان!'' بدری نرائن کے لہجے میں زہر تھا۔ ''ہم تو بہت دنوں سے مایوس ہو رہے ہیں۔ پچھلی باتیں اتنی جلد کیسے بھلائی جا سکتی ہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔''

''میں تمہاری پچھلی ناکامیاں گننا نہیں چاہتا۔ حال ہی میں تم نے اپنے دونوں متروں کا حشر سورگ باش پریتم لال کے استھان پر دیکھ لیا۔ تم نے ترپاٹھی، ارجن داس اور گوپال داس کے بارے میں بھی کوئی اچھی خبر نہیں سنی ہوگی۔ میرے ساتھ ... ہے طبی امداد کی ضرورت ہے۔ میں نے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

استنے سال روپوش ہوکر نہیں گزارے بدری نرائن!" میں نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم اپنا راستہ بدل لو۔ میں اپنی راہ پر جاتا ہوں۔ میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ تم میرے بارے میں ایک بار اورسوچ لو، ابھی وقت نہیں گیا۔"

"وقت کی بات چھوڑو، اس سے اچھا سمے کب آئے گا۔ یہ سندر ناری ناہید ہے۔ آہ کتنا سندر نام ہے اس کا۔ کیا یہ ہمیں تم سے جدا کردے گی مہاراج۔ نہیں نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔" بدری نرائن کا لہجہ بتدریج ناقابل برداشت ہوتا جارہا تھا۔

"جمیل! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ اس کا سر کچل دو۔" انکا تلملا کر بولی۔ "کیا اس کمینے سے تمہیں کسی نرمی کی توقع ہے؟"

"بدری نرائن!" میں نے انکا کو جواب دینے کے بجائے بدری نرائن کو مخاطب کیا۔ "تم میرے شریفانہ رویے سے غلط نتیجہ اخذ کررہے ہو۔ دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا دو گے تو شعلے بھڑک اٹھیں گے۔"

"شعلے تو بہت بھڑکے ہوئے ہیں۔ اب بہت ہو چکا ہے خان صاحب! سمے بیت چکا ہے۔" بدری نرائن نے دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ "تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ یہ شری گوپال داس کا آشرم ہے۔ آج تک کسی مسلے کو یہاں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کوئی دشٹ یہاں آکر واپس نہیں گیا اور پھر تم جیسا منش؟"

"سپنوں کی باتیں نہ کرو بدری نرائن۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔ میرے دل میں کوئی کپٹ نہیں۔ کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے استنے دن کہاں گزارے ہیں؟ میرے گرو نے مجھے بہت کچھ دیا ہے لیکن اس نے مجھ سے وچن لیا تھا کہ اہنسا، تیاگ اور عفو کا دامن نہ چھوڑوں۔ میرے لہجے کی نرمی میری کمزوری پر محمول نہ کرو۔ تم ایک مہان پجاری ہو بدری نرائن! جاؤ کالی کے پاس جاؤ۔ اس کی سیوا کرو۔" میں نے درشتی سے کہا۔

"کالی کا نام اپنی گندی زبان پر نہ لاؤ۔" بدری نرائن نے طیش بھری آواز میں کہا۔ "استنے پاپ کرنے کے بعد مجھے اپدیش دیتے ہو؟"

اسی وقت میری آنکھوں نے بدری نرائن کے بیر دیکھے جو میرا راستہ روکے کھڑے تھے اور بدری نرائن اور اس کے ساتھیوں کے اشارے کے منتظر تھے۔

"میں اس کے سر پر جارہی ہوں۔ تم اسے اپدیش دیتے رہو۔" انکا میرے حکم کے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔ اسی لمحے بدری نرائن کی آواز گونجی۔

"آہا۔ انکا دیوی۔ نمسکار، پرنام۔ جگدیش، بلویر، ارے دیکھو، یہ کون میرے سر پر بیٹھا ہے۔ انکا رانی!" بدری نرائن نے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ کر [illegible]

اب تمہارا کوئی داؤ نہیں چلے گا۔ ہم نے یہاں آنے سے پہلے ہی اس کا پربندھ کرلیا تھا۔ میں ایک بار مرگھٹ میں تمہارا ادھیکار دیکھ چکا ہوں۔ جب یہ دشٹ جمیل احمد خان وعدے کے مطابق تمہیں سونپنے کے لئے میرے پاس آیا تھا۔" جگدیش اور بلویر، اس کے دونوں ساتھی حیران نظروں سے بدری نرائن کے سر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انکا ان تینوں کے سر پر گئی اور تینوں باری باری اچھلے۔ بدری نرائن کچھ حواس باختہ سا ہوا اور اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے دونوں پنڈتوں کو انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ اچانک وہ سارے بیر مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں اوندھے منہ گر گیا۔ خون کی ایک باریک سی لکیر میرے ہونٹوں سے نکلی۔ ناہید کا جسم غیر متوازن ہوتے ہی ایک طرف ڈھلک گیا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو ان کے بیروں نے دوبارہ مجھ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اس بار وہ کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ میں کھڑے کھڑے ارتکاز میں چلا گیا۔ میری آنکھیں ایک سمت مرکوز ہوگئی تھیں۔ اصل میں مجھے خود سے زیادہ ناہید کی فکر تھی اور میں ہر ممکن طور پر اس مقابلے سے پہلو تہی کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انکا بدری نرائن کے سر پر جا کر کوئی خاص کارنامہ انجام نہیں دے سکے گی۔ مجھے یہاں سے فوراً چلا جانا چاہئے تھا۔ ان کی آنکھوں پر دھند چھا جانے سے میرے جانے کا راستہ صاف ہوسکتا تھا لیکن وہ عادم آدمی نہیں تھے۔ پوری طرح محتاط اور مستعد تھے۔ انکا بے بسی کے ساتھ میرے سر پر آگئی۔ میں نے نندا کی آتما سے معذرت چاہی اور ناہید کو اٹھاتے اٹھاتے میں بدری نرائن کے بہت نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے اسے حقارت بھری نظروں سے گھور کر دیکھا۔ بدری نرائن کسی قدر پیچھے ہٹا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "ہم تمہیں کسی بھی سے نرک پہنچا سکتے تھے لیکن کالی کے تمام پجاریوں کے سامنے تمہارا بلیدان ہوگا تو ہمارے ہردے کو ٹھنڈک پہنچے گی۔ ہمیں اپنے تمام پجاریوں کی آتماؤں کو شانت کرنا ہے جنہیں تم نے ہم سے دور کردیا ہے۔ تم یہاں کچھ نہیں کرسکتے۔ نہ تمہاری وہ ناری جو سر پر بے بس بیٹھی ہے۔ نہ تم، نہ تمہارا گروہ، نہ وہ سندر ناری کلپنا یہاں آسکتی ہے جس نے کئی بار تمہیں بچایا ہے۔ ہم نے راستوں میں کانٹے بچھا دیئے ہیں۔ خان صاب، اب باز آجاؤ۔ سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔"

"بدری نرائن! تم مجھے تشدد پر اکسا رہے ہو۔ تم اپنی شکتی سے کام نہیں لے رہے ہو۔ پوچھو اس سے کہ میں تم سے نرمی کا برتاؤ کیوں کررہا ہوں؟ اب میں تمہیں شما نہیں کروں گا۔ میں تمہارے سامنے ہوں، تم میرا کچھ نہیں کرسکتے۔ بلاؤ اپنے بیروں کو، مہاپرشوں کو، پہنچاؤ مجھے نرک میں۔" میں نے گرج دار آواز میں کہا۔

میرے لئے ان اشتعال انگیز باتوں کے باوجود اب بھی یہی بہتر صورت تھی کہ میں ان سے کسی معاملے میں نہ الجھوں۔ وہ تین تھے اور میری کسی غفلت سے فائدہ اٹھا کے کوئی اوچھا وار کرسکتے تھے۔ آشرم سے باہر بھی مجھے کچھ اچھے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ میری گرج دار آواز سن کر انہوں نے ایک نگاہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

غلط انداز میرے سراپا پر ڈالی۔ میں نے ناہید کو اپنے دوسرے کاندھے پر ڈال لیا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

''بدری نرائن جی! یہ مورکھ اس طرح قابو میں نہیں آئے گا۔ انکا دیوی بھی اس کے ساتھ ہے اس کے پیر جکڑ لو اور اندر سے سیوکوں کو آواز دو۔'' جگدیش نے بدری نرائن کو مشورہ دیا۔

بدری نرائن نے کوئی منتر پڑھ کر میری طرف پھونکا لیکن میں اب ہر اقدام پر تیار تھا اور ہر وار کرنے کے لئے آمادہ تھا۔ وہ میرا بال بیکا نہ کر سکا۔ پھر اس نے میری زبان بند کرنا چاہی لیکن اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے مجھے اندھا کرنا چاہا لیکن وہ میری ایک جگہ ٹھہری ہوئی آنکھیں ہلانے تک میں ناکام رہا۔ میں ساکت و جامد اپنی جگہ کھڑا تھا جیسے میں گوشت پوست کا انسان نہیں ہوں، جیسے میں نہیں ہوں، نندا کے استھان پر موجود ہوں۔ ''مہاپُرشو!'' میں نے اپنی آواز گمبھیر بنا کر کہا۔ ''مہاپُرشو۔ تم نے شاید میری باتیں ٹھنڈے دل سے نہیں سنیں حالانکہ میں نے جو کچھ کہا تھا، سچے دل سے کہا تھا۔ میرا بدری نرائن کا جھگڑا پرانا ہے۔ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں خون خرابے سے بچنا چاہتا ہوں۔ تم کیوں درمیان میں آتے ہو، تم ......'' لیکن میرا جملہ نامکمل رہا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر پر کسی نے کوئی چیز گرا دی ہو۔ انہوں نے انکا پر حملہ کیا تھا۔ انکا پوری طرح چوکنا بیٹھی ہوئی تھی۔ انکا کا چہرہ غضب ناک ہو گیا۔ پتھر کا میرے سر پر پڑنا تھا کہ انکا نے اسے اٹھا کر میرے ہاتھوں میں دے دیا۔ میں نے اسے بدری نرائن کو واپس کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت چھوٹا تھا۔'' بدری نرائن اور دونوں پجاری سخت اشتعال کے عالم میں تھے اور بار بار مجھ پر حملہ کر رہے تھے۔ میں ان کے وار سہہ رہا تھا اور انہیں ناکام کر رہا تھا۔ یہ میرے ضبط کی انتہا تھی۔ مجھے کسی ایسے مہلک وار کا انتظار تھا جو میں آسانی کے ساتھ ان کی طرف واپس کر سکوں۔ انکا کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بار بار میرے سر سے اترتی تھی اور واپس آ جاتی تھی۔ ''بدری نرائن! میں جا رہا ہوں لیکن جلد ہی تم سے میری ملاقات ہو گی۔'' میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا اور پھر دروازے کی سمت جانے لگا۔

''ٹھہر جا، اے دشٹ، تو نہیں جا سکتا۔'' جگدیش منہ سے کف نکالے میری طرف دوڑا اور میرے سینے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے اس سے پہلو بچانا چاہا لیکن میرا جسم اپنے جسم سے مس ہو جانے کے بعد وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایک زناٹے دار طمانچہ میرے گال پر رسید کر دیا۔ میرے جسم کا سارا خون میری آنکھوں میں اتر آیا۔ انکا کا برا حال تھا۔ وہ دوسرا ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں ٹک گیا اور وہ ایک چیخ مار کر زمین پر گر پڑا۔ اسی لمحے انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے نندا کو یاد کر کے ندامت کا اظہار کیا۔ مجھ پر غیظ و غضب نے غلبہ پا لیا تھا۔ انکا نے جگدیش کے سر پر پہنچ کر اسے بے دم کر دیا۔ میں نے جلد ہی انکا کو واپس بلا لیا کیونکہ وہ لمحوں میں میرے عتاب سے جھلسنے والا تھا۔ وہ خس و خاشاک کے مانند ایک ثانیے میں جل گیا اور میں عالم اضطراب، خوں خواری اور خوں باری کی

کیفیت میں بدری نرائن کی طرف مڑا۔ ''دیکھا تو نے او کمینے پنڈت!'' مگر میری دہاڑ اور گرج سننے کے لئے وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ دونوں اندر کی طرف بھاگ گئے تھے۔ انکا نے مجھے ان کا تعاقب کرنے پر اکسایا۔ جب میں گرجتا، برستا گوپال داس کے کمرے میں پہنچا تو وہاں اس کی خون آلود لاش کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ دونوں غائب ہو گئے تھے۔ زیادہ تگ و دو کے لئے وقت نہیں تھا۔ ناہید ابھی تک میرے کاندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ راستہ صاف تھا لیکن مجھے اپنی حالت درست کرنے کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔ پورا جسم آگ بنا ہوا تھا۔ ایک خفیف سی کپکپاہٹ طاری تھی۔ دماغ جھن جھن کر رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ پاؤں میں لرزش تھی۔ چند ثانیوں کے لئے میں ایک چوکی پر بیٹھ گیا۔ میں نے ناہید کو اپنی کمر سے اتارا۔ گوپال داس کی لاش سے نظریں ہٹا لیں اور مراقبے میں ڈوب گیا۔ مراقبہ جو امن و سکون کا نسخہ ہے۔ انکا خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی محویت اور استغراق توڑنا پڑا۔ وقت بہت کم تھا۔ مجھے جلد سے جلد اس آشرم سے باہر نکل کر ناہید کی تیمارداری کا بندوبست کرنا تھا۔ ناہید کو راستے میں اس طرح لے جاتے میں خطرے درپیش تھے۔ میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ جلد ہی کسی گاڑی کا انتظام کرے۔ انکا نے میرے سر سے اتر کر گوپال داس کے آشرم کے سامنے سے گزرنے والی پہلی گاڑی روک لی۔ میں ایک چادر اوڑھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ وہ ایک پرائیوٹ گاڑی تھی۔

''کہاں لے چلوں؟'' خوش پوش ڈرائیور نے مجھ سے خوش اخلاقی سے پوچھا۔ اس کے سر پر انکا سوار تھی۔

''کسی بھی ڈاکٹر کے پاس۔'' میں نے جواب دیا۔ ''وہ اپنے فلیٹ میں تنہا رہتی ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔''

''حالات کافی بگڑ سکتے ہیں۔ وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں۔'' ڈرائیوار نے مجھ سے کہا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''ان کا فرار ہونا ہی ٹھیک ہوا۔ اس طرح انہیں میری طاقت کا اندازہ تو ہو گیا۔ شاید وہ باز آ جائیں، بصورت دیگر ہمیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔''

''تمہارا اندازہ غلط ہے۔ وہ اس طرح باز نہیں آئیں گے۔ تمہیں پہلے بدری نرائن پر حملہ کرنا چاہئے تھا۔'' ڈرائیور نے کہا۔ وہ انکا کی ترجمانی کر رہا تھا۔

''میں نے جو کچھ کیا، صحیح کیا۔ یہ محض اتفاق ہے کہ جگدیش پہلے سامنے آ گیا۔ اصل میں، میں بدری نرائن کے ساتھ کسی مڈھ بھیڑ سے آخر وقت تک بچنا چاہتا تھا لیکن بعد میں مجبوراً میں نے ارادہ بدل [illegible]
تھے۔ بہر حال جو ہوا، ٹھیک ہی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہوا۔ میں بدعہدی سے بچ گیا۔''

''کیسی بدعہدی؟'' ڈرائیور نے پوچھا۔

''میں نے کسی کو وچن دیا تھا، پھر باتیں ہوں گی۔'' میں نے ٹالتے ہوئے کہا۔

''تم مجھ سے چھپاتے ہو، میرا جی جلاتے ہو؟'' ڈرائیور بولا۔

''کیا تم خاموش نہیں رہ سکتیں؟'' میں نے غصے سے کہا۔

ڈرائیور خاموش ہو گیا۔ گاڑی ایک کوٹھی میں جا کر ٹھہر گئی۔ یہاں بمبئی کا ایک مشہور ڈاکٹر ایس سکسینہ رہتا تھا۔ یہ ہر طرح سے ایک محفوظ مقام تھا۔ میں نے ناہید کو اتار کر لان میں ایک کرسی پر لٹا دیا۔ گاڑی ہمیں چھوڑ کر روانہ ہو گئی۔ انکا ڈرائیور کو الجھا کر کچھ دیر بعد واپس آ گئی۔ ڈاکٹر اندر مصروف تھا۔ میں نے انکا کو ڈاکٹر کے سر پر بھیج دیا۔ وہ دوڑا دوڑا اندر سے آیا اور ناہید کی حالت دیکھ کر تاسف کرنے لگا۔ ''اندر لے آؤ۔ اندر لے آؤ۔'' اس نے مجھ سے کہا۔

اندر پہنچ کر اس نے ناہید کا طبی معائنہ کیا۔ اس نے کسی فیس کا مطالبہ نہیں کیا اس لئے کہ انکا اس پر مسلط تھی۔ ناہید اس کی غیر معمولی دیکھ بھال سے جلد ہوش میں آ گئی اور سراسیمہ ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس سے تسلی آمیز باتیں کر کے میں باہر آ گیا۔ ڈاکٹر اس کے جسم کے مختلف حصوں کی ڈریسنگ کرتا رہا۔ اس نے اپنی نوجوان لڑکی پریم کا لباس بھی ناہید کو پہنوا دیا۔ جب نرس نے مجھے یہ اطلاع دی کہ میں اندر جا سکتا ہوں تو ناہید کا چہرہ دیکھ کر میرا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا۔ اس کے جسم پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں، وہ پریم کے لباس میں خاصی دلکش نظر آ رہی تھی۔ ناہید کو چلنے پھرنے کی طاقت آنے میں تین چار روز آرام کی ضرورت تھی۔ گوپال داس کے علاوہ اب ایک اور مہان پجاری کا خون میرے ہاتھوں ہو چکا تھا۔ مجھے اپنے لئے کوئی موافق فضا نظر نہیں آئی۔ میرے ہوٹل پر پولیس کا پہرا تھا۔ حالات انتہائی مخدوش صورت اختیار کر گئے تھے۔ بمبئی پولیس پوری طرح حرکت میں تھی۔ میں صحیح حالات کا اندازہ لگانے کے لئے دیر تک غور و فکر کرتا رہا۔ ساری دشواری ناہید کی وجہ سے تھی۔ اگر میں اسے چھوڑ کر انکا کے ساتھ کہیں چل پڑتا تو وہ کسی نہ کسی طرح ناہید کا پتا چلا لیتے اور اس کی زندگی حرام کر دیتے۔

اس وقت یہی صورت مناسب تھی کہ ہمارا قیام ڈاکٹر ہی کے ہاں رہے اور ڈاکٹر کے سر پر انکا سوار رہے۔ میری نظر میں کوئی ایسی پناہ گاہ نہیں تھی جو قریب ترین ہو۔ میسور، بمبئی سے خاصا دور تھا۔ صرف ایک پناہ گاہ تھی، کلدیپ کا استھان لیکن کلدیپ کے استھان پر جانے سے پہلے ناہید کو اس کے والدین کے پاس پہنچانا چاہتا تھا۔ ناہید ایک ستم رسیدہ لڑکی تھی۔ وہ اپنے حسن اور شباب کے جوش میں آ کر حیدر آباد دکن کے ایک ہندو لڑکے سے دل لگا بیٹھی تھی۔ وہ اسے اغوا کر کے بمبئی میں لے آیا اور بمبئی میں کچھ دنوں اس کے ساتھ رنگ رلیاں منا کر بھاگ گیا۔ غیرت مند ناہید نے گھر واپس جانے کے بجائے

خود کو حالات کے سپرد کر دیا۔ لوگ اسے دھوکے دیتے رہے اور وہ تنہا اپنی قسمت سے لڑتی رہی۔ آخر گردشوں نے اسے مختلف لوگوں کی آغوش میں لا ڈالا اور یہی اس کا پیشہ بن گیا۔ بمبئی کے فیشن ایبل علاقے میں اس کا خوب صورت فلیٹ تھا۔ وہاں بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں کے ہاں وہ جاتی تھی۔ وہ اپنی اس زندگی سے ناخوش تھی۔ اس نے میرے ساتھ احسان کیا اور میں اس احسان کا بدلہ اس طرح چکانا چاہتا تھا کہ اسے اس کے والدین کے پاس پہنچا دوں کیونکہ وہی ایک جگہ اس کے لئے محفوظ رہنے کی تھی۔ انکا ڈاکٹر کے پاس تھی۔ میں ڈاکٹر کو اپنے ساتھ لان میں لے آیا۔ پھر میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر کا ذہن معطل کر دے۔ اس کے بعد میں نے اس سے ناہید کے بارے میں مشورہ کیا۔ انکا بھی باہر کے حالات سے باخبر تھی۔ میں نے آتے ہی ڈاکٹر کا مکان ایک حصار میں لے لیا تھا۔ ہم یہاں بہت حد تک اپنے دشمنوں کی نگاہ سے بچے ہوئے تھے انکا نے ناہید کے سلسلے میں میرے مشورے کی تائید کی۔ باہر نکلنے میں اسی کشت و خون کا ڈر تھا۔ وہی گرفتاری، وہی رہائی، وہی منتر اور وہی ماورائی طاقتیں۔ مجھے اب ان باتوں سے کوئی رغبت نہیں رہی تھی۔ میں کسی کو مارنا اور نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ میری پہلو تہی کی یہی وجہ تھی۔ بہت سے بے گناہ انسانوں کا خون ہو چکا تھا۔ ان پنڈتوں، پجاریوں کے سر پر خون سوار تھا۔ وہ اپنا ہوش کھو بیٹھے تھے۔ ہر جگہ ایک مورچا تھا، ہر سمت ایک معرکہ میرا منتظر تھا۔ میرے لئے انہیں زچ کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر بات کا جواب دینے میں زمین سرخ ہوتی تھی اور مجھے اذیتوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ میرا دل لوگوں کے ساتھ بھلائی کا خواہاں تھا۔ میں ایک بدلا ہوا آدمی تھا۔ ناہید ایک عام لڑکی تھی۔ ایسی بہت سی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں اور چلی گئیں لیکن اب میرے ضمیر سے دھند چھٹ چکی تھی اور مجھے بہت سی چیزیں صاف نظر آنے لگی تھیں۔

میں نے ڈاکٹر کے ہاں قیام کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر نے مجھے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا۔ ایک رات گزر گئی۔ صبح ہم نے ساتھ ناشتا کیا۔ ڈاکٹر کی نوجوان لڑکی پریم بھی وہاں موجود تھی۔ پریم ایک دبلی پتلی، تیکھی سی لڑکی تھی۔ اس کے نقش و نگار بہت جاذب نظر تھے۔ اس کا قد کسی قدر لانبا تھا۔ وہ کالج میں پڑھ رہی تھی۔ اچھی دلچسپ باتیں کرتی تھی۔ آسودہ حالی نے اس کی جاذبیت کچھ اور بڑھا دی تھی۔ سانولی سی، بہت خوش رنگ، خوش طبع لڑکی تھی۔ آنکھوں سے شوخی اور شرارت مترشح تھی۔ شرماتی اور مسکراتی تھی تو بائیں رخسار میں گڑھا سا پڑ جاتا تھا۔ کم عمر لیکن بہت ذہین معلوم ہوتی تھی۔ ڈاکٹر اس سے بہت حد محبت کرتا تھا۔ پریم کی تیزی و طراری اور اس کا وقار دیکھ کر مجھے پونا کلب میں ملنے والی کلدیپ یاد آ گئی جو اب جوگن بن گئی تھی۔ لارڈ اسمتھ رالف کی بیٹی سارا کا نقشہ میرے ذہن میں گھوم گیا۔ مجھے اپنی جینی یاد آ گئی۔ جو یقیناً میری یاد میں رو رہی ہوگی۔

ڈاکٹر کی بڑی کوٹھی میں چند دن سکون سے گزارنے کے لئے گھر میں رہنے والے ملازمین سے اپنا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

چہرہ دور رکھنا ہی مناسب تھا، مجھے معلوم تھا کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں ایک بے ضرر شخص کی تلاش تھی۔ وہ اب مجھ سے خاصے خوف زدہ بھی تھے کیونکہ میرے ریکارڈ میں خون ریزیوں کے ساتھ ساتھ میری غیر معمولی شخصیت کا ذکر کیا گیا تھا۔ بمبئی میں بہت پہلے نرگس کے زمانے میں مجھ پر مقدمہ چلا تھا اور یہاں کی پولیس ذہن پر ذرا بھی زور ڈالتی تو قتل کے کئی مقدموں میں مشتبہ جمیل احمد خان کے بارے میں اور متشدد ہو جاتی۔ اب ڈاکٹر کی خوش نما کوٹھی میرے لئے ڈھال تھی۔ میں نے اسے محصور کر دیا تھا۔ اس کے باوجود مجھے باہر کی طرف نظریں کھلی رکھنی چاہئے تھیں۔ رات کو انکا ڈاکٹر کو سلا کر میرے پاس آئی تو اس نے اپنے مخصوص انداز میں سرگوشی کی۔ ”جمیل! ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟“

”کہو“ میں نے تنک کر کہا۔ ”پریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کتنے دن مجھے یہ تماشا دیکھے ہوئے ہو گئے، کہو تو تمہارے پاس لے آؤں، لطف رہے گا۔“

”انکا!“ میں نے اسے جھڑک دیا۔ ”تم مجھے مسلسل غلط سمجھ رہی ہو۔ آئندہ میں اس قسم کی باتوں پر تمہیں معاف نہیں کروں گا۔“ انکا پھر میرے پاس نہیں ٹھہری، دوبارہ ڈاکٹر کے پاس واپس چلی گئی۔ ناشتے کے دوران میں، پریم سے گفتگو کر کے مجھے اس کی دلچسپ شخصیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ میں نے اسے کالج جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آنے کی دعوت دی۔ وہ جھجکتی جھجکی میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے خود کو اس پر منکشف کرنا شروع کر دیا۔ بہت دنوں بعد میں نے کسی قدر مختلف گفتگو کی۔ ایسی لڑکیوں کے لئے اس زمانے میں مغرب کا ذکر بہت پُر اسرار معلوم ہوتا تھا۔ میں اسے لندن، برلن اور تہران میں اپنے قیام کے تاثرات بتاتا رہا۔ ڈاکٹر کی لڑکی میرے پاس تھی اور ڈاکٹر انکا کے زیر اثر تھا۔ وہ تن دہی سے ناہید کا علاج کر رہا تھا اور میں پریم کے دلکش چہرے میں کھویا ہوا تھا۔ پریم ایک ایسی لڑکی تھی جسے ستانے اور دکھ دینے میں لطف آتا تھا مگر میرے ان جملوں کا یہ مطلب نہیں کہ میرا نفس مجھے آوارگی کی طرف مائل کر رہا تھا۔ نندا کی تربیت اتنی خام نہیں تھی کہ خواہشیں آسانی سے مجھ پر غالب آ جاتیں۔ اس نے میرے آوارہ سرشت نفس کی باقاعدہ تربیت کی تھی۔ اگرچہ پریم کو مائل بہ التفات کرنے میں صرف ارادے کی دیر تھی لیکن میں محتاط و معتدل تھا۔ انکا نے پریم جیسی نہ جانے کتنی لڑکیاں میرے حق میں ہموار کر لی تھیں۔ میں یہاں یہ ذکر کروں گا تو کوئی نئی بات نہیں ہوگی۔ پریم میرے انکشاف پر دنگ رہ گئی اور جب بتدریج میں نے اس کے سامنے اس کا ماضی و حال کھولا تو وہ مجھ سے اس حد تک متاثر ہو گئی کہ اس کا زیادہ وقت میرے کمرے ہی میں گزرنے لگا۔ گوپال داس اور جگدیش کے واقعات کے بعد ان چار دنوں میں، میں بالکل محفوظ رہا۔ جس شخص کو کریدیے وہ فکر و آلام، جذبہ خواہش کی تہوں میں لپٹا نظر آئے گا۔ پریم...... ایک پارسی لڑکے سے متاثر تھی مگر اس کا ہندو باپ ان کی وابستگی میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ میری شخصیت کا اثر اتنی جلد مرتب ہوا تھا کہ پریم نے مجھ سے اس معاملے میں مدد

Downloaded from Paksociety.com

کی درخواست کی۔ میں چاہتا تو اسی دن پریم کو آسودہ کر دیتا اس لئے کہ پریم نے میزبانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی مگر میں اس واقعے میں الجھتا تو میرے لئے مشکلیں بڑھ جاتیں۔ میں نے اس خوب صورت، معصوم اور شریر لڑکی سے وعدہ کیا کہ جب دوبارہ واپس آؤں گا تو اس کی آرزو پوری ہو جائے گی۔

شہر میں ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ گوپال داس اور جگدیش کا کریا کرم ہو چکا تھا۔ پولیس نے فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے یہ خبر طشت از بام نہیں ہونے دی تھی کہ ان کے قتل کا سبب میں تھا، میں جس کا نام مسلمان طرز کا تھا۔ میں نے اپنے نام کی بڑی سزا پائی تھی۔ انہوں نے خود ہی مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ میں ان سے ایک مختلف شخص ہوں۔ میں مسلمان اس لئے ہوں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہوں، اس لئے کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ نام سے کتنا بڑا فرق پڑتا ہے۔ نام بدل لیجئے، آپ پر اٹھنے والی نظریں بدل جائیں گی۔ وہ ایک ایسے شخص پر جو اقدار و روایات سے منحرف ہو گیا تھا، بار بار ایک خاص نام، خاص مسلک سے وابستہ کر کے اس کے جذبہ عصبیت کو ہوا دے رہے تھے۔ نندا نے بھی مجھ سے پنڈتوں، پجاریوں کے متعلق بڑی زہریلی باتیں کہی تھیں، چنانچہ یہ بات مشہور ہونے میں دیر نہیں لگی کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو کو قتل کر دیا بلکہ دو ہندوؤں کو حالانکہ نہ وہ ہندو تھے نہ میں مسلمان۔ اگر وہ سچے ہندو ہوتے تو دھرم کا پالن کر رہے ہوتے اور ان کا ٹھکانا، بھگوان کی مورتی کے چرنوں میں ہوتا اور وہ اپنے دھرم والوں کی سیوا کرتے۔ وہ بھی بھٹک گئے تھے، میں بھی بھٹکا ہوا تھا۔ یہ لڑائی دو افراد کی لڑائی تھی جو بد قسمتی سے دو علیحدہ علیحدہ مذہبوں سے تعلق رکھتے تھے لیکن اگر اسے فرقہ وارانہ رنگ دے دیا جاتا تو محلوں میں آگ برسنے لگتی اور بستیاں خون میں نہا جاتیں۔ کتنے ہندو، کتنے ہندوؤں کو مار دیتے، کتنے مسلمان، کتنے مسلمانوں کا خون پی جاتے ہیں مگر جب کوئی ان میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتا ہے تو یہ انفرادی کشمکش کتنی بڑی تباہیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔

سو میرے دل میں رفتہ رفتہ یہ احساس جاگزیں ہو رہا تھا کہ میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ یہ ردعمل تھا ان مسلسل سختیوں، دل آزاریوں، اور ہرزہ سرائیوں کا جو مجھے میرے نام کی ساخت کے عوض ملی تھیں۔ میں کبھی کبھی تنہائی میں اس ضمن میں سوچنے لگتا تھا لیکن میرے معمولات وہی تھے۔ وہی آلتی پالتی مار کر مراقبے میں ڈوب جانا اور گھنٹوں ارتکاز میں مصروف رہنا۔ پریم میری یہ مصروفیت حیرت سے دیکھتی تھی اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی تھی۔ ناہید ان چار راتوں میں تندرست ہو گئی تھی اور اب میں نے ارادہ بدل دیا تھا۔ اب میں حیدر آباد جانے کے بجائے کلدیپ کے استھان جانا چاہتا تھا۔ حیدر آباد کے سفر میں مجھے سازگار حالات کا یقین نہیں تھا۔ ہاں کلدیپ کے استھان پر عافیت تھی۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ میں اپنے تمام بکھیڑے سمیٹنے کا خواہش مند تھا اور تزئین کی شادی کر کے گوشہ گمنامی میں جانے کا خواہاں تھا۔ زندگی کی ہوس باقی نہیں رہی تھی۔ زندگی کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا۔ ہر بات

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کا حاصل یہ تھا کہ جتنا زندگی کے پیچھے بھاگو گے، پاؤں اتنے زخمی ہو جائیں گے۔ حیدر آباد کے سفر میں پیش آنے والے ممکنہ اور متوقع حادثات سے بچنے کے لئے میں نے ناہید کو بھی ساتھ لے کے کلد یپ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مجھے امید تھی کہ ایک دن مطلع صاف ہوگا اور زمین میرے لئے مخاصمت و تنگ دلی کا رویہ ترک کر دے گی۔ میں بھی عام لوگوں کی طرح سکون سے رہوں گا۔ بدری نرائن بھی تھک جائے گا اور میرے خلاف ہندوستان کے پنڈتوں اور پجاریوں کا جوش سرد پڑ جائے گا۔ زندگی ضرور معمول پر آئے گی۔

پانچویں دن رات کو جب باہر نکلنے کے آثار ہمارے حق میں تھے، میں ناہید کو لے کر پریم کے گھر سے رخصت ہوا۔ انکا نے ڈاکٹر کو خواب آور گولیاں کھلا کر سلا دیا تھا اور میرے سر پر واپس آئی تھی تا کہ سڑک پر کسی ہنگامی صورت میں میری مدد کر سکے۔ پریم جیسی پیاری لڑکی نے جو ہم سے بہت مانوس ہو گئی تھی، مجھے مزید قیام کے لئے روکنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کیا مگر ہم اس کے اصرار کے باوجود وہاں سے روانہ ہو گئے۔ رات کے وقت پریم نے اپنی گاڑی میں ہمیں بمبئی سینٹرل اسٹیشن چھوڑ دیا۔ پریم نے میرے لئے کسی دوسرے نام سے ٹکٹ خریدا اور ہم ایک تنہا کمپارٹمنٹ میں آ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی میں حرکت آئی تو پریم مجھ سے بے اختیار گلے لگ گئی۔ میں نے پیار سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وعدہ کیا کہ میں دوبارہ آ کے ضرور اس کے ہاں ٹھہروں گا اور آؤں گا تو اپنے ہاتھ سے اسے دلہن بناؤں گا، میرا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں ایک بے گھر بے امان شخص۔ وہ شگفتہ لڑکی افسردہ چہرے کے ساتھ میری نظروں سے دور ہو گئی۔ میں بہت دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔ لوگ محبت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ لوگ محبت کرنے پر آئیں تو کیسے ٹوٹ کر ملتے ہیں۔ انکا بہت تھکی ہوئی تھی اس لئے پاؤں پسار کر میرے سر پر سوار ہو گی۔ پریم کے گھر سے اسٹیشن تک انکا اور میں نے دفاع اور تحفظ کی خاطر اپنا ذہن کسی اور خیال سے آلودہ نہیں کیا تھا۔ ہماری آنکھیں دور تک دیکھتی رہی تھیں۔ ناہید کی بھی آنکھ لگ گئی۔ میرا سارا سامان بمبئی کے ہوٹل میں رہ گیا تھا۔ ناہید کے لئے پریم نے اسے بہت سے کپڑے دے دیئے تھے۔ ناہید سو گئی۔ انکا بھی سو گئی لیکن مجھے نیند نہیں آئی تو میں نے زمین پر چادر بچھا کر روحانی مشقیں شروع کر دیں، میں یہ سفر ہر حال میں خیریت سے گزارنا چاہتا تھا۔ میں نے ساری رات مراقبے میں گزار دی۔ صبح ناہید نے مجھے اس عالم میں دیکھا تو اس کے چہرے پر تشویش سی ابھری۔ میں بالکل ساکت ایک طرف نگاہیں جمائے بیٹھا تھا۔ میں ریت کا کوئی تودہ تھا۔ میں دھات کا بنا ہوا انسان تھا جو نہ ہلتا تھا نہ کسی طرف دیکھتا تھا۔ انکا بھی جاگ گئی۔ میسور قریب آ رہا تھا۔ انکا کے ٹوکنے پر میں نے مراقبہ ختم کر دیا۔ انکا نے صبح ہی صبح مجھے ایک وحشت ناک خبر سنائی کہ میسور میں پریتم لال کا استھان اب کئی پنڈتوں، پجاریوں نے گھیر لیا ہے۔ کلد یپ ابھی تک اپنے طویل جاپ میں مگن ہے اور ہمارا وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

Downloaded from Paksociety.com

"کتنے پجاری ہیں؟" میں نے انکا سے پوچھا۔

"ایک دو نہیں، کوئی بیس پجاری ہیں۔ وہ چاروں طرف سے پریتم لال کا استھان گھیرے ہوئے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ ایک نہ ایک دن تم یہاں ضرور آؤ گے یا کلد یپ نیچے اترے گی۔ ان میں بڑے بڑے بلوان، شکتی پورو ک پجاری بھی شامل ہیں۔"

"اوہ!" میں نے شدت کرب سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ "کیا وہ نہیں جانتے کہ اب میں ایک بدلا ہوا شخص ہوں؟ کیا انہوں نے اپنے دوسرے ساتھی پنڈتوں کے حشر سے کوئی سبق نہیں سیکھا؟" میں نے انکا سے جھلا کر کہا۔ "وہ مجھے اس راستے کی طرف گھسیٹ رہے ہیں جہاں میں جانا نہیں چاہتا۔" یہ باتیں میں انکا سے پوچھ رہا تھا جب کہ ان کے تمام جوابات خود میرے پاس موجود تھے۔ میں اپنے ارتکاز میں اتنا محو تھا کہ میں نے پریتم لال کے استھان پر ہونے والی سازشوں کے بارے میں غور ہی نہیں کیا۔ میں دیکھ رہا تھا، اور میری باطنی قوتوں کے سامنے تمام باتیں آئینہ دار تھیں۔ وہ چاروں طرف دھونی رمائے مست الست بیٹھے تھے۔ پہاڑی کے اوپر جانے کے لئے مجھے ان سے گزر کر جانا پڑتا اور نبرد آزما ہونا پڑتا۔ ایک جمیل احمد خان کے لئے بیس پنڈتوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ لوگ پاگل ہو گئے تھے۔ "ہم کسی اگلے اسٹیشن پر اتر جائیں گے۔" میں نے انکا سے کہا۔

"پھر کہاں جائیں گے اور کب تک مارے مارے پھریں گے؟ ہندوستان میں کون سی جگہ ان سے محفوظ ہے؟" انکا نے طنزاً پوچھا۔

"ہم کسی طور ناہید کو اس کے گھر پہنچا کر کسی جگہ محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ اس وقت تک تو کلد یپ بھی جاپ ختم کر لے گی۔ پھر اگر میرا اس سے کوئی رابطہ قائم ہو گیا تو ہم دونوں مل کر کوئی فیصلہ کریں گے۔ ہمیں اب ان ہنگاموں میں زیادہ نہیں الجھنا چاہئے۔"

"جمیل! میرا خیال ہے کہ ہمیں ایک بار ضرور انہیں کوئی بڑا سبق دینا پڑے گا۔" انکا نے غصے سے کہا۔

"انکا!" "تم اب بچوں کی سی باتیں کرنے لگی ہو؟" میں نے اسے پھٹکارا۔

"ہاں، جب سے تم تبت سے لوٹے ہو، تمہاری نظر میں میری حیثیت گر گئی ہے۔" انکا نے روٹھ کر کہا۔ "اب میرا کام بہت مختصر ہو گیا ہے۔ تمہارے لئے گاڑی فراہم کرنا اور تمہاری مدد کے لئے ملازم مہیا کرنا۔"

"تم عورتوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ اگر تم مجھ سے گھبرا گئی ہو تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم میرے سر سے چلی جاؤ۔"

"جمیل!" انکا ہنس کر بولی۔ "کیا تم واقعی اتنے [illegible] ہو گئے ہو؟"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"انکا! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ اب مجھے دنیا کے لہو ولعب، خون اور انتقام میں مزہ نہیں آتا۔ اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو سمجھ لو کہ تمہیں ایک بہت گوشہ نشین شخص کے ساتھ رہنا ہے۔ سمجھیں، میں کیا کہہ رہا ہوں؟" میں نے زور دے کر کہا۔

"میں بے وفا نہیں ہوں۔ میں ہر حال میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بشرطیکہ تمہارا کوئی دشمن میرے حصول کے جاپ میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بے نیازی سے کہا۔ "اسٹیشن آ رہا ہے۔ ہمیں یہاں اترنا ہے۔ تم ڈرائیور کے سر پر جا کر اسٹیشن پر گاڑی رکوا دو۔ ہم یہیں اتر جائیں گے۔"

ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر خلاف معمول گاڑی رک گئی۔ ہمارے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے ہمیں اترنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اسٹیشن سے ہم قصبے چلے گئے۔ سات بجے سکندر آباد کے لئے گاڑی روانہ ہوتی تھی۔ یہی وقت ہماری روانگی کے لئے موزوں تھا۔ اس عرصے میں ناہید نے مجھ سے بہت کم بات کی تھی۔ وہ اپنے گھر جاتے ہوئے ڈرتی تھی لیکن میری مرضی کے آگے ہتھیار ڈال دئے تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے اور میں اسے اس کے والدین کے ساتھ خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہوں۔ قصبے میں ایک اکتا دینے والا دن گزار کر ہم رات آٹھ بجے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کاچی گوڑا اسٹیشن پر اتر کر جب نظام حیدر آباد میں داخل ہوئے تو مجھے ترکی کے سلاطین کا دور یاد آ گیا۔ ترکی ٹوپیاں، شیروانیاں، قدیم وجدید عمارتیں، پردہ نشین خواتین، جگہ جگہ محرابیں، مسجدیں اور اردو میں لکھے ہوئے بڑے بڑے بورڈ۔ میں ایک اچھے سے ہوٹل میں ناہید کے ساتھ ٹھہر گیا اور اس سے پتا لے کر اس کے والدین کی گھر پر پہنچا۔ انکا کو میں نے ناہید کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ رکن الدین نام کا کوئی شخص اس محلے میں نہیں رہتا تھا جس کا پتا مجھے ناہید نے بتایا تھا۔ کافی تلاش کے بعد پتا چلا کہ عرصہ ہوا رکن الدین نے یہ محلہ اور غالباً یہ شہر چھوڑ دیا ہے چونکہ اس کی لڑکی جمیلہ بھاگ گئی تھی۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میں نے حیدر آباد میں آ کر غلطی کی ہے۔ اگر میں پہلے ہی غور کر لیتا تو مجھے آسانی سے ناہید کے والدین کا پتا معلوم ہو جاتا۔ وہ گلبرگہ میں تھے۔ گلبرگہ بھی ریاست حیدر آباد کا ایک شہر تھا۔ حیدر آباد میں صرف چند گھنٹے قیام کرنے کے بعد ہم گلبرگہ روانہ ہو گئے۔ اس بار مجھے ناہید کے والد کا پتا تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ رکن الدین ایک خاصی بڑی حویلی میں رہتا تھا۔ رات کو دس بجے میں نے ڈیوڑھی میں جا کر ملازم سے کہا کہ مجھے رکن الدین صاحب سے ملنا ہے۔ مجھے انتظار کی زیادہ زحمت نہ اٹھانا پڑی۔ ایک دراز قد شخص حویلی کے اندر سے برآمد ہوا جس کے گندمی چہرے پر الجھنیں چھائی ہوئی تھیں۔ "فرمائیے! میں رکن الدین ہوں۔" اس نے مہذب انداز میں کہا۔

"میرا نام؟" میں سوچنے لگا کہ کیا مجھے اپنا صحیح نام بتانا چاہئے؟ لیکن ناہید (جسے اب جمیلہ کہنا

چاہئے) میرا نام جانتی تھی۔ اس لئے میں نے کہا۔ "میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں آپ کی تلاش میں حیدر آباد گیا تھا، اب گلبرگہ آیا ہوں۔"

"ہاں پہلے میں حیدر آباد میں رہا کرتا تھا۔" اس نے افسردگی سے کہا۔ "فرمائیے کیسے زحمت کی؟ آئیے اندر تشریف لائیے۔"

دیوان خانے میں بیٹھ کر میں نے گردن جھکا کر کہا۔ "میں آپ کی لڑکی جمیلہ کے بارے میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا، کیا؟" وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "ازراہ کرم جو کچھ کہنا ہے جلدی کہئے، جمیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بخیریت ہے اور میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جیسا ذی حشم نواب اپنی بیٹی کی خطائیں معاف کرنے کے لئے تیار ہے یا نہیں؟"

"وہ کہاں ہے؟" وہ بے تاب ہو کر بولا۔ "اسے دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس گئی ہیں، اس نے مجھے بڑے دکھ دئے ہیں۔ میں اسے گلے لگانے کے لئے بے قرار ہوں۔"

"مگر...... مگر......" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

رکن الدین جلدی سے بولا۔ "کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ میں نے اسے معاف کیا، میرے خدا نے معاف کیا۔ بچے غلطیاں کرتے ہیں۔ اس نے مجھے شرمسار کیا لیکن وہ میری بچی ہے۔ میں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا لیکن اس کی قسمت میں ٹھوکریں لکھی تھیں۔"

"آپ بہت اچھے بزرگ ہیں لیکن جمیلہ کو آپ کے حوالے کرنے سے پہلے میں چند باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ کہیں آپ پدرانہ جوش میں تو اتنی شفقت اور محبت کا اظہار نہیں کر رہے ہیں؟ جمیلہ آپ کے ہاں رہے گی تو اسی عزت واحترام سے رہے گی جس طرح ایک لڑکی اپنے باپ کے ہاں رہتی ہے۔"

"ہمارے غصے سرد ہو گئے ہیں، میں نے حیدر آباد اسی لئے چھوڑ دیا تھا کہ رسوائیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھیں۔"

"سنئے۔ اس نے آپ سے جدا ہو کر اپنی زندگی کے بدترین دن گزارے ہیں۔ وہ بگڑ جاتی مگر مجھ سے ملاقات ہو گئی اور میں نے یہی طے کیا کہ مجھے اس بھٹکی ہوئی لڑکی کو اس کے والدین کے پاس پہنچا دینا چاہئے۔ اگر آپ اب بھی تیار نہیں ہیں تو میں اسے زندگی بھر اپنے ساتھ رکھوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے نادم کر رہے ہیں۔" رکن الدین نے سنجیدگی سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"جائیے آپ بیگم صاحبہ کو خبر کیجئے کہ وہ اس کے استقبال کی تیاری کریں۔ وہ آنے والی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی بات سچ ہو گئی۔" رکن الدین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کس کی بات؟"

"وہ ایک مجذوب کامل ہے۔ کل وہ کہہ گیا تھا کہ بستر صاف رکھ، اپنے آنسو پونچھ۔ اب وہ آ رہی ہے۔ میری بیگم پوچھتی ہی رہ گئیں لیکن اس نے آگے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک نعرہ مستانہ کے ساتھ ہجوم میں گم ہو گیا۔"

"کون تھا وہ؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ سفر میں میری تمام تر کوشش یہی رہی تھی کہ میں جمیلہ اور اپنے سفر کو پنڈتوں، پجاریوں سے اوجھل رکھوں اسی لئے میں ہمیشہ مراقبے میں غرق رہتا تھا۔

"وہ ایک مجذوب ہے۔ ہم تو اسے یوں ہی فقیر سمجھتے تھے لیکن وہ تو ایک مرد کامل نکلا۔" وہ خوشی سے سرشار تھا۔ وہ مجھ سے معذرت کر کے زنان خانے میں جمیلہ کے آنے کی خبر سنانے چلا گیا۔ میں نے انکا سے روحانی رابطہ قائم کیا اور اسے جمیلہ کو لے کر حویلی میں آنے کی ہدایت کی۔ پھر میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ مجھے ایک عجیب قلبی فرحت سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں اس دل خوش کن ڈرامے کے ڈراپ سین کا منتظر تھا کہ جمیلہ یہاں آئے اور میرے سامنے اس کا باپ اسے سینے سے لگائے۔ بیگم رکن الدین اور جمیلہ کی چھوٹی بہن طلعت نے پردے تک کا خیال نہیں کیا۔ وہ دیوان خانے میں بوکھلائی ہوئی داخل ہوئیں۔ "کہاں ہے میری بچی؟" ماں تڑپ کر بولی۔

"وہ آ رہی ہے۔ راستے میں ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا وہ تنہا آ رہی ہے؟" ماں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ مگر وہ راستے سے واقف ہے۔" مجھے ان کے اضطراب سے خوشی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد رکن الدین نے خواتین سے میرا تعارف کرایا۔ بیگم کو اس پر بڑی ندامت ہوئی کہ وہ سلام کئے بغیر اندر داخل ہو گئیں۔ یہ بہت اچھا خاندان معلوم ہوتا تھا۔ جب جمیلہ حویلی میں داخل ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔ "آئیے باہر ڈیوڑھی میں اس کا انتظار کرتے ہیں۔"

ہم اب ایک اضطراب، ایک تجسس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ چند لمحوں بعد جمیلہ کی ماں کی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے جمیلہ کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جمیلہ خود بھی حیران تھی کہ وہ یہاں کیسے پہنچ گئی لیکن مجھے وہاں دیکھ کر اسے اطمینان ہو گیا۔ میرے بارے میں وہ بہت کچھ سمجھ چکی تھی۔ میں خاموش کھڑا یہ خوب صورت منظر دیکھتا رہا۔ برسوں کے بعد بچھڑے ہوئے مل رہے تھے۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ جمیلہ زار و قطار رو رہی تھی۔ انکا نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ انکا اب میرے سر پر کھڑی یہ روح پرور

تماشا دیکھ رہی تھی۔ ایک عجیب چیخ و پکار جاری تھی۔ مجھے کچھ تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ سب لوگ میری طرف سے غافل ہو گئے تھے لیکن جمیلہ اپنے والدین اور بہن کو چھوڑ کر میرے پاس آئی۔ وہ میرے سینے سے لگ گئی۔ اس نے اپنے والد سے کہا۔ "ابا جان! یہ میرے محسن ہیں۔ آپ انہیں روکئے کہ یہ ہمارے ساتھ قیام کریں۔"

"ہاں ہاں بیٹا جمیل صاحب ہمارے مہمان ہیں۔ میں انہیں جانے نہیں دوں گا۔ آہ، یہ دنیا شریف لوگوں کے ہی دم سے قائم ہے۔" رکن الدین نے مجھے اور جمیلہ کو ایک ساتھ گلے سے لپٹا لیا۔

بیگم رکن الدین نے آگے آ کر کہا۔ "بھائی صاحب! آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔ یہ آپ کا گھر ہے۔ آئے اندر تشریف لائیے، نہائیے، دھوئیے۔ آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔" جمیلہ نے کہا۔ "میں آپ کو بتاؤں گی کہ ہم لوگ کن دشواریوں کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" رکن الدین نے کہا۔ پھر وہ میری کمر میں ہاتھ ڈالے مجھے اندر لے گیا۔ جمیلہ کیا آئی تھی۔ زنان خانے میں بہار آ گئی تھی۔ ایک لڑکی جو بمبئی کے اوباشوں کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی، بہت ستم اٹھا کر اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین کی حویلی کے ایک آراستہ کمرے میں مجھے ٹھہرا دیا گیا۔ انکا بطور خاص ان امور کا نظارہ کر رہی تھی، وہ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی اتر گئی کہ "میں زنان خانے کی خوشیاں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

میں آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مجھے نیند آ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انکا کب میرے سر پر واپس آئی۔ صبح جمیلہ اور طلعت نے مجھے جگایا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ناشتے کے لئے لے گئیں۔ میری خاطر مدارت میں رکن الدین کے علاوہ ان کی بیگم اور طلعت بچھی بچھی جاتی تھی۔ انہیں جمیلہ نے میری غیر معمولی قوتوں کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا تھا۔

دوپہر کو حویلی میں فقیروں، یتیموں کو کھانا کھلایا گیا۔ میں بھی اس دعوت میں شریک تھا، اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی، کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ حیران و پریشان حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے پاس ایک لاٹھی تھی اور اس کے چہرے پر ایک عجیب جلال تھا۔ اسے آتا دیکھ کر رکن الدین اس کی طرف لپکا اور بے تابانہ اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ "سیّد جی! آپ کا ارشاد صحیح نکلا، وہ آ گئی ہے۔"

سیّد مجذوب نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ وہ ہانپتا کانپتا سیدھا میری طرف آیا۔ اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے ٹکرائیں تو میں نے ان میں ایک گہرائی دیکھی۔ میں [illegible] کہ اس کا درجہ کیا ہے۔ وہ مجھے چند لمحوں تک غور سے دیکھتا رہا۔ میں نے اپنی آنکھیں نہیں [illegible]۔ رکن الدین سید [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

اس جلالی کیفیت پر کھڑا لرز رہا تھا۔ سید نے دفعتاً ہو حق کا ایک فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ وہ لاٹھی مار کر مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔“

”پیر و مرشد! ہر طرف دھند چھائی ہوئی ہے۔“ میرے منہ سے اختیار نکل گیا۔ انکا میرے سر پہ کسمسانے لگی۔

اس نے ایک قہقہہ لگایا، ایک بہت غضب ناک قہقہہ، وہ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ ”دھند۔ گھنگھور گھٹا، کالی بدلیاں، آندھی، طوفان......“

”کیا مجھے یہ لاٹھی عطا کر سکتے ہو؟“ میں نے کہا۔ اس نے لاٹھی اپنے سینے سے چپکالی، جیسے میں اس سے چھین رہا ہوں پھر وہ میرے سر کی طرف دیکھنے لگا۔ انکا مضطرب انداز میں پہلو بدلنے لگی اور میرے سر سے اتر گئی۔

”چلی گئی، چلی گئی۔ بھاگ گئی۔“ وہ اپنے پیلے دانت نکالتے ہوئے بولا۔

”اس نے آپ کا احترام کیا ہے۔“ میں نے برجستہ کہا۔

”ہونہہ۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔ ”کمر سیدھی کر اور زلفیں بڑھا لے۔“

”میرے ساتھ چلئے میں زلفیں بڑھا لوں گا۔“

”شرط رکھتا ہے۔ سودا کرتا ہے۔ جواری!“ وہ بگڑ کر بولا اور واپس جانے لگا۔ رکن الدین نے اسے بہت روکا۔ میں نے بھی اس سے کہا لیکن اس نے ایک بھی نہ سنی۔ نہ کچھ کھایا، نہ پیا، مستانہ نعرے لگاتا اور لاٹھی پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ رکن الدین نے مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ سید کے مبہم جملوں کا کیا مطلب تھا؟ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ انکا واپس آ گئی تھی۔ رکن الدین نے میری خاموشی دیکھ کر مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور دعوت کے اہتمام میں مصروف ہو گیا۔ میں سڑک پر گیا۔ میری نظریں اسے تلاش کرتی رہیں لیکن وہ قریب و دور کہیں موجود نہیں تھا۔ پھر میں دعوت میں نہیں ٹھہرا بلکہ اپنے کمرے میں لیٹ کر سوچتا رہا...... سوچتا رہا۔

سید میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا گیا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی آگ میں جل رہا ہوں۔ مجھے تیز بخار ہے، اپنی تمام تر طاقتوں کے باوجود میں نے اپنی اس کیفیت کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ میری خواہش تھی کی میری زبان کو لقوہ مار جائے، مجھ پر فالج گر جائے اور میرے جسم پر پھوڑے پڑ جائیں۔ مجھے کوئی شدید ضربیں پہنچائے۔ میں اپنے بال نوچوں اور خود اپنا چہرہ کھسوٹ لوں۔ مجھے کوئی ٹھوکریں مارے اور میرے جسم میں سوئیاں چبھوئے، مجھے اذیت کی طلب بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ایک بار برکاتی شاہ سے میری ملاقات رام پور میں ہوئی تھی۔ وہ بھی سید کی طرح ایک مجذوب تھا لیکن اس وقت میرے دل کے دروازے بند تھے۔ برکاتی شاہ نے مجبور ہو کر مجھے انکا کو حاصل کرنے کا

وظیفہ بتایا تھا۔ برکاتی شاہ کا پتا بدری نرائن نے دیا تھا۔ اس وظیفے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے انکا مل گئی۔ اس واقعے کو عرصہ ہو گیا۔ آج مجھے برکاتی شاہ یاد آ رہا تھا۔ سید اور اس میں بڑی مماثلت تھی۔ وہ مجھے ڈانٹتا پھٹکارتا تھا لیکن میں نے اس کی یہ بات مسترد کر دی اور انکا کے حصول پر اصرار کرتا رہا۔ گلبرگہ کو ایک اعتبار سے خصوصیت حاصل تھی کہ وہاں حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ کا مزار تھا جہاں فیض کا سلسلہ جاری تھا۔ دور دور سے لوگ حضرت گیسو دراز رحمتہ اللہ کے مزار پر آ کر حاضری دیتے تھے۔ سیدؔ بھی حضرت گیسو دراز کے حلقہ ارادت میں شامل تھا اور اسے اپنی ذات کا اعتماد حاصل تھا۔ سید کی باتیں بڑی معنی خیز تھیں۔ میں ان کا مفہوم سمجھتا اور خود کو سمجھاتا رہا۔

میں رات تک یہی سوچتا رہا۔ اس عرصے میں جمیلہ، طلعت، رکن الدین اور اس کی بیگم میرا حال پوچھنے آئیں لیکن میں نے تنہائی کی درخواست کی اور میں سوچتا رہا۔ انکا نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی، وہ میری کیفیت بہت توجہ اور تشویش سے دیکھ رہی تھی۔ میں سوچ رہا تھا۔ میرے گناہوں کی فہرست طویل ہے۔ نہ جانے کتنے قتل، کتنے جرائم میرے نامہ اعمال میں لکھے ہوئے ہیں۔ حالانکہ میں اپنی غلیظ زندگی ترک کر چکا ہوں مگر ایک عمر مجھے اپنی تطہیر اور غسل پاکی میں صرف کرنی پڑے گی۔ نندا کے استھان پر مجھے مراقبوں اور اذکار کی مشقوں سے سکون آ گیا تھا۔ کاش میں وہیں رہتا اور وہیں پیوند خاک ہو جاتا۔ وہاں میرے ذہن کو ایک سکون نصیب ہو گیا تھا۔ انسانوں کے اس جمگھٹ میں آ کر پھر وہی کشمکش، پھر وہی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی اور سیدؔ نے آ کر میرا سکون غارت کر دیا۔ میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا اور شب کو اپنے بستر سے اٹھا، حویلی کا دروازہ بند کر کے گلبرگہ کی سڑکوں پر آ گیا۔ دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ میں گلی گلی، کوچے کوچے گھومتا رہا۔ چلتے چلتے میں حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر پہنچ گیا جہاں ابھی تک چہل پہل تھی۔ ساری فضا خوشبوؤں سے بسی ہوئی تھی۔ وہاں ملنگ لیٹے ہوئے تھے۔ اندر جانے کی ہمت نہ تھی۔ میں دور ہی سے لوٹ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سیدؔ کو آوازیں دیں۔ ”سیدؔ! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم جہاں کہیں ہو مجھے اپنے بسیرے سے مطلع کرو۔ میں گلبرگہ کی گلیاں تمہاری تلاش میں چھان رہا ہوں۔“

میں اتنی دور چلا گیا کہ آبادی ختم ہو گئی اور ویرانہ شروع ہو گیا لیکن سیدؔ مجھے کہیں نظر نہ آیا، نہ میری طاقتیں اس کا سراغ لگانے میں کامیاب رہیں نہ وہ خود کہیں ظاہر ہوا۔

آبادی سے خاصی دور وحشت و جنون کے عالم میں نکل جانے کے بعد مجھے دور سے ایک ٹمٹماتا ہوا دیا نظر آیا۔ انکا کی آنکھوں میں روشنی سی پیدا ہو گئی اور اس نے مجھے منع کیا کہ میں اب واپس چلوں لیکن میں نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایک مندر ہے جہاں ایک پجاری رات کے اندھیرے میں کسی جاپ میں مصروف ہے۔ میں لاشعوری کیفیت میں اس پجاری کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دیئے کی روشنی میں مجھے اس کی بڑھی ہوئی داڑھی اور نحیف و لاغر جثہ صاف نظر آنے لگا۔

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں سیّد کو بھول گیا اور غور سے پجاری کا انہاک دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ عقب میں مندر تھا۔ یہ جگہ درختوں سے بھری ہوئی تھی۔ پجاری کے سامنے لوبان جل رہا تھا اور وہ ساری دنیا سے بے نیاز نظر آتا تھا۔ یکبارگی جی میں آئی کہ میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔ پنڈت پجاریوں کے لئے میرے اندر کہیں خوابیدہ نفرت عود کر آئی۔ میرے ہاتھ خود بخود حرکت کرنے لگے لیکن میں نے اپنے اس سرکش جذبے پر خود کو لعن طعن کی۔ ”میں پھر نیچ ہوتا جا رہا ہوں۔“ مجھے خود پر جھلاہٹ سی ہونے لگی۔ نندا کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ مجھے محسوس ہوا جیسے شاکیہ منی کا مسکراتا ہوا بت میرے ارد گرد کہیں موجود ہے۔ میں واپس ہونے لگا لیکن ابھی میں دو چار قدم ہی چلا ہوں گا کہ مجھے اپنے پیچھے سے ایک ٹھہری اور تھمی ہوئی آواز سنائی دی جیسے مجھ سے کوئی ٹھہرنے کی درخواست کر رہا ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پجاری کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ ٹھہر گیا اور انکا بھی محتاط ہو کر بیٹھی گئی۔ میں نے اپنے تمام پریشان خیالات سے جلد سے جلد نجات پانے کے لئے ایک لمحاتی مشق کی...... اور جب میں نے اپنے باطن کے دروازے کھولے تو میرے جسم میں برقی رو دوڑنے لگی۔

پجاری نے نزدیک آ کر اپنے ماتھے پر ایک لکیر سی کھینچی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے سوالیہ انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ بولنے سے احتراز کیا۔ اس کے ہونٹ بدبدانے لگے۔ انکا نے میرے سر میں اپنے پنجے گاڑ دئے۔ یہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ہدایت تھی۔ میں اس تنبیہ سے پہلے ہی پوری طرح تیار تھا۔

”میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟“ آخر اس نے سکوت توڑا۔

”میں صاف صاف باتیں کرنے کا عادی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ دیوی کا اپنے سیوک پر احسان ہے کہ اس نے یہ کام مجھے سونپ دیا ہے۔ تم نے یہاں آ کر دیوی کی نظر میں میرا مان بڑھا دیا ہے۔ شاید اسی کام کے لئے اب تک جیوت تھا۔ تم نے جو کھیل کھیلا ہے، میں اسے جانتا ہوں۔ یہ تم نے کیا مذاق لگا رکھا ہے؟ سنا ہے تم نے ہمارے کئی پنڈتوں اور پجاریوں کو پرلوک بھیج دیا ہے؟“

”تو گویا تم بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہو؟“ میں نے تلخی سے جواب دیا۔ ”تم نے سچ سنا ہے مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ جاؤ اپنے جاپ میں مگن ہو جاؤ۔ مجھے تم سے کوئی بیر نہیں ہے۔ ایک بڑے دھرماتما کو پوجا کے سوا کوئی اور بات نہیں سوچنی چاہئے۔“

”پرنتو مجھے تم سے بیر ہے۔ گیسو دراز کے علاقے میں ہم کوئی دخل نہیں دیتے۔ تم خود ہی چل کر میرے پاس آ گئے ہو۔ مجھے اپنی دیوی کو پرسن کرنے کے لئے تمہیں اپنے پاس رکھنا ہوگا۔ اب تم واپس نہیں جا سکتے کیونکہ یہ آنند لال کی کٹیا ہے۔“ اس کی آواز تیز ہو گئی۔ ”اور میرے پیچھے دیوی کی شکتی

ہے۔“

”دیکھو مجھے روکنے کی کوشش بے سود ہوگی۔“ میں نے عزم سے کہا۔ ”تم ایک بڑے عالم ہو مگر شاید تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ جس پنڈت پجاری نے جذبات اور جوش میں آ کر میرے آڑے آنے اور اپنی بساط سے بڑھنے کی کوشش کی اس کا دھرتی پر کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ سیدھا پرلوک سدھار گیا۔ اگر تم نے بھی ایسی کوئی بات سوچ لی ہے تو اس دھرتی پر یہ تمہاری آخری رات ہوگی۔“

”اوہ......“ اس کا سیاہ چہرہ تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ ”وہ اور پجاری ہوں گے۔ میں نے اپنا جیون اسی چھوٹے سے مندر میں گزارا ہے۔ یہ مندر صرف میرے لئے ہے۔ تمہارے سر پر انکا دیوی بیٹھی ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔“ پھر وہ انکا سے کہنے لگا۔ ”انکا دیوی، اب تم اس کے سر سے اتر جاؤ۔ اگر تم نے کوئی روک کی تو کالی تم سے ناراض ہو جائے گی۔ اپنے مالک کو بتا دو کہ آنند لال کالی سے کتنا قریب ہے۔“

”جمیل!“ سہمی ہوئی انکا بولی۔ ”یہ کئی شاستروں کا ماہر اور ہندو دھرم کا بڑا عالم ہے۔ اس کے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو اور پہل کرو۔ ممکن ہے بعد میں تمہارے پاس اس کے منتر کا توڑ نہ رہے۔“

میں نے توقف کیا اور نہایت مہذب انداز میں آنند لال کو بتایا کہ اب تک بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ دے رہا ہے جو دھرم کے نام پر بٹا لگاتے ہیں۔ میں نے اپنے بارے میں مختصراً ساری باتیں بتائیں لیکن وہ میری باتوں سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ اس نے ایک ایک کر کے میرے جرم گنانے شروع کر دئے۔ ہندوستان کے ان پجاریوں نے مجھے گھیرنے کے لئے ایک جال سا بن لیا تھا۔ میں نے آنند لال سے کہا۔ ”تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔ میرے گرو کی آتما دیکھ رہی ہوگی کہ میں نے ہر موقع پر پہلو تہی سے کام لیا لیکن یہ اجتناب میرے کسی کام نہ آیا۔ آنند لال، کیا تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟“

آنند لال میری جرأت پر حیران سا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولا۔ ”یہی پرشن (سوال) میں تم سے کرتا ہوں۔“

”میں صرف اتنی بات کہوں گا کہ تم مجھے جانے دو۔ یہ دیواریں جو تم نے میرے آگے پیچھے کھڑی کر دی ہیں، انہیں مسمار کر دو۔ یہ آگ جو تم نے جلائی ہے، اسے بجھا دو۔“

”تم اب ان دیواروں سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے اور یہ آگ تمہارا شریر بھسم کرنے کے لئے ہے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو تم اس پوتر آگ میں اشنان کرو گے۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"آنندلال!" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "دیکھو، یہ دیواریں گر رہی ہیں۔" میں نے چاروں طرف اپنی انگلی گھمائی پھر میں نے اس پوتر آگ پر تھوک دیا۔ وہ بجھ گئی۔

آنندلال نے پھر وہی وتیرہ اختیار کیا جس کا میں عادی ہو گیا تھا۔ اس نے شدید ترین حملے کئے۔ اس نے کالی کا نام ایک دباؤ اور گرج کے ساتھ لیا اور وحشیانہ انداز میں مندر کی طرف دیکھا۔ وہ وہاں سے آناً فاناً سلگتے ہوئے لوبان کا برتن اٹھالایا اور اس کی راکھ کی ایک چٹکی اس نے میرے جسم پر بکھیر دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ میرا جسم اس سلگتی راکھ سے سیاہ ہو جائے اور اس پر بدنما دھبے پڑ جائیں اور میں تشنج کی کیفیت سے دوچار ہو جاؤں لیکن اسے اپنے منتر میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ راکھ اڑی تو انکا نے ایک زور کی پھونک ماری۔ آنندلال اپنے اس عمل میں ناکام ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا۔ تکرار سے بچنے کے لئے میں نتیجے کی طرف آتا ہوں۔ وہ کبھی ترچھا ہوا کبھی ٹیڑھا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا لیکن میں اس کے سامنے ایک پہاڑ کی طرح کھڑا تھا۔ وہ گیانی دھیانی پجاری اپنے حملوں میں دو وجوہ سے پسپا ہوتا رہا۔ ایک تو انکا میرے سر پر بیٹھی اس کے حملوں کا توڑ کر رہی تھی۔ دوسرے میری ہر مزاحمت کارگر ہو رہی تھی۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے ہاتھ خود بخود کیسے اٹھ رہے ہیں۔ "آنندلال!" میں نے اسے مخاطب کیا۔ "اب میرے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی لیکن چلتے چلتے میں تمہیں ایک نصیحت کئے جاتا ہوں۔ اپنے تمام پنڈتوں کو بتا دینا کہ وہ اس دنگے فساد سے باز آ جائیں۔"

"مہاراج!" آنندلال ایک دم میرے قدموں میں گر پڑا۔ "مہاراج! مجھے شما کر دیجئے۔" وہ عاجزی سے بولا۔ "مجھے بھی اپنے ساتھ لئے چلئے۔ میں آپ جیسے دھرماتما کے ساتھ رہوں گا تو میرے دن پلٹ جائیں گے۔"

"تمہارے علم میں ابھی گند ہے۔ علم تو صاف اور سچا ہوتا ہے آنندلال۔ میں تمہاری آنکھیں اور سانس بند کر سکتا ہوں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ یہ بات یاد رکھنا۔" پھر میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور تیزی کے ساتھ شہر کی طرف چل پڑا۔ آنندلال دور تک میرے ساتھ آیا۔ میرے پیر پکڑتا اور گڑگڑاتا رہا لیکن جب میں شہر کی حدود میں داخل ہوا تو وہ آگے نہ بڑھ سکا۔ آگے حضرت گیسودراز کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

رکن الدین کی حویلی پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دربان جاگ رہا تھا۔ میری آہٹ پر اس نے دروازہ کھول دیا۔ اپنے کمرے میں جا کر میں نے غسل کیا۔ سید سے ملاقات نہ ہونے کا مجھے بڑا دکھ تھا۔ میں نے آنکھیں میچ لیں۔ انکا بھی کسی سوچ میں گم تھی۔ یکایک مجھ پر وحشت طاری ہوئی۔ میں نے اپنے کپڑے اتار دئے اور صرف زیر جامے میں ایک کونے میں بیٹھ کر اپنا ذہن یکسو کیا۔ دو دن مجھے کھائے پئے، ہلے جلے بغیر اسی طرح گزر گئے۔ یقیناً بہت سے لوگ میرے کمرے میں آئے ہوں گے

لیکن شاید وہ میری ہیبت اور میرا انہماک دیکھ کر واپس ہو گئے ہوں گے۔ انکا نے بھی مجھے بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تیسرے روز ایک قلندرانہ نعرہ سن کر میرا انہماک ٹوٹ گیا۔ باہر سے سیّد کی آواز آ رہی تھی۔ میرے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ صرف ایک زیر جامے میں ملبوس تھا مگر میں اسی حال میں حویلی سے باہر بھاگا۔ رکن الدین، جمیلہ اور طلعت تو حویلی ہی میں ٹھہر گئیں لیکن رکن الدین مجھے برابر آوازیں دیتا رہا۔ "تم نے سیّد کو کہیں دیکھا ہے؟ ابھی اس کی آواز آئی تھی۔" میں نے وحشت کے عالم میں رکن الدین سے پوچھا۔

"جمیل صاحب! یہاں تو سیّد آئے ہی نہیں۔ نہ میں نے ان کی لاٹھی کی آواز سنی۔ نہ میں نے ان کا نعرہ سنا۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے خدارا گھر چلئے، کپڑے پہن لیجئے۔ سیّد اسی شہر میں نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کو مل جائیں گے۔" رکن الدین نے میرے کاندھے جھنجھوڑ کر کہا۔

"سیّد کہاں ہیں؟" میں نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان کی تلاش ہے۔ سیّد کہاں ہیں؟" میں نے سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا۔ لوگ حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ "سید، سید۔ میری بات سنو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے آؤ۔" پھر میں ہذیان بکتا ہوا گلیوں میں بھاگ رہا تھا کہ مجھے دو تین آدمیوں نے پکڑ لیا۔ وہ پولیس کی وردی میں ملبوس تھے۔ میں نڈھال ہو کر ایک سپاہی کے کاندھے پر جھک گیا۔ "سیّد کہاں ہیں؟" میں نے پاگلوں کی طرح پوچھا۔

"کون سیّد؟" ایک سپاہی نے میرے جسم پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

رکن الدین جو میرے پیچھے پیچھے بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تھا، ہانپتے ہوئے بولا۔ "وہی مجذوب کامل پیرو مرشد جو یہاں سڑکوں پر عموماً نظر آتے ہیں۔"

"وہ...... وہ پاگل، وہ گندہ آدمی۔"

"وہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔" رکن الدین نے ناراض ہو کر کہا۔ "ان کے متعلق ایسی بات نہ کہئے۔"

"ہاں ہاں۔" سپاہی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ایک پاگل دوسرے پاگل کی تلاش میں ہے۔"

"یہ پاگل نہیں ہیں۔" رکن الدین جھلا کر بولا۔ "یہ جمیل احمد خان صاحب ہیں۔ میرے مہمان ہیں، ان پر ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔"

"جمیل احمد خان صاحب!" سپاہی زیر لب بڑبڑایا۔ "تو پھر اپنے مہمان کو باندھ کر رکھا کیجئے۔ پبلک کا سکوت کیوں غارت کراتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے جناب۔ میں انہیں لے جاتا ہوں۔" رکن الدین نے کہا۔ "آئیے جمیل صاحب! میں سیّد کو ڈھونڈوں گا۔ آئیے میرے ساتھ گھر چلئے۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے ویران آنکھوں سے اسے دیکھا اور خاموشی سے اس کی انگلی پکڑ کر چلنے لگا۔ گھر پہنچ کر جمیلہ اور طلعت کو سامنے دیکھ کر مجھے پشیمانی سی ہوئی۔ تمام لوگ پریشان تھے۔ رکن الدین نے فوراً جمیلہ کو ہٹا دیا اور مجھے میرے کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا۔ انکا اس تمام ہنگامے میں محض ایک خاموش تماشائی بنی رہی تھی۔ میں چار پانچ روز تک اپنے کمرے ہی میں بند رہا۔ جمیلہ اور طلعت میرا کھانا مجھے کمرے میں پہنچا دیتیں اور مجھ سے میرا حال چال پوچھ کر چلی جاتی تھیں۔ میرا دماغ تندور میں رکھا ہوا تھا اور ایک عجیب کرب، عجیب ہیجان طاری تھا۔ دل کی دھڑکن رکنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اس دیوانگی اور ویرانی میں نہ معلوم کتنی راتیں بیت گئیں۔ جمیلہ گھنٹوں میری خدمت میں لگی رہتی۔ وہ کبھی میرے سر میں تیل ڈالتی، کبھی پاؤں دبانے لگتی لیکن میں مبہوت آنکھیں پھاڑے چھت گھورتا رہتا۔ جمیلہ نے بمبئی کی باتیں اور ڈاکٹر کی لڑکی پریم کا ذکر کر کے میرا سکوت توڑنے اور منتشر کرنے کا حربہ آزمایا لیکن میں اسے صرف ہاں ہوں میں جواب دیتا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ میرے دماغ پر کیسی بجلیاں گر رہی ہیں۔ سارے جسم میں ایک جھنجھناہٹ سی ہوتی تھی۔ ایک لرزہ، ایک رعشہ، ایک خوف، ایک ذہنی انتشار کا اس سے برا دور مجھ پر کبھی نہیں گزرا تھا۔ کبھی جب مجھے بہت الجھن ہوتی تو حویلی سے باہر آ کر کسی ایسے شخص کی طرح کونے کھدروں کی تلاش کرنے لگتا جیسے میری ریزگاری گر گئی ہو۔ سیّد کسی کونے کھدرے میں موجود نہیں تھا۔

اسی کیفیت میں پندرہ دن گزر گئے۔ میں جہاں کہیں جاتا، رکن الدین مجھے گھر واپس لے آتا۔ وہ سائے کی طرح میرا تعاقب کرتا جیسے میں کوئی بچہ ہوں، کہیں کھو نہ جاؤں۔ وہ بھی سیّد کی تلاش میں تھا لیکن اسے کسی طرح پتا نہ چل سکا کہ سیّد کہاں ہے۔ اس نے حضرت گیسو درازؒ کے مزار مبارک پر حاضری دی اور وہاں کے نواح میں سیّد کی تلاش میں خاصا وقت صرف کیا مگر بے سود۔ آخر ایک دن میری حالت سے متاثر ہو کر اس نے مجھ سے حضرت گیسو درازؒ کے مزار پر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس وقت انکا خاصے دنوں بعد مجھ سے گویا ہوئی۔ ”جمیل! کیا عمر بھر یہیں رہنے کا ارادہ ہے؟“

”کیوں؟ کیا یہاں تمہیں کوئی تکلیف ہے؟“ میں نے بے دلی سے پوچھا۔

”نہیں لیکن ہم ان لوگوں پر بوجھ بنے ہوئے ہیں۔“ انکا نے کہا۔

”بوجھ...... ہاں میں نے اس کے متعلق تو سوچا ہی نہیں تھا۔ تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے مگر ہم جائیں کہاں؟ ہر سمت راستوں میں پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے اب بہت بیزاری ہوتی ہے۔“

”یہ جگہ محفوظ تو ہے مگر یہاں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔“ انکا نے اداسی سے کہا۔ ”ادھر کلدیپ کے استھان پر پنڈتوں پجاریوں کا ابھی تک گھیرا ہے۔ کلدیپ نے جاپ بھی ختم نہیں کیا ہے،

ترئین اکیلی ہے۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“

”ہمیں بہرحال کلدیپ کا جاپ ختم ہونے کا انتظار کرنے پڑے گا۔“ انکا نے کہا۔ ”تمہاری بیزاری سے میں بھی گھبرا گئی ہوں۔“

”تم باہر چلی جایا کرو، جمیلہ کے سر پر، طلعت کے پاس یا کہیں اور جہاں تم چاہو۔“ میں نے کہا۔

”تمہیں چھوڑ کر کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ پرانے دن یاد آتے ہیں۔ لندن کا خیال دل و دماغ میں گھومتا ہے۔ جین اور سارا کی یاد آتی ہے مگر تم سے تو اب بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔“ انکا نے کہا۔

”انکا۔ میں تم سے کس طرح کہوں۔“ میں نے چڑ کر کہا۔ ”مجھے اپنے سر پر تمہارا بوجھ ایک ذمے داری کی طرح محسوس ہوتا ہے لیکن نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ جس دن سے وہ مجذوب گیا ہے، میرے سینے سے برابر دھواں اٹھ رہا ہے۔“

”تم اسے کیوں تلاش کرنا چاہتے ہو؟“

”مجھے نہیں معلوم۔“ میں نے جواب دیا۔

ابھی میں اور انکا یہ باتیں کر رہے تھے کہ رکن الدین حیران و پریشان کمرے میں داخل ہوا۔ ”جمیل صاحب! ہم اس وقت سخت خطرے میں ہیں۔ حویلی پولیس نے گھیر لی ہے۔ وہ آپ کو اور میری بچی جمیلہ کو طلب کر رہے ہیں۔ میں نے انکار کر دیا تھا کہ وہ دونوں گھر پر موجود نہیں ہیں مگر وہ میری بات ماننے کے لئے تیار نہیں اور حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“ رکن الدین بے حد سراسیمہ تھا۔

”پولیس...... وہ کیا کہتے ہیں؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

”وہ کہتے ہیں کہ آپ اور ناہید یعنی جمیلہ بمبئی کے ایک دہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہیں۔ ان کا لہجہ بہت سخت ہے۔ وہ بات بات پر دھمکیاں دے رہے تھے۔ بتائیے میں کیا کروں؟ یہ کیسی مصیبت ہے؟ میں نے حیدرآباد اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ذلت و خواری کی تاب نہیں لا سکتا تھا اس بار تو پولیس میرے گھر پر آ گئی ہے۔ اب میں جرگے میں بھی آنکھ نہیں اٹھا سکتا۔“ رکن الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”ان کی تعداد کیا ہے؟“ میں نے سرد مہری سے پوچھا۔

”بیس پچیس سپاہیوں کا ایک مسلح دستہ باہر موجود ہے۔“

”ایک لمحے ٹھہریئے۔“ میں سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ انکا نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اجازت دوں تو وہ باہر جا کر پولیس والوں کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو جائے گی لیکن اس بات میں رکن

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

الدین کی رسوائی تھی کہ اس کے گھر کے باہر پولیس میں خون خرابا ہوا اور اب جب کہ گلبرگہ کی نظام شاہی پولیس کو خبر ہو چکی تھی تو ہم کب تک اس سے روپوش رہ سکتے تھے؟ چند لمحوں میں، میں نے یہ فیصلہ کرلیا۔

''فکر کی کوئی بات نہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ ناہید نامی کسی لڑکی کو نہیں جانتے البتہ جمیل احمد خان اتفاق سے گھر پر موجود ہے۔'' میں نے رکن الدین کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''میں گرفتاری دینے کے لئے تیار ہوں۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جمیل صاحب! کیا آپ سنجیدہ ہیں؟ خدا کے لئے کوئی اور صورت نکالئے۔'' رکن الدین بدحواسی سے بولا۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔''

''ٹھہریئے۔'' رکن الدین نے سہم کر کہا۔ ''مگر انہوں نے پھر بھی جمیلہ کے لئے گھر کی تلاشی لی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔''

''میں جو کہتا ہوں، آپ ان سے کہہ دیجئے۔'' میں نے اپنی بات دہرائی۔

رکن الدین کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن میرا مضبوط لہجہ دیکھ کر وہ کچھ نہیں بولا اور میرے کمرے سے چلا گیا۔

میں نے انکا کو اشارہ کیا کہ وہ جمیلہ کے سر پر چلی جائے اور اسے فوراً یہاں لے آئے۔ انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں نے کمرے کے گرد اپنی انگلی سے دائرہ کھینچا۔ تھوڑی دیر میں جملہ روتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا کہ وہ اسی کمرے میں رہے۔ وہ یہاں ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اسے یہاں سے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اسی وقت صحن میں سپاہیوں کے جوتوں کی کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔ جمیلہ بہت ہراساں نظر آ رہی تھی لیکن میرے چہرے پر اضطراب کی کوئی علامت نہیں تھی۔ میں نے پلنگ پر بیٹھ کر جمیلہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ سسک پڑی۔ اسی وقت دو تین سپاہی ایک افسر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے پستول تان لیا۔ ''جمیل احمد خان تمہی ہو؟'' افسر نے گرج کر پوچھا۔

''ہاں میرا نام یہی ہے۔'' میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

رکن الدین کانپ رہا تھا اور جمیلہ کو میرے کمرے میں دیکھ کر اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

''وہ لڑکی ناہید کہاں ہے؟''

''میں نہیں جانتا۔'' میں نے الجھ کر کہا۔

''ہم تم دونوں کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ ناہید کو بھی ساتھ لے چلو۔ اسے ہم سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''جہاں تک میرا تعلق ہے، میں گرفتاری کے لئے حاضر ہوں لیکن ناہید یہاں نہیں ہے، وہ بمبئی میں ہوگی۔''

''خیر اسے ہم تلاش کرلیں گے۔'' انہوں نے میرے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''وہ باہر نہیں جا سکتی، ہم نے پوری حویلی محاصرے میں لے رکھی ہے۔ ہم ایک ایک کمرے اور تہ خانے کی تلاشی لیں گے۔'' ناہید ان کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن ان کی نظر اسے دیکھنے سے قاصر تھی۔ رکن الدین یہ کیفیت دیکھ کر حواس باختہ تھا۔ اس کے گھر میں یہ پہلا کرشمہ تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ کہیں ناہید پر پولیس والوں کی نظر نہ پڑ جائے۔ خود ناہید بھی ایک طرف دبکی بیٹھی تھی۔

''آپ ہمیں کس جرم میں گرفتار کرنے آئے ہیں؟''

''تم دونوں بمبئی پولیس کو ایک دہرے قتل کے سلسلے میں مطلوب ہو۔ بمبئی پولیس نے ہم سے درخواست کی تھی کہ ملزم گلبرگہ میں موجود ہے۔'' پولیس افسر نے میرے اطمینان کو دیکھ کر وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

''میں اس جرم سے انکار کرتا ہوں۔''

''یہ بات تم بمبئی پولیس کو بتانا۔'' اس نے سپاہی کو اشارہ کیا کہ وہ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دے۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''ویسے آپ یہ شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔''

سپاہی ہتھکڑی لگانے کے لئے آگے بڑھا لیکن پولیس افسر نے اسے روک دیا۔ میں نے چلتے چلتے رکن الدین کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس نے عقیدت سے میرے ہاتھ چوم لئے۔ ''آپ...... آپ، خدا کی قسم ہم آپ کے بغیر کسی لمحہ سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔''

''میں آ جاؤں گا۔ گھر کی طرف دھیان رکھنا اور سید ملے تو کہہ دینا کہ میں دل میں اس سے ملاقات کا ارمان لئے چلا گیا۔''

باہر آ کر افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام کمروں کی تلاشی لیں۔ سپاہی پوری حویلی میں بکھر گئے۔ افسر اور چند سپاہی دیوان خانے میں بیٹھ کر سپاہیوں کا انتظار کرنے لگے۔ اس اثنا میں پولیس افسر نے پوچھا۔ ''تم گلبرگہ کب آئے؟''

''میں یہاں کسی سوال کے جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا!'' وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر میری صورت دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سپاہی پوری حویلی کی ناکام تلاشی لے کر رکن الدین کے سامنے دیوان خانے میں آ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ افسر نے تحکمانہ لہجے میں ان سے پوچھا۔ ''تم نے کوئی گوشہ چھوڑ تو نہیں دیا؟''

''نہیں جناب۔ ہم نے پورے مکان کی تلاشی لے لی ہے۔ لڑکی موجود نہیں ہے۔ البتہ رکن الدین کی بیگم اور اس کی لڑکی طلعت موجود ہے۔''

''کہیں وہی تو جمیلہ نہیں ہے؟'' پولیس افسر نے پوچھا۔

''نہیں جناب۔ وہ لڑکی گلبرگہ کے اسکول میں زیر تعلیم ہے۔ میں نے اپنی انکوائری کر لی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ فی الحال ہم اسی کو لئے چلتے ہیں۔'' پولیس افسر نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

چند سپاہیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ میں ان کے درمیان چلنے لگا۔ رکن الدین بری طرح رو رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا اور پولیس کی حراست میں حویلی کے باہر کھڑی ہوئی جیپ میں بیٹھ گیا۔ باقی پولیس والے ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ رکن الدین حویلی کے باہر دور تک دوڑتا ہوا آیا لیکن جیپ کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکا۔ میں ان سپاہیوں کے ساتھ ایک سڑک سے گزر رہا تھا کہ مجھے راستے میں سیّد مجہول انداز میں بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔ میں نے پہلو بدل کر پوری قوت سے اسے پکارا۔ ''پیر و مرشد!''

میری آواز پر سیّد نے گردن گھمائی۔ اس کے منہ سے بے ساختہ ایک قہقہہ نکلا۔ میں نے زور دے کر کہا۔ ''میں جا رہا ہوں لیکن اب تمہاری باری ہے۔''

اس کی بلند آواز مجھے دور تک آتی محسوس ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''جا جا۔ میں اس کا خیال رکھوں گا۔''

جیپ کی رفتار میں تیزی آ گئی اور پولیس افسر نے مجھے حکم دیا۔ ''خاموش بیٹھے رہو۔''

سیّد نظروں سے اوجھل ہو گیا اور پولیس افسر کے خاموش رہنے کے حکم پر عمل کرتے ہوئے میں نے وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کر لیں۔ انکا میرے سر پر پھدک رہی تھی۔ مجھے آنکھیں بند کئے ہوئے خاصا وقت گزر گیا۔ جیپ اونچے نیچے راستوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ میں نے اپنے اندر کی آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ اس خاموشی سے اکتا کر پولیس افسر نے (جو انسپکٹر تھا) مجھے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ ''تم اتنے خطرناک آدمی تو معلوم نہیں ہوتے۔''

میرے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ مجھے خاموش دیکھ کر انسپکٹر نے نرمی سے کہا۔ ''تم اب بات کر سکتے ہو۔'' پھر وہ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد کہنے لگا۔ ''میرا نام سیّد غوث ہے۔ کہیں تمہارے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں ہو رہا؟''

''نہیں۔'' میں نے بے دلی سے جواب دیا۔ ''میرا نام جمیل احمد خان ہے۔ میں ہی انہیں مطلوب ہوں۔ تم نے صحیح آدمی کو پکڑا ہے۔''

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر جھجک کر بولا۔ ''کیا یہ تمام الزامات صحیح ہیں کہ تم نے متعدد قتل کئے ہیں، عرصے سے پولیس تمہاری تلاش میں ہے اور تم انہیں ہر بار جل دے کر فرار ہو جاتے ہو؟ مجھے تو تم ایسے آدمی نظر نہیں آتے۔ تم ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص معلوم ہوتے ہو۔''

''کیا تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ جرم نہیں کرتے؟'' میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

میرے اس اعتماد سے وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''تو گویا تم اعتراف کر رہے ہو؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئی۔

''میں اگر انکار کر دوں تو کیا تم مجھے چھوڑ دو گے؟''

''نہیں۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔ ''میں عدالت نہیں ہوں۔''

''تو پھر ہمدردی کیوں کرتے ہو؟ ایک اچھے پولیس افسر کو ان باتوں سے دور رہنا چاہئے۔ اسے سخت اور بے رحم ہونا چاہئے۔''

انسپکٹر کے چہرے پر سختی آ گئی، وہ مستعد ہو کر بولا۔ ''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے نام کی ساخت نے مجھے کچھ کریدنے پر اکسایا تھا۔''

''کیا یہ ضروری ہے کہ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں؟''

''نہیں۔'' وہ کسمسا کر بولا۔

''تو پھر میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''میری زندگی میں یہ ایک عجیب تجربہ ہے۔ میں نے کسی مجرم کے چہرے پر اتنا اعتماد نہیں دیکھا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''تم مجھے ایک بے حد عجیب آدمی نظر آتے ہو۔ تم مسلمان ہو اور حالات سے تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت تو میں کچھ نہیں کر سکتا لیکن بعد میں تمہارے کام آ سکتا ہوں بشرطیکہ تمہارے مقدمے میں کوئی جان ہوئی۔ سنو، میں حضور نظام تک بات پہنچوا سکتا ہوں۔''

''سیّد غوث!'' میں نے آنکھیں بند کئے کئے کہا۔ ''تمہاری ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اپنی زندگی میں ان گنت پولیس افسروں سے واسطہ پڑا ہے لیکن میں نے تمہارے جیسا مخلص اور شریف النفس شخص نہیں دیکھا۔ تم پولیس کی ملازمت کے لئے موزوں نہیں ہو۔ تم ابھی نوجوان ہو، ایسی ہمدردیاں کرو گے تو ترقی رک جائے گی۔''

''جمیل احمد خان!'' انسپکٹر جز بز ہو کر بولا۔ ''میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا جواب صرف ہاں یا نہیں میں دے دو۔''

''کہو۔'' میں نے ملائمت سے کہا۔

''کیا قتل و غارت اور خون خرابے کا الزام تم پر صحیح ہے؟ مجھے یقین ہے، تم صحیح جواب دو گے۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

’’تم نے صرف ہاں یا نہیں کی شرط عائد کردی ہے۔ اس سوال کا جواب اس طرح نہیں دیا جا سکتا۔‘‘ میں نے بے نیازی سے کہا۔

’’تو پھر تم جس طرح چاہو۔ میں تمہاری ذات میں اپنی دلچسپی ختم نہیں کرسکتا۔‘‘ انسپکٹر نے اپنائیت کے لہجے میں کہا۔

’’یہ ایک بہت طویل سرگزشت ہے۔ مجھ سے قتل ہوئے ہیں اور میں خود کئی بار قتل ہوا ہوں۔ میری کہانی ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں سرسری طور پر یہاں سنا سکوں اور تم یقین کرلو۔‘‘

’’میں تمہاری ہر بات کا یقین کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن صاف صاف باتیں کرو۔‘‘ انسپکٹر نے بے تابی سے کہا۔

’’تمہارا دماغ پھٹ جائے گا۔ میں صرف ایک بات کہوں گا۔ اگر تم میری جگہ ہوتے تو تمہیں جو شخص بھی سامنے نظر آتا، تم اس کا نرخرا دبا دیتے۔‘‘ میں نے کسی قدر تلخی سے کہا۔ ’’یہ اتنا بڑا ملک ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ یہاں ایک جگہ بھی میرے لئے سکون کی نہیں ہے۔ میں لندن گیا، تبت گیا اور جب میں واپس آیا تو وہ پھر میرے پیچھے پڑ گئے۔‘‘

’’میں سمجھ رہا ہوں، بس اتنی بات میرے لئے کافی ہے۔‘‘ انسپکٹر جوشیلے انداز میں بولا۔ ’’کاش میرے پاس عدالت کی طرح فیصلے بدلنے کی قوت ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ بمبئی چلتا لیکن فی الحال میں حیدرآباد میں تمہیں ان کے حوالے کردوں گا اور بعد میں رخصت لے کر بمبئی میں آؤں گا۔ میں نے بمبئی میں تعلیم حاصل کی ہے۔ وہاں میرے کئی دوست ہیں، وہاں تمہیں تنہائی محسوس نہیں ہوگی۔‘‘

’’تم وہاں آ کر نقصان اٹھاؤ گے، تم نہیں جانتے کہ میرا معاملہ کس قدر کٹھن اور پیچیدہ ہے۔ میں اب کوئی اور ہنگامہ نہیں چاہتا یہی وجہ ہے کہ میں نے آسانی سے خود کو تمہارے حوالے کردیا ہے۔‘‘

’’ورنہ تم کیا کرتے؟‘‘ سید غوث متعجب ہو کر بولا۔

’’تم مجھے کبھی گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔‘‘

’’یہ تمہارا گمان ہے۔ باوردی پولیس کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ ہمارے ساتھ سادہ لباس والے بھی موجود تھے۔ تم ہم سے بچ کر کہاں جاتے ہو؟‘‘

’’میں اس وقت بھی فرار ہو سکتا ہوں۔‘‘ میں نے مسکرا کر کہا۔

انسپکٹر نے اپنا ہاتھ تیزی سے ہولسٹر پر رکھ لیا پھر فوراً ہٹا لیا اور بولا۔ ’’حالات نے تمہارا ذہنی توازن بگاڑ دیا ہے۔‘‘

’’تم غلط سمجھ رہے ہو، میں پورے ہوش میں ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کر کے دکھا سکتا ہوں مگر میں تمہیں نادم نہیں کروں گا۔ میر[illegible]‘‘

’’ہوں!‘‘ وہ گردن جھٹک کر تاسف میں بولا۔ ’’بہر حال میں بمبئی میں تم سے ملاقات کروں گا۔ تمہارا مقدمہ یقیناً میرے مشاہدے اور تجربے میں اضافے کا باعث بنے گا۔‘‘

’’ہاں، تمہیں کچھ زیادہ ہی حیرت ناک مشاہدات ہوں گے۔ تم اپنا وقت برباد کرو گے اور کسی وقت کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہو۔‘‘

’’دیکھا جائے گا۔ مجھے تمہاری مدد کر کے مسرت ہوگی۔‘‘ نوجوان سیّد غوث نے عزم کے ساتھ کہا۔

جیپ سے اتر کر ہمیں گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ راستے بھر میرے ہاتھ کھلے رہے اور انسپکٹر غوث مجھ سے باتیں کرتا رہا۔

ریل میں ہمارے لئے ایک مخصوص ڈبا تھا۔ اصولاً مجھے سپاہیوں کے ساتھ زمین پر بٹھایا جانا چاہئے تھا لیکن انسپکٹر مجھے اپنے ساتھ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں لے گیا۔ وہ ایک ضدی اور سرشور نوجوان تھا۔ بالکل میری طرح اور زندگی میں پہلی بار ایسا ہوا کہ میں نے کسی مرد کو اپنی عجیب وغریب زندگی کے بعض واقعات سنائے۔ وہ انہیں سن کر ششدر رہ گیا۔ میری الم ناک زندگی، میری روداد غم، اسے کس طرح یقین آتا؟ اس کی متذبذب آنکھیں بار بار کھلتی اور بند ہوتی تھیں۔ ’’کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟‘‘ وہ بار با پوچھتا۔

’’ہاں۔ اب میں جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں۔‘‘

’’کتنے ناقابل یقین واقعات ہیں، تم تو الف لیلہ کا کوئی کردار ہو۔‘‘ وہ ہکلا کر بولا۔

میں نے اسے بہت کم باتیں بتائی تھیں اور جو کچھ بتایا تھا وہ بھی اس وجہ سے کہ وہ مجھے ایک ہمدرد، ایک سچا جوان نظر آتا تھا۔ راستے بھر وہ کشش و پیچ کی کیفیت میں مبتلا رہا اور مجھ سے کرید کرید کر سوالات کرتا رہا۔ اس کا تجسس بڑھتا ہی جاتا تھا۔ میں نہایت آہستگی، سنجیدگی سے اپنی زندگی کی رازہائے سربستہ بتا رہا تھا۔ راستے میں اس سے اجازت لے کر میں نے مراقبے کی ایک طویل مشق کی۔ وہ مجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ انکا اس تمام عرصے میں خاموش رہی تھی اور مجھ سے ناراض تھی کہ میں نے اتنے غنیمت موقعوں پر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی لیکن میں انسپکٹر غوث کے اعتماد کو کوئی دھچکا لگانے پر تیار نہیں تھا۔ ڈبے میں وہ اور میں اکیلے تھے۔ میں کسی وقت بھی اس کا پستول چھین کر اسے بے بس کر سکتا تھا اور کسی وقت بھی درمیان میں اتر کر جنگلوں میں روپوش ہو سکتا تھا۔ ایسے مواقع کئی بار آئے۔ انسپکٹر پر غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی مگر میں نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اس نے کھانا میرے ساتھ کھایا۔ میں ایک ایسا قیدی تھا جس کا صیاد میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اسٹیشن پر دوسرے ڈبے سے پولیس کا عملہ بار بار آ کر سیّد غوث کی خیریت دریافت کرتا اور میر[illegible] یکھ کر انگشت بدنداں واپس

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہو جاتا۔

اسٹیشن پر اسٹیشن گزرتے رہے۔ حیدر آباد قریب آتا جا رہا تھا۔ سیّد غوث کی حالت بھی متغیر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ خود مجھے راستے سے فرار کر دیتا لیکن نظام شاہی حکومت مجھے صوبہ بمبئی کے حوالے کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔ حیدر آباد میں انسپکٹر پرشوتم اپنے سپاہیوں سمیت میرا منتظر تھا۔ گلبرگہ سے یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ مجھے کسی مزاحمت کے بغیر گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اگر سیّد غوث مجھے چھوڑ دیتا تو نظام شاہی پولیس کا عملہ اس کے خلاف گواہی دیتا کہ اس نے عام برتاؤ سے ہٹ کر میرے ساتھ غیر معمولی سلوک کیا تھا۔ حیدر آباد کے قریب وہ بے اختیار میرے گلے لگا۔ میں نے اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر مضبوط لہجے میں کہا۔ ”سیّد غوث۔ اپنی آنکھوں کی نمی دور کرو، یہ بات ایک بلند ہمت پولیس افسر کے شایان شان نہیں ہے۔“

حیدر آباد پہنچ کر مجھے ایک بند گاڑی میں پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ سیّد غوث نے عملے کو ہدایت کی کہ وہ میرا خاص خیال رکھے لیکن اس کی ہمدردیاں کب تک میرے ساتھ رہتیں؟ جلد ہی مجھے حوالات سے طلب کیا گیا اور ایک بڑے پولیس افسر نے سیدغوث کی موجودگی میں مجھ سے سخت سے لہجے میں بات کی۔ سیّد غوث اس وقت ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ کمرے میں بمبئی کا پولیس افسر پرشوتم بھی موجود تھا۔ وہ بڑی کینہ توز نظروں سے میرے سراپا کا جائزہ لئے جا رہا تھا۔ میرے عقب میں سنگین بر ادر سپاہی تھے۔ میرے اور سپاہیوں کے سوا سب بیٹھے ہوئے تھے۔ سب بار بار حیرت سے میری صورت دیکھ رہے تھے جیسے ان کے سامنے کوئی عجیب الخلقت شخص کھڑا ہو۔

”تمہارا نام جمیل احمد خان ہے؟“ پولیس افسر نے اپنی آواز میں تحکم اور گرج پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”یہ سوال مجھ سے بار بار کیا جا چکا ہے۔ ہاں۔“ میں نے اکتا کر کہا۔ ”تمہاری ہر بات کا جواب ہاں میں ہے۔ فضول کارروائی سے بچو اور مجھے انسپکٹر پرشوتم کے حوالے کر دو۔“

پولیس افسر نے مجھے گھور کر دیکھا۔ ”بدتمیز۔ انسپکٹر پرشوتم! تمہیں اس گستاخ کا خاص خیال رکھنا پڑے گا۔“

”میں اس کی تواضع اچھی طرح کروں گا، بمبئی پولیس نے میرا انتخاب یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر کیا ہوگا جناب!“ انسپکٹر پرشوتم نے گردن ہلائی اور مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر غوث نے کاغذات دستخط کرنے کے بعد پرشوتم کے حوالے کر دئے۔ پولیس افسر نے میرے تلخ جواب کے بعد مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ پرشوتم نہ ہوتا تو وہ میری پیٹھ عریاں کر کے کوڑے ضرور لگواتا۔ دونوں انسپکٹروں کے درمیان رسمی جملوں کا تبادلہ ہوا اور پرشوتم نے نظام شاہی حکومت کے تعاون

کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے سپاہیوں نے جب میرے ہاتھ میں ہتھکڑی لگائی تو سیّد غوث نے مضطربانہ انداز میں پرشوتم سے کہا۔ ”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص بے ضرر ہے۔ اگر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا تو کسی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔“

سیّد غوث کی اس دخل اندازی پر اس کے افسر نے استہزائی نظروں سے دیکھا اور پرشوتم کے چہرے پر رعونت چھا گئی۔ سیّد غوث جھینپ سا گیا۔ انسپکٹر پرشوتم نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ مجھے باہر کھڑی ہوئی وین میں لے گئے۔ اسٹیشن پر پرشوتم کے ساتھ سیّد غوث بھی آیا لیکن مجھ سے اس کی کوئی بات نہ ہو سکی۔ پرشوتم کے حکم سے میرے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور مجھے نشست کے بجائے کمپارٹمنٹ کی زمین پر دھکا دے کر بٹھا دیا گا۔ چاروں طرف سپاہی مستعد ہو کر بیٹھ گئے اور انسپکٹر پرشوتم انہیں ضروری ہدایات دے کر ایک نشست سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے سپاہیوں سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس ڈبے میں بیٹھا رہا۔ گاڑی چلی تو پرشوتم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”جمیل تمہارے پیروں اور ہاتھوں میں تکلیف ہو رہی ہوگی؟“ انکا نے میرے کاندھوں پر آ کر کرب سے کہا۔ ”تم یہ سب کیوں برداشت کر رہے ہو؟ کہو تو میں کچھ انتظام کروں؟“

”انکا...... ان زنجیروں میں کیا رکھا ہے؟ کیا میری نگاہ کی ایک جنبش انہیں پگھلا نہیں سکتی؟“ میں نے اسے جواب دیا۔

”مجھے معلوم ہے لیکن تم نے کیا سوچ رکھا ہے؟“

”فرض کرو، اگر تم پرشوتم کے سر پر جا کر اسے بے بس کر دیتی ہو اور میں فرار ہو جاتا ہوں تو آئندہ دنوں میں تحفظ کی کیا ضمانت ہے؟“

”جمیل۔ کم از کم اس وقت تو تم اس عذاب سے بچ جاؤ گے۔“ انکا بولی۔

”مگر کب تک؟ کیا کوئی شہر ایسا رہ گیا ہے جس کے در و دیوار میری پردہ پوشی کر سکیں؟ چند فیصلے ضروری ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کلدیپ جاپ ختم کرنے کے بعد تزئین کی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو جائے گی۔ جمیلہ کو میں نے اس کے گھر پہنچا دیا ہے اور اب وہ سیّد کی امان میں ہے۔ چچا جان اپنی جگہ خوش ہیں۔ اب میری زندگی میں کیا رہ گیا ہے؟“

”کیا مطلب؟ یعنی تم بالکل مایوس ہو چکے ہو؟“

”میں اب اختتام چاہتا ہوں۔ جس دن سے میں نے سیّد کو دیکھا ہے، مجھے ساری چیزیں ہیچ نظر آتی ہے۔ کاش سیّد میری جانب ملتفت ہو جاتا۔“

میں نے عالم تصور میں دیکھا۔ انکا کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔ سیّد کے ذکر پر وہ بے چین ہو گئی اور مجھ سے کہنے لگی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"تمہاری باتیں اب میری سمجھ میں بھی نہیں آتیں، تم کیا چاہتے ہو آخر؟"

"انکا۔ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنتی ہو۔ میں نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سید میرے اضطراب پر ایک دن میری جانب ضرور مائل ہوگا۔ میں نے اسی لیے اپنے آپ کو آگ اور خون کے سپرد کر دیا۔ اب مجھ سے کچھ نہیں ہوگا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ پر شدید مظالم ڈھائے۔ میں بد سے بدتر حالات کے لئے خود کو تیار پاتا ہوں۔ بمبئی میں میری رسوائیوں کی محفل سجے گی۔ شاید کوئی فیصلہ ہو جائے، نہ بھی ہو تو میں کوئی مزاحمت کرنا نہیں چاہتا۔ در و دیوار سے دشمن اگ رہے ہیں۔ ہندوستان کی وسیع و عریض سرزمین پر میرے لیے قبر کی جگہ بھی ملنی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ یہ دن بہت پہلے آ جانا چاہئے تھا لیکن میں اسے ٹالتا رہا۔ ان کا خیال ہے وہ اس شخص کو سزا دیں گے جسے سزاؤں کا ادراک بھی ہوگا۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ موت سے بڑی کوئی سزا نہیں ہے اور موت میرے نزدیک سب سے آسان سزا ہے۔"

"تم الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔" انکا ناراض ہو کر بولی۔

"کیا سوچ رہا ہے؟" اسی وقت پرشوتم کی آواز گونجی۔

"کچھ نہیں۔ انسپکٹر صاحب!" میں نے اداسی سے کہا۔ "کیا سوچوں پر بھی پہرے ہیں؟ تمہارے پاس کوئی ایسی زنجیر نہیں ہے کہ تم میرے دماغ کو بھی اس میں جکڑ لو۔"

"بہت جلد۔ بہت جلد تیرے دماغ اور دل پر بھی تالا ڈال دیا جائے گا۔" پرشوتم داس نے ہنس کر کہا۔ اس کے ساتھ تمام سپاہی ہنسنے لگے۔

"مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا......" انکا غضب ناک ہو کر بولی۔

"تو تم میرے سر سے اتر جاؤ۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"اف......اف۔" انکا نے جھلا کر کہا۔ "یہ تمہاری توہین ہے۔"

"ایک مجرم کی توہین کیا حیثیت رکھتی ہے؟ انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے دو۔" میں نے دل ہی دل میں انکا سے کہا۔

میری خاموشی پر پرشوتم نے پھر مجھے چھیڑنے کی کوشش کی۔

"سنا ہے تو کچھ شکتیاں بھی رکھتا ہے؟"

"لیکن میں تم پر انہیں استعمال نہیں کروں گا۔ تم چین کی بنسی بجاؤ، جاؤ سو جاؤ۔" میں نے بے اختیار اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"تو اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے حرام زادے!" پرشوتم اپنی نشست سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور اس نے میرے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ اس کے جوتے کی نوک میری دائیں پسلی پر پڑی۔ تکلیف

میرا برا حال ہو گیا۔ انکا کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ میں نے مسکرا کر ٹالنا چاہا۔ اسی وقت میرے قریب بیٹھے ہوئے سپاہیوں نے مجھ پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ میں ضبط کیے ان کے وار سہتا رہا۔ انکا سے یہ برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے میرے سر پر اپنے پنجے گاڑ کر مجھ سے عجیب طرح کا احتجاج کیا۔ پرشوتم نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے سپاہیوں کو میرے پاس سے دور کیا اور اپنی نشست پر جا کر ہانپنے لگا۔ "الو کا پٹھا۔ وہ لوگ اور تجھے ملے ہوں گے، زبان چلاتا ہے۔"

"یہ پرشوتم داس ہیں، سؤر کی اولاد!" ایک سپاہی نے زور دے کر کہا۔ "بڑے بڑے طرم باز خاں انہوں نے سیدھے کر دیئے ہیں۔"

"سالے نے بھنگ پی رکھی ہے، ابھی سارا نشہ اتار دوں گا۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔ اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان امڈ پڑا۔

"نارائن! چپ رہو۔" پرشوتم داس دہاڑا۔ "اس دشٹ کا کھانا بند کر دیا جائے۔ میں دیکھوں گا، یہ کب تک زبان چلائے گا۔"

"یہ نظام شاہی پولیس نہیں ہے۔ وہ مسلا انسپکٹر کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ زیادتی نہ کرنا۔ سالے یہ سب مسلے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔" پرشوتم داس نے جھنجلا کر کہا۔

میں خاموش رہا۔ انکا منہ بسور کے میرے سر پر بیٹھی پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میری خاموشی نے ان پر کچھ اچھا اثر نہیں ڈالا۔ وہ کچھ اور مشتعل ہو گئے اور جب میں نے اپنی توجہ ہٹانے کے لئے ارتکاز کا عمل شروع کیا تو انہوں نے بھی مجھے ایک سمت آنکھیں مرکوز رکھنے کی سزا یہ دی کہ میرے گالوں پر طمانچے مارتے رہے۔ میں ان کے قدموں میں پڑا ہوا تھا۔ وہ سب اونچی نشست پر ٹھسے سے بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے ٹھوکریں مار مار کر ہنستے جا رہے تھے۔ میں ان کے سامنے ایک کھلونا بنا ہوا تھا۔ رات کا کھانا آیا تو انہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر سیر ہو کے کھایا اور مجھ پوریاں، روٹیاں دکھا کر اپنی دانست میں ترساتے رہے۔ پرشوتم نے میری طرف پوری کا ایک ٹکڑا پھینک دیا۔ میں نے اسے نہیں کھایا تو اس کا حکم ملا۔ "کھا حرام زادے! تجھے بمبئی تک ہمیں زندہ رکھنا ہوگا۔"

"جمیل! میں تمہارے سر سے اتر رہی ہوں۔" انکا اشتعال انگیز لہجے میں بولی۔ "میں ان کمینوں کو ابھی مزہ چکھاتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں۔ پھر یہاں خون ہی خون ہوگا، نندا کی روح گواہ ہے۔ میں اسے گواہ بنانا چاہتا ہوں کہ میں نے کسی موقع پر ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میں اس کا لائق شاگرد رہنا چاہتا ہوں۔"

"نندا... نندا... ضبط، برداشت، کبھی نندا، کبھی سید...... تم عجب تضاد کا شکار ہو۔" انکا جھنجھلا کر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

”وہ میری منزل ہیں۔ آئندہ تم ان کے بارے میں کوئی گستاخی نہیں کرو گی، سمجھیں؟“

”ہاں، میں تمہاری کون ہوتی ہوں؟ ٹھیک ہے، برداشت کیے جاؤ۔ ان لوگوں کے ہاتھوں خوب اپنا مذاق اڑواؤ۔ میری بلا سے۔“

”تم چپ بیٹھی دیکھتی رہو۔“

میں نے ان کے پھینکے ہوئے روٹی کے ٹکڑے اور آلو زمین سے نہیں اٹھائے۔ انہوں نے مجھے اٹھانے کا حکم دیا تو میں نے منہ پھیرلیا۔ میں کئی دن بھوکا رہ سکتا تھا۔ تبت میں نندا کے استھان پر ہفتوں بھوکا رہ کر میں نے اپنا جہنم شکم قابو میں کرلیا تھا۔ ان کے قہقہے بڑھتے گئے۔ وہ سبزی میری طرف اچھالنے لگے گالیوں کا ایک طوفان ان کے منہ سے جاری تھا۔ انسپکٹر پرشوتم سپاہیوں کے درمیان بیٹھا انہیں بمبئی میں میری خون ریزیوں اور دہشت انگیزیوں کے بارے میں بتا تا رہا تھا۔ اسے بہت سے واقعات معلوم نہیں تھے۔ اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ مجھے ہندو دھرم کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ میں نے کئی پنڈتوں، پجاریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ میں ان کی باتیں سنتا رہا۔ میرا خیال تھا، رات کو کچھ سکون ہو جائے گا۔ وہ سب سو جائیں گے لیکن رات کو انہوں نے تاش کی پھڑ لگا دی۔ مجھے ایک سپاہی نے حکم دیا کہ میں انسپکٹر پرشوتم کی ٹانگیں دباؤں۔ میرے واحد ہاتھ میں ہتھکڑی پڑی ہوئی تھی اور اس کا دوسرا سرا ایک سپاہی کے ہاتھ میں تھا۔ میرے پیر زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ ”اٹھ اٹھ...... جا صاحب بہادر کے پیر دبا۔“ ایک سپاہی نے حکم دیا۔

”نہیں اسے بیٹھا رہنے دو۔ میں اس کے گندے ہاتھ اپنے شریر پر لگوانا نہیں چاہتا۔“ پرشوتم داس نے تاش کا پتا پھینکتے ہوئے کہا۔

”نہیں جی۔ اس کے ہاتھ میں کپڑا باندھ دیتے ہیں۔ لے بھئی ذرا ادھر، میری ٹانگیں دبا، ابے ادھر آ جا۔ صورت کیا دیکھتا ہے؟ سالا کیسی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔“ ایک سپاہی مجھ سے بولا۔ وہ پرشوتم کا منہ چڑھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

”جاؤ اس کی ٹانگیں دباؤ۔“ انکا نے چٹکی لی۔

”جاتا ہوں۔“ میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ زنجیروں کے چھناکے مجھے اپنے دماغ میں پیوست ہوتے محسوس ہوئے۔ میں نے کسمسا کے پہلو بدلا اور زور سے اپنا پیر زنجیروں پر مارا۔ زنجیریں میرے ایک ہی عمل سے ٹوٹ گئیں۔ وہ تاش میں مگن تھے۔ میں نے پیر سے ایک زنجیر اٹھا کر نارائن کے منہ پر ماری۔ وہی سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا۔ اسی نے مجھے پیر دبانے کا حکم دیا تھا۔ زنجیر پھسلتی ہوئی دوسرے سپاہیوں کے منہ پر بھی لگی۔ انہوں نے ایک چیخ ماری۔ دو سپاہیوں کے چہرے لہولہان ہو گئے تھے اور نارائن کی کھال اس کے چہرے سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ وہ تعداد میں آٹھ تھے۔ پرشوتم کو ملا کر نو۔ آناً

فاناً انہوں نے پستول تان لیے۔ ایک سپاہی نے بڑھ کر مجھے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے اس کی نشست پر دھکیل دیا۔ قریب تھا کہ وہ گولیاں چلا دیتے مگر انکا مجھ سے پوچھے بغیر میرے سر سے اتر گئی۔

ٹھیک اسی وقت ڈبے کی روشنی گل ہو گئی۔ وہ پستول نہیں چلا سکتے تھے۔ ڈبے میں ہاہاکار مچی ہوئی تھی۔ میں نے ایک کونے میں کھڑے ہو کر خود کو مراقبے میں محو کرنے کی ناکام کوشش کی، آخر میرا ہاتھ دراز ہوا اور کمپارٹمنٹ روشنی میں نہا گیا۔ یہ ایک لمحے کی مہلت میرے لیے بہت تھی۔ میرا ہاتھ آزاد تھا اور زنجیر بھی میرے قبضے میں تھی۔ نارائن فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ میں نے روشنی میں سر کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔ میں نے ان کے گرد ہاتھ گھما کر کہا۔

”چلاؤ گولیاں۔“ وہ حیران وہ سراسیمہ کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے جن کا رخ میری طرف تھا لیکن کسی کو پستول چلانے کی جرأت نہیں تھی۔ انکا پرشوتم کو بے ہوش کر کے ایک سپاہی کے سر پر بیٹھی مجھے اشارے کر رہی تھی کہ میں ان سب کو عبرت ناک سزا دوں؟ میں نے آگے بڑھ کر بڑی آسانی سے پستول ان کے ہاتھ سے لے لیے۔ ان پر سکتہ سا طاری تھا۔ وہ سب اپنی جگہ کھڑے رہ گئے۔ تمام پستول میں نے کھڑکی سے باہر پھینک دیئے۔ ”تم اندھے ہو گئے ہو کیا؟ میں تمہاری زبانیں قلم کر دوں یا تمہیں آگ کی نذر کر دوں؟“ میں نے چیخ کر کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ شرافت سے جا رہا تھا۔ تم یہ حرکتیں کیوں کر رہے تھے؟“

وہ گھگیانے لگے۔ ایک سپاہی نے جو انکا کے زیر اثر تھا، میرے قدم پکڑ لیے۔ ”ہمیں اندازہ نہیں تھا شریمان جی، ہمیں معاف کر دیجئے، آپ چاہیں تو فرار ہو سکتے ہیں۔“

”فرار...... ہونہہ...... تم سب پاگل ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ کتنی بار میں نے تمہیں سبق دیا ہے لیکن پولیس کے عملے میں بے وقوفوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک سے ایک جرام الدہر شخص آگے آ جاتا ہے۔ یہ سلسلہ کبھی بند بھی ہو گا یا نہیں، میں اس کا اختتام چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا تاکہ تم اپنے دل کی حسرتیں نکال لو۔“

وہ اپنے قدموں پر کھڑے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خلا میں کھڑے ہوں، وہ بری طرح لرز رہے تھے اور بار بار مجھ سے معافی مانگ رہے تھے۔ ”میں بھاگوں گا نہیں۔ تم لوگ اطمینان سے سو جاؤ۔“ میں نے انہیں حکم دیا۔ ان سب نے میرے پیر پکڑ لیے۔

”آپ نے ہمیں معاف کر دیا!“

پھر انہوں نے میرے لیے بستر لگایا اور میری ہتھکڑی کھولنی چاہی۔ میں نے انہیں روک دیا۔ ہتھکڑی میری ایک ہی نظر میں نیچے گر گئی۔ پرشوتم زمین پر پڑا تھا۔ وہ میرے پاؤں دبانے لگے اور انہوں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

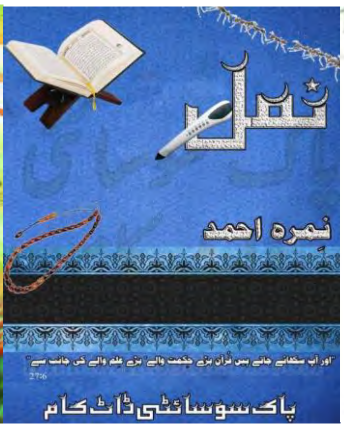

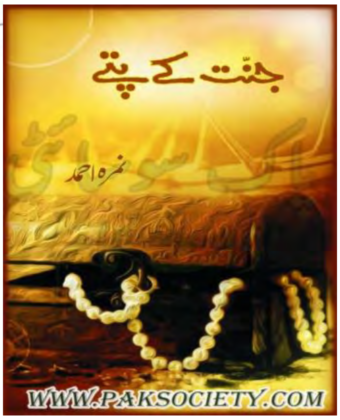

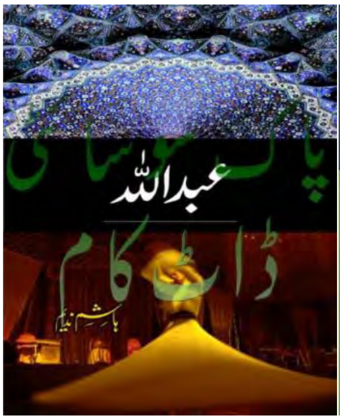

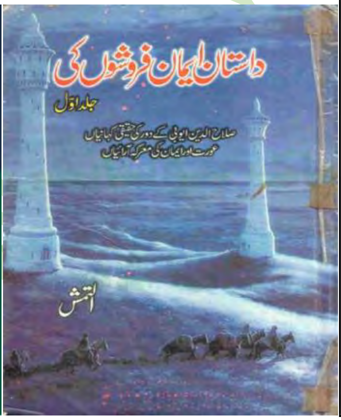

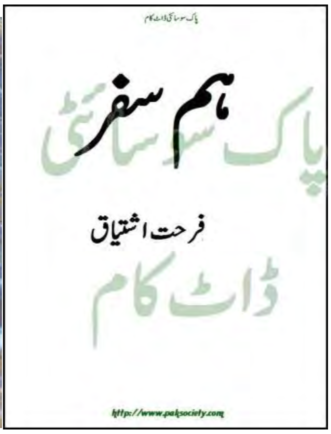

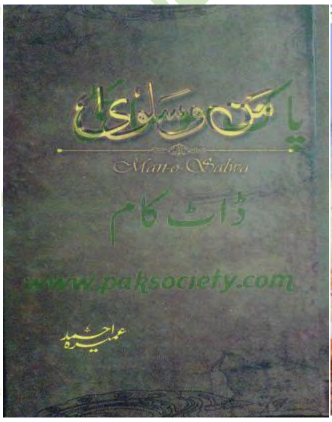

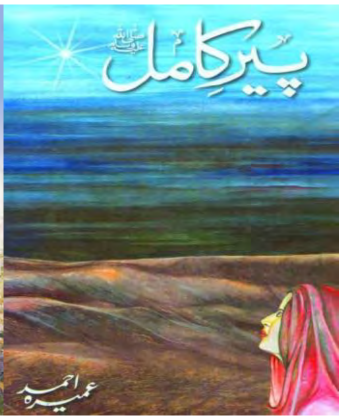

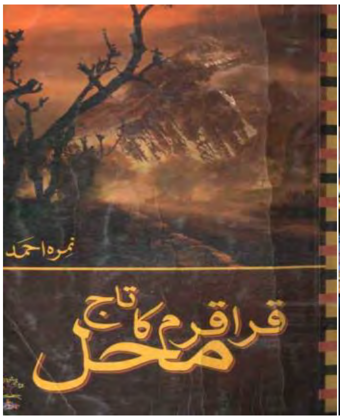

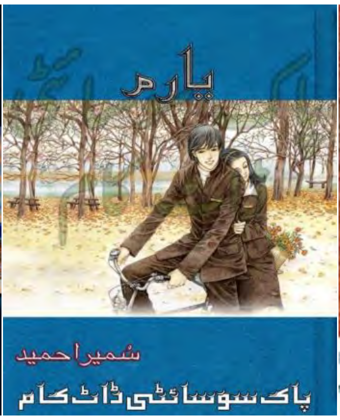

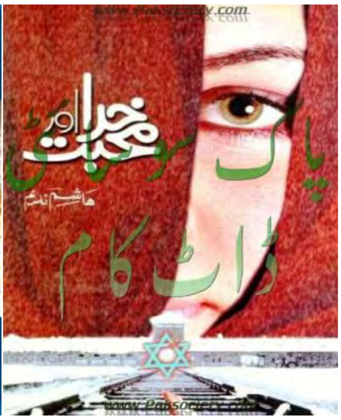

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com
http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

نے اصرار کر کے مجھے بستر پر لٹا دیا۔ انکا شگفتہ شگفتہ، شاداں شاداں میرے سر پر آئی۔ اس نے ایک ادا کے ساتھ مجھے دیکھا مگر کوئی بات نہیں کی۔ نارائن کا خون کمپارٹمنٹ کے فرش پر پھیل گیا تھا۔ انہوں نے فرسٹ ایڈ بکس سے اس کے چہرے پر لیپا پوتی کی اور پرشوتم کو اٹھا کر سیٹ پر دھکیل دیا۔ میں نے ٹانگیں پسار لیں۔ گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ انکا کو جاگنے کی ہدایت کر کے میں سو گیا۔ علی الصباح میری آنکھ کھلی تو پرشوتم جاگ رہا تھا اور دزدیدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔

تمام سپاہی اطمینان سے سو رہے تھے۔ صرف نارائن کروٹیں بدل رہا تھا۔ پرشوتم مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ میں نے اوپر سے آواز لگائی۔ ''بمبئی قریب آ رہا ہے پرشوتم جی! تم بھی اطمینان سے سو جاؤ۔ میں کہیں بھاگا نہیں جا رہا ہوں۔''

''مہاراج۔ جمیل احمد خان صاحب!'' پرشوتم نے ہمت کر کے مجھے مخاطب کیا۔ ''میں بہت شرمندہ ہوں۔''

کوئی جواب دینے کے بجائے میں نے اپنے چہرے پر چادر تان لی۔ بمبئی کے قریب انہوں نے ڈرتے ڈرتے مجھے اٹھایا اور تمام تر احتیاط، ادب اور احترام سے مجھے اسٹیشن سے باہر لے آئے۔ باہر پولیس کی وین کھڑی تھی۔ مجھے حوالات میں داخل کر دیا گیا۔ پرشوتم کی ہدایت پر مجھے ایک نفیس بستر اور پلنگ مہیا کر دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے تھانے میں پرشوتم کی صورت نہیں دیکھی۔

ابھی مجھے حوالات میں آئے ہوئے چند گھنٹے گزرے ہوں گے کہ پنڈتوں پجاریوں کا ایک گروہ تھانے میں مجھے دیکھنے آیا۔ ان سب کے چہروں پر نفرت تھی۔ ان میں سب سے پیچھے بدری نرائن تھا اور کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں ایک تماشا بنا ہوا ان لوگوں کے سامنے اطمینان سے بیٹھا رہا۔ ہمارے درمیان کسی جملے کا تبادلہ نہیں ہوا۔ تھانے کا دوسرا انسپکٹر بھی ان کے ہمراہ تھا، وہ لوگ کچھ دیر تک مجھے نظروں میں تولتے رہے پھر لوہے کی سلاخوں والے دروازے سے ہٹ گئے۔ وہ حیران تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ وہ اپنی آنکھوں سے یہ دیکھنے آئے تھے کہ کیا پولیس نے واقعی جمیل احمد خان کو پکڑا ہے؟ جب انہیں یہ خبر ملی ہو گی کہ میں بمبئی پہنچ گیا ہوں تو انہیں قرار نہیں آیا ہو گا۔ اس تھانے میں دو انسپکٹر کی ڈیوٹی تھی۔ پرشوتم نے شاید دوسرے انسپکٹر مہندر کو تاکید کر دی تھی کہ وہ میرا خاص طور پر خیال رکھے چنانچہ تھانے کا پورا عملہ میری خدمت میں لگا رہتا۔ سپاہیوں کے چہروں پر ایک خوف طاری تھا۔ جو سپاہی حوالات کے دروازے پر تعینات تھے، ان کی کوشش ہوتی کہ کسی طرح میری خوشنودی حاصل کر لیں۔ ایک دن گزرنے کے بعد حوالات کے دروازے سے ایک سپاہی نے داخل ہو کر میرے پیر پکڑ لیے اور مجھ سے اپنی نوجوان بہن کا پتا پوچھنے لگا جو گزشتہ ایک مہینے سے غائب تھی۔ وہ پیر چھوڑتا ہی نہ تھا، نتیجتاً مجھے اسے بتانا پڑا کہ اس کی بہن کہاں ہے۔ اس نے اپنے ایک آشنا کے ساتھ

Downloaded from Paksociety.com

بھاگ کے اس کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لی تھی اور سورت میں تھی۔ میں نے لڑکے اور لڑکی کا نام بتا دیا۔ وہ میرے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگا۔ سورت کا پورا پتا بھی میں نے بتا دیا کہ وہ کون سے محلے اور کون سے مکان میں مقیم ہے۔ میرے اس انکشاف کی تصدیق سے پہلے ہی مختلف سپاہیوں نے حوالات میں آ کر مجھ سے اپنے مسائل پوچھنے شروع کر دیے۔ وہ سب غریب لوگ تھے۔ میں ان کی پریشانیاں دور کرتا رہا اور انہیں مشورے دیتا رہا۔ صرف ایک دن میں تھانے کے عملے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ حوالات میں ایک بہت بڑا پہنچا ہوا آدمی بند ہے، نہ جانے کیا آفت آ جائے؟ سپاہی اپنے اپنے گھر سے عمدہ عمدہ پکوان لانے لگے۔ میں ان کا دل رکھنے کے لئے چند لقمے لے لیتا۔ اصل میں، مجھے سکون کی ضرورت تھی۔ دوسرے دن رات کو کچھ سکون میسر آیا۔ تھانے کا سارا عملہ سو گیا تھا۔ میں نے موقع غنیمت دیکھ کر تمام رات مراقبے میں گزار دی۔ سورج طلوع ہونے کے بعد پھر وہی ازدحام، وہی خاطر تواضع، وہی پذیرائی شروع ہو گئی۔ حوالات میں اس مزے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ سلسلہ اس وقت بند ہوا جب ایک وکیل اور پولیس کے چند اعلیٰ افسروں نے مجھے پرشوتم کے کمرے میں طلب کیا اور مجھ سے میری گزشتہ زندگی کے متعلق سوالات کیے۔ انہوں نے گوپال اور جگدیش کے قتل پر میرا بیان قلم بند کیا اور اس طرح عدالت میں پیش کرنے کے لئے قانونی دستاویز تیار کی۔ میں نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ میں نے دانستہ کوئی قتل نہیں کیا۔ انہوں نے حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ میں اگر انہیں قتل نہ کرتا تو وہ مجھے نذر آتش کر دیتے۔ میرے پُراسرار بیان پر طرح طرح کے سوالات کیے گئے۔ کسی کو بھی یقین نہیں آتا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، سچ کہہ رہا ہوں۔ ان کی نظروں میں شک اور خوف تھا، چونکہ انہوں نے زندگی میں پہلی بار ایک ملزم سے ایسی عجیب واردات قتل سنی تھی۔ میں نے ایک ایسا مبہم بیان دیا جس سے انہیں مجھے عدالت میں پیش کرنے میں آسانی ہو۔ دوپہر تک انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں سوالات کے لئے روکے رکھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں انگریزی سے نابلد ہوں اسی لیے میرے کسی جواب پر آپس میں انگریزی میں گفتگو کرتے تھے۔ ایک جگہ میں نے انہیں ٹوک دیا تو وہ سنبھل گئے اور پھر محتاط انداز میں گفتگو کرنے لگے۔

اسی شام وعدے کے مطابق سید غوث عمدہ سوٹ میں ملبوس مجھ سے ملنے آیا۔ وہ طویل رخصت پر آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اصرار کیا، گویا وہ سمجھ رہا تھا کہ وہ عدالتی اور قانونی موشگافیوں کا جال بچھا کر میری رہائی کا اہتمام کر لے گا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں نے حالات سے زچ ہو کر اپنے آپ کو خود عدالت کے حوالے کرنے پر آمادہ کیا ہے، مجھے یہ سن کر ہنسی آئی لیکن وہ بضد رہا کہ کسی اچھے وکیل کی خدمات ضرور حاصل کرے گا۔ اس نے مجھ سے میرے رشتے داروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں اور جو لوگ مجھ

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے وابستگی کا دعویٰ کرتے ہیں، میں انہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند نہیں کروں گا۔ سیّد غوث کی ہمدردی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ وہ حیدر آباد سے چل کر یہاں تک آیا تھا اور ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ میں نے اسے پریم کا پتا دیا کہ وہ میرا نام لے کر وہاں ٹھہر جائے۔ ساتھ ہی میں نے انکا کو ہدایت کی کہ وہ ڈاکٹر کے سر پر جا کر پریم کے گھر میں سیّد غوث کے قیام کے لئے فضا ہموار کرے۔ انکا کسی کام کے لئے منتظر ہی بیٹھی تھی۔ میرا حکم سن کر فوراً چلی گئی۔ سیّد غوث بھی تھوڑی دیر بعد چلا گیا۔ انکا کے جانے کے بعد مجھے ایک ہلکا پن سا محسوس ہوا۔ وہ بار بار مجھے خشمگیں نظروں سے دیکھتی تھی تو مجھے کچھ بار سا محسوس ہوتا تھا۔

اور پھر اپنے ذہن پر میں خود طاری ہو گیا۔ میں جمیل احمد خان میں سوچنے لگا۔ زندگی کتنی عذاب ناک چیز ہے۔ زندگی رہیئے تو زندگی کے بکھیڑوں میں الجھے رہیئے۔ آدمی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ زندگی ختم ہو جائے تو کائنات کی حرکت میں کیا فرق واقع ہوگا؟ تمام لوگ پیدا ہوتے ہی کیوں نہیں مر جاتے؟ میرا ذہن الجھا رہا اور ان الجھنوں کے درمیان مجھے سید کا چہرہ اپنے روبرو نظر آیا، وہی مستانہ چال، وہی قہقہے، اس نے زندہ رہتے ہوئے زندگی کا مذاق اڑایا تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے سید مجھ سے کہہ رہا ہو۔ ”سن احمق۔ زندگی موت ہے، موت زندگی ہے۔ ان دونوں مرحلوں سے آدمی کا گزرنا لازمی ہے کہ موت و زندگی کا فرق سمجھ میں آئے، یہ عالم جسے تو نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ یہ عالم اَن گنت مظاہر کی ایک جھلک ہے۔ لفظوں کا فرق ہے۔ موت و زندگی کے غلط معانی اخذ کر لیے گئے ہیں۔“ سیّد کا چہرہ دیکھ کر مجھ پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور میں حوالات میں بڑبڑانے لگا۔ مجھے اپنے جسم میں سوئیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ میرا دل چاہا کہ میں حوالات کی سلاخیں توڑ کر کہیں بھاگ جاؤں لیکن سیّد کی آغوش کوئی آسان آغوش نہیں تھی۔ مجھے تذبذب تھا کہ وہ اتنی آسانی سے میرے قریب نہیں آئے گا۔ میرے دل میں گناہوں کی پشیمانی تھی۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا تھا، میں اسے ایک عام آدمی کی طرح برداشت کر رہا تھا۔ یہ لوگ مجھے عدالت میں لے جانے والے تھے۔ اس سے پہلے بھی بمبئی میں مجھ پر مقدمہ قائم ہوا تھا اور مشہور بدمعاش کلن نے اپنے کیے کی سزا پائی تھی۔ واقعات خود کو دہرا رہے تھے لیکن اب بہت بڑا فرق واقع ہو گیا تھا، اب میں پہلے جیسا جمیل احمد خان نہیں تھا۔ میرا نام پرانا تھا، میرا جسم پرانا تھا مگر میرا ذہن اور میرا دل نیا تھا، جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ غور نہ کیا جائے۔ مزاحمت نہ کی جائے۔ ایک تنہا آدمی اپنی پُراسرار طاقتوں کے باوجود کیا کر سکتا ہے۔ مزاحمت سے بے گناہ لوگ لپیٹ میں آ کر مارے جاتے ہیں، سو جو کچھ ہو رہا ہے، اسے ہونے دیا جائے۔ سیّد غوث وکیل کی فکر میں تھا۔ میری وکالت کے لئے ہندوستان کا کون سا وکیل آمادہ ہوتا؟ لیکن یہ سیّد غوث کے خلوص کی انتہا تھی کہ اس نے ایک وکیل کو میرے مقدمے کے لئے تیار کر لیا۔ جب وہ میرے پاس اسے لے کر آیا تو وکیل میرے حالات سننے کے

بعد دنگ تھا، اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ انکا کو اپنے سر پر دیکھنا چاہتا ہے۔ میں نے انکا کو آواز دی۔ وہ اس وقت ڈاکٹر کے سر پر تھی۔ سیّد غوث اب ڈاکٹر اور اس کی خوب صورت لڑکی پریم کا مہمان تھا۔ تھوڑی دیر میں انکا آ گئی۔ میں نے اسے وکیل انوپ چندر کے سر پر بھیج دیا۔ وکیل کو میری باتوں کا یقین نہیں تھا مگر انکا کے سر پر جانے کے بعد وہ اچھلا اور پھر کہنے لگا۔ ”واقعی...... واقعی تم سچ کہتے ہو۔ یہ تو کوئی عورت ہے۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں۔“ وہ گھبرا کر بولا۔

سیّد غوث نے بھی اس کے بعد مجھ سے کہا کہ میں انکا کو اس کے سر پر بھیجوں۔ وکیل کے بعد انکا سیّد غوث کے سر پر چلی گئی۔

”کتنی خوب صورت گڑیا ہے۔“ وہ منمنایا۔ ”آہ۔ اسے تو جیب میں رکھنے کو جی چاہتا ہے۔“

میں مسکراتا رہا۔ انکا میرے سر پر آ گئی۔ ان دونوں کی نظروں میں حیرانی تھی۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے انکا کا جلوہ دیکھا تھا اور ساری بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ میری طویل اور خون آشام سرگزشت میں انکا کا کتنا دخل ہے۔ میں جو سادہ آدمی تھا، انکا نے، صرف انکا نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا؟ اسی ایک نکتے سے وہ میرے دفاع کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ حوالات میں مجھے ایک ہفتے تک ٹھہرنا پڑا۔ سیّد غوث اور وکیل بار بار مجھ سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ پھر مجھے آٹھویں روز خاص طور پر لگی ہوئی عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ ضروری کارروائی کے بعد سرکاری وکیل نے میرے خلاف ایک طویل بیان پڑھ کر سنایا جس میں اس نے میرے بھیانک ماضی کے معلوم اور نامعلوم واقعات سمیٹ کر ایک بہت ہی سیاہ اور مکروہ نقشہ کھینچا تھا اور میری پُراسرار طاقتوں کا بھی ذکر کیا تھا۔ اس نے عدالت کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ میں ہندوؤں، پنڈتوں، پجاریوں کا دشمن ہوں۔ میں نے مندروں میں گھس کر دنگا فساد کیا اور کئی پجاریوں کو ختم کر دیا۔ سرکاری وکیل نے بڑھ چڑھ کر الزامات عائد کیے۔ عدالت کی کارروائی فرقہ وارانہ فسادات کے ڈر سے بند کمرے میں خفیہ طور پر جاری تھی۔ یہ اپنی نوعیت کا سب سے عجیب اور دلچسپ مقدمہ تھا۔ ایک پُراسرار مجرم، ایک ایسا شخص جو بار بار پولیس کو چکما دے کر بھاگ چکا تھا۔ وہ اس وقت عدالت کے کٹہرے میں حاضر تھا۔ جج کی مدد کے لئے جیوری بھی موجود تھی۔ جج ایک پستہ قد، بزرگ شخص تھا۔ وہ انگریز تھا لیکن ہندوستانی بولی روانی سے بولتا تھا۔ جس وقت عدالت میں میرے خلاف فردِ جرم پڑھ کر سنائی گئی، اس وقت عدالت پر گہری خاموشی مسلط تھی۔ ہر شخص کا چہرہ مبہوت اور ساکت تھا۔ سیّد غوث کے پہلو میں پریم بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ میرا وکیل اپنی فائل پر تیزی سے نوٹ لے رہا تھا۔ ہر چند کہ مقدمے کی کارروائی خفیہ طور پر شروع ہوئی تھی لیکن پنڈتوں، پجاریوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا۔ اس میں عموماً زیادہ عمر کے پنڈت پجاری موجود تھے جن کے لئے علیحدہ کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ [illegible] مشہور زمانہ بدمعاش، جادوگر، زنا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کار، اغوا اور قتل کے معاملوں میں ملوث، ہندوؤں کا بدترین دشمن قرار دیا اور اس نے آخر میں عدالت سے درخواست کی کہ مجھے تاریخ کی سب سے ہولناک سزا دی جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرکاری وکیل کو فردِ جرم تیار کرنے میں بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں نے اس کی مدد کی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ پونا کا معذور و مفلوج شخص پنڈت تربینی داس بھی عدالت میں موجود تھا۔ تربینی داس کو عدالت میں دیکھ کر میرے اعصاب پر غصے کی ایک لہر گزر گئی۔ سرکاری وکیل کا بیان متعدد صفحات پر مشتمل تھا۔ عدالت کا بڑا وقت اس میں ضائع ہوگیا۔ میں اپنے کٹہرے میں نہایت اعتماد اور سکون سے اپنے خلاف سرکاری وکیل کی ہرزہ سرائیاں سن رہا تھا۔

"جنابِ والا! یہ شخص جو اس وقت فاضل عدالت کے روبرو کھڑا ہے، انتہائی ہولناک جرائم کا ارتکاب کر چکا ہے۔ میرے پاس گواہوں کی ایک فہرست موجود ہے جو برائے انصاف ہندوستان کے مختلف علاقوں سے طلب کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اس شخص کے سیاہ جرائم کے عینی شاہد ہیں۔" یہ کہہ کر وکیل سرکار نے اپنا بیان ختم کر دیا۔ جج نے میرے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالی اور عدالت کے لیے دوسرے دن کی تاریخ مقرر کر دی۔

عدالت برخاست ہونے کے بعد نم آنکھوں کے ساتھ پریم میرے پاس آئی۔ میرے ہاتھ میں ہتھکڑی دیکھ کر اس نے اسے چوم لیا اور اپنی گمبھیر آواز میں کہا۔ "آپ ہمت رکھیے۔ سیّد غوث میرے پاس ہیں، ہم دونوں آپ کو باعزت بری کرانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔"

جلد ہی مجھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ بمبئی جیل میں یہ میری دوسری حاضری تھی۔ جیل کے در و دیوار میرے شناسا تھے۔ وہاں کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا مسکن تھی۔ میں خود بھی چاہتا تھا۔ یہاں میں سکون سے اپنی مشقیں جاری رکھ سکتا تھا۔ ایسا سکون نہ رکن الدین کی حویلی میں میسر آ سکتا تھا، نہ کلدیپ کے استھان پر۔ یہ تو نندا کا تہ خانہ تھا۔ یہ جگہ تنگ تھی تاہم میرے باطن کا صحن کشادہ تھا۔ میں آتے ہی اپنے ارتکاز میں مستغرق ہو گیا۔ اس گوشہ نشینی میں مجھے جو لذت ملی، وہ بیان سے باہر ہے۔ انکا میری مشقوں سے اکتا کر پریم کے گھر چلی گئی۔ انکا شوخیاں چاہتی تھی۔ شوخیاں اور شرارتیں میرے پاس کہاں تھیں؟ وہ میرا ساتھ نبھا رہی تھی۔ جیل میں حوالات جیسا تپاک نہیں تھا لیکن کسی شخص نے میرے ساتھ زیادتی نہیں کی۔ رات کا کھانا وہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مکئی کی ایک روٹی اور پتلی دال۔ میں نے سیر ہو کر کھایا اور اپنی توجہ موجودہ واقعات سے ہٹانے کی کوشش جاری رکھی۔

دوسرے دن صبح ہی صبح مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ میں عدالت کی طویل کارروائی اختصار سے بیان کروں گا۔ میرے وکیل نے میرے حق میں ایک مختصر تقریر کی اور ثابت کیا کہ میں ایک بے گناہ شخص ہوں جس نے جو کچھ بھی کیا وہ اپنے ایما سے نہیں کیا اور میری سرگزشت آہوں اور آنسوؤں کی

سرگزشت ہے۔

اس کی مؤثر تقریر کے بعد سرکاری وکیل نے سب سے پہلا گواہ پیش کیا جو بمبئی کا ایک پنڈت بلوریہ تھا۔ یہ گوپال داس کے آشرم میں بدری نرائن اور جگدیش کے ساتھ آیا تھا۔ جگدیش کے قتل پر مبالغہ آمیز بیان دیا۔ اس نے میرے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا کہ میرے پاس انکا دیوی کی شکتی ہے جس سے میں نے ناجائز کام لیے ہیں اور ان گنت انسانوں کا خون کیا ہے۔

اس موقع پر جج نے مداخلت کی اور بلوریہ سے پوچھا۔ "یہ انکا دیوی کون ہے؟"

بلوریہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ان داتا! انکا دیوی بڑی بلوان اور شکتی والی دیوی ہے۔ اس کو پراپت (حاصل) کرنے کے لیے بڑا کٹھن جاپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ جس کے سر پر آ جاتی ہے، اس کے دن پھر جاتے ہیں۔ وہ جاپ کے بعد اپنے مالک کے کہے ہوئے پر چلتی ہے، اس دشٹ نے انکا دیوی کے ذریعے پنڈتوں، پجاریوں کے پوتر خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔" عدالت میں اس کے بیان پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

بلوریہ نے اسی پر بس نہیں کیا۔ وہ میرے خلاف مسلسل ہذیان بکتا رہا۔ اس کے بیان کے بعد میرے وکیل سے کہا گیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے عدالت سے درخواست کی کہ وہ پہلے تمام بیانات سننا چاہتا ہے، اس کے بعد منتخب گواہوں سے جرح کرے گا۔ عدالت نے اس کی بات تسلیم کر لی۔ بلوریہ کے بیان کے بعد جج نے خلافِ روایت سرکاری وکیل کو مخاطب کر کے پوچھا۔ "پہلے گواہ، فردِ جرم اور وکیل صفائی کے بیان کے بعد عدالت کو ایک وضاحت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس مقدمے کی حیرت انگیز ابتدائی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مافوق الفطرت واقعات کی بھرمار ہے۔ پجاری بلوریہ کے بیان کے مطابق ملزم جمیل احمد خان کے قبضے میں انکا دیوی کی پُراسرار شکتی ہے۔ عدالت کو اس امر پر غور کرنے کے لیے وقت چاہیے کہ کیا ہم کسی مافوق الفطرت واقعے یا مظہر کو ثبوت کی حیثیت سے تسلیم کر سکتے ہیں؟"

سرکاری وکیل کے جواب دینے سے پیشتر میرا وکیل انوپ چندر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے جج کی اجازت سے جواب دیا۔ "پُراسرار طاقتیں اس مقدمے کی بنیاد ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا پُراسرار طاقتیں اس مادی دنیا میں موجود ہیں؟ ہمارے قدیم ویدوں میں جا بجا ان کا تذکرہ ہے۔ آئے دن ہمیں ایسے واقعے سننے کو ملتے ہیں جو عام انسانی عقل میں نہیں آتے۔ سرکاری وکیل نے بھی استغاثے میں کئی جگہ جمیل احمد خان کی پُراسرار طاقتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلے گواہ کا بھی یہی بیان ہے۔ ایسے محیر العقول واقعات انسانوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ ان کا اگر ہماری زندگی سے کوئی تعلق ہے اور یہ مظاہر اتنے بڑے واقعات کا سبب بن سکتے ہیں تو ہم انہیں کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں؟ فاضل عدالت سے درخواست ہے کہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

پہلے وہ یہ تسلیم کرے کہ کچھ ماورائی قوتیں ہمارے درمیان، ہماری دنیا میں موجود ہیں۔ کچھ لوگ غیر معمولی ماورائی طاقتوں کے مالک ہوسکتے ہیں اور کچھ لوگ ان طاقتوں کی زد میں آسکتے ہیں۔ اگر ہم نے اس مقدمے میں پُراسرار طاقت کے وجود سے انکار کردیا تو ہم یہ کارروائی جاری نہیں رکھ سکتے، عدالت کا کام مشکل ہوجائے گا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا چاہیے۔''

اس دن پھر عدالت موقوف ہوگئی۔ تیسرے دن عدالت نے کوئی وضاحت کیے بغیر مقدمے کی کارروائی جاری رکھی اور یکے بعد دیگرے میرے خلاف گواہ پیش ہوتے رہے۔ سپاہی، انسپکٹر، سادھو، پجاری، پنڈت...... میرا وکیل تیزی کے ساتھ اپنی فائل پر اندراجات کرتا رہا اور سرکاری وکیل نہایت فخر سے اپنے گواہوں کو پیش کرتا رہا۔ مجھ پر سنگین ترین اور شدید ترین الزامات عائد کیے گئے۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر گواہ لا رہے تھے۔ عدالت میں میرے کٹہرے کے گرد روز پہرے داروں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ سنگین بردار پولیس والے اب سنگینیں تانے میرے گرد کھڑے رہتے تھے۔ میں ان کا زہر پی رہا تھا اور مجھے اس طوالت سے کوفت ہو رہی تھی۔ جج فیصلہ کیوں نہیں کر دیتا؟ یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے؟ سید غوث اور میرے وکیل انوپ چندر کا اصرار تھا کہ میں عدالت میں نظم و ضبط قائم رکھوں اور پُرسکون طور پر تمام واقعات سنتا رہوں لیکن ایک دن میرا خون کھول اٹھا جب کلکتے کے ایک دبلے پتلے پجاری نے کالی کے مندر میں زبردستی گھسنے اور ایک سادھو کو قتل کرنے کے الزام کے ساتھ ساتھ عدالت کو بتایا کہ میں نے ایک ہندو لڑکی مالا کو اغوا کر کے اس سے شادی کی اور پھر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بیان کے مطابق مالا سے پہلے میں ایک مسلمان لڑکی نرگس کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ اس وقت میری انگلی بے اختیار اٹھ گئی، انکا کا بھی طیش کے مارے برا حال ہوگیا۔ عین اسی وقت گواہوں کے کٹہرے کے اوپر چھت کا ٹکڑا گر پڑا اور کلکتے کا پجاری بلبلاتا ہوا کٹہرے میں ڈھیر ہوگیا۔ عدالت میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ تمام لوگوں کی نگاہیں چھت پر تھیں۔ چھت گرنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں تھا، اس لیے کہ عدالت کی پختہ عمارت میں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ سپاہیوں نے بڑھ کر ملبے میں آہ و بکا کرتے ہوئے پجاری کو باہر نکالا۔ اس کے جسم سے کئی جگہ کھال ادھڑ گئی تھی اور ایسی مخدوش حالت تھی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ جج نے تیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ شاید وہ میری خوں بار نظروں کی تاب نہ لاسکا۔ اس نے اپنی نظریں جھکالیں اور عدالت فوراً برخاست کردی۔ اس کے بعد جیل میں مجھے ایک دوسری کوٹھری میں مقیم کردیا گیا اور ایک مسلح دستہ میری نگرانی کے لیے تعینات کردیا گیا۔

متعدد گواہوں کے سنسنی خیز انکشافات، عینی شاہدوں کی روداد، پولیس افسروں کے ناقابل یقین بیانات کے بعد یہ بات پندرہویں روز کسی حد تک صاف ہوگئی کہ مجھے سزائے موت ملنی چاہیے۔ اتنے گواہ پیش ہوچکے تھے کہ میں اگر تفصیل [illegible]

سولہواں روز سب سے آخر میں مفلوج و معذور پنڈت تربینی داس کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے روتے اور بلکتے ہوئے عدالت کو بتایا کہ اس کی شکستہ حالت کا ذمے دار صرف ایک شخص ہے اور وہ میں ہوں۔ اس نے انکا کے آنے اور جانے کا خود ساختہ پورا واقعہ سنایا۔ درمیان کے واقعات وہ حذف کر گیا۔ عدالت میں اس کا بیان اتنا مؤثر اور دردناک تھا کہ جج کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ کئی بار جج کو مداخلت کرنی پڑی۔ تربینی نے انکا کے بارے میں ایک بار پھر تفصیل سے عدالت کو بتایا کہ وہ کیا طاقتیں رکھتی ہے اور میں نے اس سے کون کون سے خطرناک کام لیے ہیں۔ تربینی داس کو میں نے بڑی شدید سزا دی تھی مگر شاید وہ اپنی سزا بھول گیا تھا۔ یقیناً وہ کبھی عدالت میں میرے سامنے نہ آتا اگر بدری نرائن اور اس کے گرگے اسے مجبور نہ کرتے۔ اسے اپنے سامنے کٹہرے میں کھڑا دیکھ کر مجھے بہت سی باتیں یاد آگئیں۔ ان دنوں کے زخم تازہ ہوگئے۔ میں اس کی زبان کھینچ سکتا تھا۔ میں اسے اپنی ایک انگلی سے زمیں بوس کر سکتا تھا۔ میں اس کے جسم کے پرخچے اڑا سکتا تھا مگر اب اس میں رہ کیا گیا تھا؟ میں نے اسے جانے دیا۔ اس سے پہلے اور بھی لوگ بہت کچھ بول چکے تھے۔

عدالت میں تربینی کے بعد میرے خلاف گواہوں کا سلسلہ بند ہوگیا۔ بدری نرائن کے سوا تمام قابل ذکر پجاری وہاں موجود تھے۔ یہ مقدمہ روز بہ روز پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ روزانہ میرے بارے میں نئے نئے انکشافات ہوتے، میری شخصیت کا ایک خوف ساری عدالت پر مسلط تھا۔ پریم بھی سہمی ہوئی تھی۔ صرف سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ابھی تک پُرعزم دکھائی دیتے تھے۔ سرکاری وکیل نے اپنے تمام گواہ پیش کردیے اور اس کے ترکش میں کوئی تیر نہ رہا تو اسی وقت عدالت کا دروازہ کھلا اور میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ گلبرگے کا پجاری، آنند لال خراماں خراماں سرکاری وکیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس نے آگے آکر سرکاری وکیل کے کان میں کچھ کہا اور سرکاری وکیل نے جج سے اجازت لی کہ وہ ایک اور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے، جس کا نام آنند لال ہے اور جو ہندو دھرم کا ایک بڑا عالم شخص ہے۔ آنند لال جج کی اجازت سے کٹہرے میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر عدالت پر ڈالی۔ اس نے زیر لب کچھ پڑھا اور صاف انداز میں عدالت سے مخاطب ہوا۔

''مہاراج! میں آنند لال، ہندو دھرم کا سیوک ہوں، میرا سارا جیون تپسیا میں گزرا ہے۔ میں نے شاستریں پڑھی ہیں اور ویدوں میں جان کھپائی ہے، دیوی نے مجھے نوازا ہے۔ میں دیوی کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔''

''آنند لال مہاراج!'' وکیل سرکار نے بڑے ادب سے اسے مخاطب کیا۔ ''ہم جانتے ہیں کہ آپ مہان ہیں۔ پرنتو اس سمے آپ عدالت کے سامنے ایک گواہ کی حیثیت سے پیش ہو رہے ہیں۔ آپ کو جمیل احمد خان کے بارے میں جو کچھ علم ہے اسے عدالت کے روبرو بیان کر دیجیے تاکہ مجرم کے خلاف

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

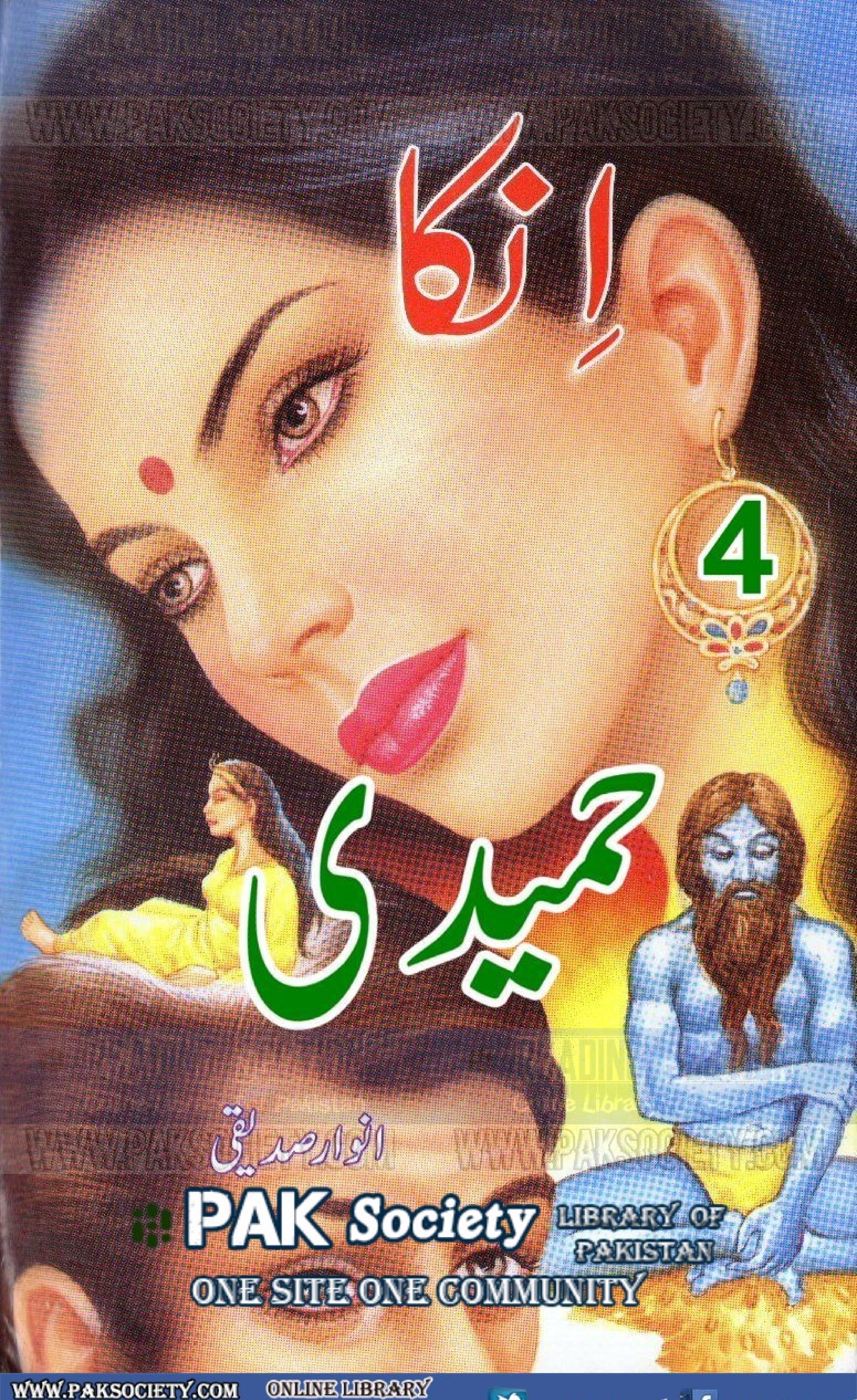

WWW.PAKSOCIETY.COM
PAK Society LIBRARY OF PAKISTAN
ONE SITE ONE COMMUNITY
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

® Scanned PDF By HAMEEDI

ٹھوس ثبوت کی روشنی میں کوئی آخری فیصلہ صادر کیا جائے۔ آپ کی گواہی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔"

آنندلال نے ایک اچٹتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھا۔ میرے سر پر انکا براجمان تھی۔ انکا نے مجھے ٹہوکا دیا کہ میں اس کی نظروں کا جواب نہیں دے رہا ہوں۔ آنندلال عدالت سے رجوع ہو کر بولا۔

"میں عدالت سے پرارتھنا کروں گا کہ جمیل احمد خان صاحب کو نردوش قرار دے کر باعزت طور پر بری کر دیا جائے اور ان کے بجائے پنڈت بدری نرائن کو سزا دی جائے۔ اصل مجرم وہی ہے۔"

عدالت میں اچانک کھلبلی مچ گئی۔ پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے۔ وکیل سرکار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جج اور جیوری کے ارکان اپنی اپنی کرسیوں پر پہلو بدلنے لگے لیکن آنندلال نے اپنا بیان جاری رکھا۔ اس نے مجھے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے حقائق پیش کیے اور بدری نرائن کو تمام واقعات کا مجرم ثابت کرتے ہوئے عدالت سے درخواست کی کہ اسے کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔ آنندلال نے کہا۔ "جمیل احمد خان مہاپُرش ہیں۔ اپنے پچھلے سمے میں انہوں نے انکا دیوی کے کہنے پر مجبوراً عمل کیا۔ اگر انکا دیوی ان کے پاس خود بخود نہ جاتی تو آج جمیل احمد خان اس طرح عدالت میں مجرموں کی طرح نہ کھڑے ہوتے۔ ان کی زندگی سب کو ایک اپدیش دیتی ہے۔ وہ حالات سے یدھ (جنگ) کرتے رہے۔ دشمن ان کے پیچھے لگے رہے۔ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے انکا دیوی کی شکتی کم تھی، اس لیے انہوں نے خود اپنے اندر کی سوئی ہوئی شبستاں جگائیں۔ وہ اب اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہمیں ان کے ساتھ عزت کا سلوک کرنا چاہئے۔ جمیل احمد خان ایک بدلے ہوئے آدمی ہیں۔"

آنندلال کا بیان جتنی دیر تک جاری رہا، عدالت پر موت کا سکوت طاری رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے حاضرین کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ بیان ختم ہوا تو میں نے براہ راست آنندلال کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "آنندلال! تم نے میری بھلائی میں بہت کچھ کہا ہے۔ اس سے پہلے بہت سے بیان ہو چکے ہیں، مجھے یقین ہے تمہارے بیان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کے باوجود میں تم سے سوال کروں گا کہ تم مجھے کب سے جانتے ہو؟ پہلی بار تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا؟ ہماری تمہاری ملاقات کتنی دیر کی تھی؟"

"مہاراج!" آنندلال نے مجھے دیکھتے ہوئے بڑی عقیدت سے کہا۔ "میں نے تمہارے درشن پہلی بار گلبرکہ میں کیے تھے۔ ہماری ملاقات چند لمحوں کی تھی۔ پرنتو اس تھوڑے سمے میں، میں نے جان لیا کہ میں کس کے سامنے ہوں۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم نردوش ہو۔ تم مجھے ایک صاف پُرش دکھائی دیئے۔ بدری نرائن اور اس کے مورکھ ساتھیوں نے تمہیں دھرم کے نام پر بلیدان کرنے کی ٹھانی ہے، پر مجھے خبر ہے مہاراج کہ تم کیا ہو۔ میں ایک بہت بڑے سمے کے بعد اپنے استھان سے صرف تمہارے لیے اٹھ کر یہاں تک آیا ہوں۔"

آنندلال کو زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ جس وقت وہ کٹہرے سے باہر آیا، عدالت میں موجود پنڈتوں، پجاریوں کے چہرے غضب آلود ہو گئے۔ کارروائی اگلے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔ پولیس کا مسلح دستہ مجھے باہر لے جانے لگا تو آنندلال بڑی پھرتی سے پولیس کا حلقہ توڑ کر میرے قریب آیا اور میرے گھٹنے پکڑ کر بولا۔

"مہاراج! یہ کیا ہو رہا ہے؟ مہاراج تم نے گلبرکہ میں مجھے چھوڑ دیا تھا لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں باقی جیون تمہارے چرنوں میں بتانا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

اس سے قبل کہ میں کوئی جواب دیتا، ایک پولیس انسپکٹر نے جو آنندلال کی باتوں پر سرخ ہو رہا تھا، آگے بڑھ کر اسے زور سے دھکا دیا۔ آنندلال نحیف و لاغر تھا، ایک ہی دھکے میں فرش پر الٹ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی رگیں تن گئیں اور آنکھیں شعلہ ہو گئیں۔ اس کے ہونٹ متحرک ہو گئے۔ وہ پولیس انسپکٹر کو سزا دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ میں نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا۔

"نہیں آنندلال نہیں۔ دھیرج رکھو۔ رک جاؤ۔ ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھ سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ درگزر کی عادت ڈالو، اسی میں مُکش کی مکتی ہے۔"

لیکن آنندلال اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ انسپکٹر کھڑے کھڑے ایک دھاڑ کے ساتھ فرش پر گرا۔ اس کی آنکھیں ابل آئیں، اس کے سر کے بال اڑ گئے اور ناک سے خون بہنے لگا جس نے اس کا سارا چہرہ لہولہان کر دیا۔

"مہاراج، مجھے مت روکو۔ مجھے آگیا دو۔ میں اس ساری عدالت کو خون میں نہلانا چاہتا ہوں۔ اس مورکھ نے سوچا نہیں کہ اس نے کسے چھیڑنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا، آنندلال، تمہارا علم ادھورا ہے۔ صاف اور سچا نہیں۔ تمہارے من میں کھوٹ ہے۔ مُنش بنو۔ جس دن تم مُنش بن گئے، تم مجھ سے دور نہ ہو گے۔" میں نے کہا۔

انسپکٹر کی تشویش ناک حالت پر عدالت میں خوف و ہراس دوڑ گیا۔ اس مقدمے کے دوران میں عجیب واقعات پیش آ رہے تھے۔ مجھے وہاں سے فوراً لے جایا گیا۔ چلتے چلتے میں نے آنندلال کی آواز سنی جسے پنڈتوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ "مہاراج...... میرا ساتھ نہ چھوڑو۔"

مجھے اس کا جواب دینے کی مہلت نہیں ملی، باہر پولیس کی گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی روانہ ہوئی تو میں نے دیکھا۔ آنندلال کے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ہیں۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کر گزروں لیکن میں پیر پٹختا ہوا شدید غصے اور غم کی حالت میں اپنی مٹھیاں بند کیے رہا۔

☆......☆......☆

سترہویں روز کچھ اور مکدر فضا میں عدالت کا جلسہ ۶.۰ ۱۹۷۶ء چندر کی درخواست پر عدالت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

نے تربینی، بلوریا اور میرے خلاف دوسرے گواہوں کو طلب کیا اور ان سے جرح کرتا رہا۔ سرکاری وکیل نے اسے بار بار ٹوکا لیکن انوپ چندر نے کمال مہارت سے گواہوں پر جرح کی۔ کئی جگہ گواہ اٹک گئے اور اپنے سابق بیان سے منحرف ہو گئے۔ اس جرح سے انوپ چندر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ ردعمل کے طور پر کیا۔ پہل کہاں سے ہوئی؟ کس نے کس کے ساتھ ظلم کیا؟ انکا کو کہاں کہاں استعمال کیا گیا؟ یہ بحث اگرچہ بہت حیرت انگیز ہے مگر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

"جب انکا کسی فرد کے سر پر جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے یا آقا کی؟"

"آقا کی۔" تربینی نے کہا۔

"اور جب اس کا باقاعدہ جاپ کیا جائے تو اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے؟ وہ کسی کے حکم کے تابع ہوتی ہے؟ یا حکم چلاتی ہے؟"

"وہ حکم کی تابع ہوتی ہے۔"

"یہ نکتہ بطور خاص عدالت کو نوٹ کرنا چاہیے۔" انوپ چندر جوش سے بولا۔ "واقعہ یوں ہوا کہ میرے مؤکل جمیل احمد خان کے سر پر اچانک ایک رات انکا دیوی آ گئی۔ اس نے اسے مجبور کیا کہ وہ اس کے احکام پر چلے۔ انکا ایک ایسا ریوالور تھی جو کسی پر تان لیا جائے تو وہ شخص بے بس ہو جاتا ہے، جمیل احمد خان بے بس ہو گیا تھا۔ اس نے انکا دیوی کے اشارے پر عمل کیا۔ انکا نے اسے خوش حال و مالا مال کر دیا۔ جمیل احمد خاں نے اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی تو اسے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا۔ آخر جمیل احمد خاں نے زچ ہو کر اس سے مفاہمت کر لی۔ وہ مجبور تھا۔ انکا نے اسے کچھ ایسے حالات میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ بہت دور نکل گیا پھر انکا اس کی عادت بن گئی اور جب مختلف لوگ اس کے جاپ میں کامیاب ہوتے گئے تو انکا ان کے سر پر جاتی رہی۔ جمیل احمد خان صرف انکا کی وجہ سے مختلف قسم کی الجھنوں اور معاملوں میں ملوث ہو چکا تھا، اس لیے اسے اپنے تحفظ کے لئے انکا کی ضرورت تھی۔ یہ تحفظ اسے بھی حاصل ہو سکتا تھا جب اسے انکا حاصل ہو...... پھر جب تربینی نے......" انوپ چندر نے اس کے بعد سحر انگیز انداز میں میری مکمل روداد سنائی اور سارا الزام بدری نرائن پر عائد کر دیا۔ اس نے عدالت سے درخواست کی کہ بدری نرائن کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ عدالت نے بدری نرائن کو حاضر ہونے کے احکام صادر کر دیئے۔

مگر بعد از تلاش بسیار، بدری نرائن کا پتا نہیں چلا۔ اس کے انتظار میں عدالت روز آئندہ دن کے لئے ملتوی ہوتی رہی اور آخر پولیس نے اپنی ناکامی کا اعتراف کر لیا۔ بدری نرائن کی عدم موجودگی میں دوبارہ مقدمے کی کارروائی شروع ہوئی اور جج نے اعلان کیا۔ "چونکہ اس مقدمے کا تمام تر انحصار انکا دیوی کی پُراسرار شکتی پر ہے اس لیے عدالت کو اس کے متعلق کچھ وضاحتیں درکار ہیں۔" پھر جج نے براہ

Downloaded from Paksociety.com

راست مجھ سے سوال کیا۔

"کیا اس وقت انکا دیوی تمہارے پاس ہے؟"

"ہاں۔" میں نے اکتا کر جواب دیا "وہ میرے سر پر بیٹھی ہے۔"

"کیا عدالت کسی طرح انکا دیوی کے وجود سے آگاہ ہو سکتی ہے؟"

انکا نے مجھ سے کہا۔ "جمیل کہو تو اس بڈھے کے سر پر چلی جاؤں اور ننگی کا ناچ دکھاؤں۔"

"یہ انکا پر منحصر ہے کہ عدالت کے مختلف معزز ارکان کو اپنا جلوہ دکھائے۔" میرے بجائے میرے وکیل نے جواب دیا۔

"اگر وہ جمیل احمد خان کے تابع ہے تو ثبوت کے لئے اسے انکا کے وجود سے عدالت کو مطمئن کرنا چاہئے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟" جج نے کہا۔

میرے وکیل نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسی وقت انوپ چندر نے کہا۔ "معزز عدالت میں ہر شخص کے سامنے انکا اپنا جلوہ نہیں دکھا سکتی۔ ہاں چند شکتی والے لوگ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ میں انکا دیوی سے درخواست کروں گا کہ وہ معزز جج کے سر پر جا کر اپنے وجود کا احساس دلائے۔"

جج نے کئی بار پہلو بدلا اور پھر وہ اچانک کرسی سے اچھل گیا۔

"آہ......اوہ" وہ چلایا۔ "انکا دیوی!" اس کے ہاتھ پرنام کرنے کے انداز میں خود بخود اٹھ گئے۔ "انکا دیوی۔ ارے......" جج کو اپنی حیثیت کا بھی احساس نہیں رہا اور وہ بھری عدالت میں اچھلنے کودنے لگا۔ "یہ سچ ہے۔ انکا دیوی میرے سر پر موجود ہے۔ کمال ہے ارے وہ مجھ سے کہہ رہی ہے کہ جمیل احمد خان بے قصور ہے۔ وہ شرما رہی ہے، کتنی نازک ہے وہ۔"

"انکا واپس آ جاؤ۔" انوپ چندر نے حکم دیا۔

جج نے اس موقع پر انوپ چندر سے درخواست کی۔ "اسے کچھ دیر میرے سر پر رہنے دو۔" انگریز جج اپنا احترام کھو رہا تھا۔ وہ بالکل بچہ بن گیا۔ یقیناً انکا اس کے سر پر شوخیاں کر رہی ہوگی۔

انکا ایک لمحے میں میرے پاس واپس آ گئی اور جج متحیر نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد جیوری کے ارکان کے پاس انوپ چندر نے انکا کو بھیجا۔ وہ سب جج کی طرح باری باری مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگے۔ انکا ان سے شرارتیں کر رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے عدالت عدالت نہ رہی۔ کوئی شعبدہ گاہ بن گئی۔ انکا ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی تھی۔

اس نے جیوری کے ارکان اور جج کو خوب پریشان کیا اور جب واپس میرے سر پر آئی تو عدالت میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ سرکاری وکیل نے کھڑے ہو کر عدالت سے کہا۔ "می لارڈ۔ یہ تھی انکا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ایک پُراسرار شکتی۔ عدالت نے جس کے وجود کا یقین کیا ہے۔ ہم انکا دیوی کو سزا نہیں دے سکتے لیکن ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان نے خون اور آگ کی ہولی کھیلی اور نہ جانے کتنے انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کا آخری نشانہ گوپال داس اور جگدیش جیسے مہاپُرش تھے۔"

اسی وقت انوپ چندر نے مداخلت کی۔ "می لارڈ۔ گواہوں کے بیانات اور جمیل احمد خان کی افسوس ناک سرگزشت سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ انکا کا کردار اس تمام واقعے میں سب سے بنیادی ہے۔ سرکاری وکیل کا کہنا ہے کہ جمیل احمد خان نے انکا کے ذریعے خون خرابا کیا۔ یہی بات اس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے کہ انکا کے ذریعے جمیل احمد خان بدترین حالات کے لئے مجبور ہو گیا۔ وہ اپنی مرضی کا مختار نہیں تھا۔ انکا کی وجہ سے اس کے بہت سے دشمن ہو گئے۔ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ انکا اس کے پاس خود آئی تھی۔ باقی لوگوں نے اس کے حصول کے لئے جاپ کیا تھا۔ کیا ایسا شخص جو ایک پُراسرار طاقت کا تابع ہو، خود مختار ہو سکتا ہے؟ جمیل احمد خان کا جرم یہ ہے کہ اس کے پاس انکا تھی۔ تمام پنڈت، پجاری اس کے دشمن ہو گئے تھے کیونکہ وہ جمیل احمد خان کے پاس انکا کو دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔"

"نہیں...... می لارڈ!" سرکاری وکیل دہاڑا۔ "وکیل صفائی غلط سمت میں عدالت کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انکا دیوی کو ملزم نے اپنی خواہشوں کے لئے استعمال کیا اور پھر کسی انسانی قدر کا خیال نہیں رکھا۔"

ان دونوں میں دیر تک یہ نوک جھوک ہوتی رہی کہ انکا کے ذریعے میں نے خون خرابا کیا یا انکا نے ایسی صورت پیدا کر دی کہ میں مجبور ہو گیا؟ عدالت اس بحث کے بعد ملتوی ہو گئی اور فیصلے کے لیے تین دن بعد کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ مجھے پھر جیل بھیج دیا گیا۔ تین دن تک میں اپنے خیالات میں مگن رہا۔ اس دوران میں، سید غوث اور میرا وکیل انوپ چندر ایک بار مجھ سے ملنے آئے اور مجھے دلاسا دے کر چلے گئے۔ ان کے چہرے کچھ زیادہ درخشاں نہیں تھے۔ پریم بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ رو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میرے کیسے کیسے دوست، کیسے کیسے دشمن ہیں۔ اس لڑکی سے چند دن کی ملاقات ہے اور وہ میرے تمام جرائم سننے کے باوجود میری خیر خواہی کی کیوں اتنی طالب ہے؟

تین دن بعد عدالت کا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ یہ ایک خفیہ اور بند عدالت تھی لیکن اس دن عام دنوں سے زیادہ ہجوم تھا۔ مجھے کٹہرے میں لایا گیا۔ انکا عدالت میں مضطرب چہرے دیکھ کر بولی۔ "جمیل! تم یہ کیا کر رہے ہو۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ مجھے جج کے سر پر جانے کی اجازت دو۔ میں فیصلہ کراتی ہوں۔"

"نہیں انکا۔" میں نے افسردگی سے کہا۔ "میں اپنی موت کے فیصلے کا منتظر ہوں۔"

"تم مرنا چاہتے ہو لیکن تم بھول گئے کہ کلدیپ اور ترئین ابھی زندہ ہیں۔ تمہارے مرنے کے

بعد ان کا کیا ہوگا؟"

"اس وقت ان کی یاد کیا دلاتی ہو۔ میں نندا کی تعلیم پر عمل کر رہا ہوں۔ نندا موت کی تلاش میں تھا۔ موت ایک دائمی سکون ہے۔ موت ایک طویل اور لافانی مراقبہ ہے۔"

"سنبھلو جمیل!" انکا تشویش سے بولی۔ "پانی سر سے گزر رہا ہے۔"

"گزر جانے دو۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ میں تنہا اس دنیا میں اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں لڑ سکتا۔ میں نے یہ فیصلہ جان بوجھ کر کیا ہے۔ میرے زوال سے کشت و خون کا یہ سلسلہ بند ہو جائے گا۔"

اسی لمحے جج کی آواز عدالت کا پُرسکون ماحول توڑتی ہوئی ابھری۔ وہ گمبھیر آواز میں میرے جرائم کی فہرست سنانے لگا۔ اس کے چہرے پر کرختگی اور نفرت کی علامتیں موجود تھیں۔ مجمع پر گہرا سکوت طاری تھا۔ سب کی نگاہیں اسی کی طرف مرکوز تھیں۔ جج بڑی روانی سے اپنا فیصلہ سناتا رہا۔ معاً پچھلی نشستوں پر بیٹھا ہوا ایک بوڑھا پجاری اٹھا۔ جج نے اس مداخلت پر منہ بنایا اور پوچھا۔

"کیا پریشانی ہے؟"

اس نے کہا۔ "جمیل احمد خان، حسب منشا فیصلے کے لئے انکا کا اثر استعمال کر سکتا ہے اس لیے انکا کو کچھ دیر کے لئے میرے سر پر بھیج دیا جائے۔"

جج نے مجھے انکا کو بھیج دینے کا حکم دیا۔ میں نے کسی حجت اور پس و پیش کے بغیر انکا کو اس کے سر پر بھیج دیا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا اور اس نے کہا۔ "فاضل عدالت اپنا فیصلہ جاری رکھے۔ انکا دیوی میرے سر پر ہے۔"

جج کے فیصلے کے ابتدائی صفحات میں میرے گھناؤنے جرائم کی فہرست درج تھی، وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ تاریخ کا سب سے منفرد مقدمہ ہے۔ قانون میں پُراسرار مظاہر، دلیل اور ثبوت تسلیم کرنے کی کوئی شق نہیں ہے۔ تاہم عدالت نے خود اپنی آنکھوں سے انکا دیوی کو دیکھا ہے۔ ہمیں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے انکا دیوی کا وجود تسلیم کرنا ہوگا۔ انکا کئی بار جمیل احمد خان کے سر پر آئی اور گئی۔ کبھی عطیے کے طور پر، کبھی ایک وظیفے سے۔ بدری نرائن سے جمیل احمد خان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انکا کو ترینی سے حاصل کرنے کے بعد اس کے سر پر گاہے گاہے بھیج دے گا لیکن جمیل احمد خان اپنے وعدے سے پھر گیا۔ نتیجتاً اس کے اور بدری نرائن کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہو گئی جو کئی لوگوں کی موت کا سبب بن گئی۔"

جج بول رہا تھا۔ اچانک مجمع میں بھنبھناہٹ ہوئی۔ ایک مستانہ نعرے نے در و بام ہلا دیئے۔ میں نے تڑپ کر پیچھے کی سمت دیکھا۔ دروازے پر سید نمودار ہوا۔ سید، وہی مجذوب کامل، پیر و مرشد گلبرگہ کا قلندر۔ اس کے ہاتھ میں اس کی مخصوص لاٹھی تھی اور اس کے کپڑے جگہ جگہ سے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھے۔منہ سے بری طرح رال ٹپک رہی تھی۔داڑھی میں غذا کے ریزے اٹکے ہوئے تھے۔وہ کسی بجلی کی طرح عدالت میں چمکا اور کسی آتش فشاں کی طرح گرجنے لگا۔اس نے اپنی لاٹھی زور سے زمین پر ماری۔ اس کی لاٹھی کی آواز سے کمرا لرز گیا۔وہ مجھ سے کہنے لگا۔''شرم کر۔اندھیر نہ کر۔''

میں نے وہیں جوشِ مسرت میں آواز دی۔''یہ تمہاری سنگ دلی کے خلاف احتجاج ہے۔میں یہاں اسی لیے آیا ہوں،اب داستان ختم ہونے کو ہے۔''

اس نے ایک قہقہہ لگایا۔''کیوں ٹھٹھول کرتا ہے؟کیا تیرے ہاتھ میں وقت چھپا ہوا ہے۔وقت کے آگے نہ آ۔وقت کو دانہ ڈال۔''

''میں وقت کے قریب آ رہا ہوں۔''میں نے چیخ کر کہا۔

''تو کون ہوتا ہے،تیرے لیے ابھی زمین طے نہیں ہوئی۔''

''میں کسی کے پاس گھس جاؤں گا۔''میں نے کہا۔

''تو انگوٹھا چوس رہا ہے۔''سید دہاڑا۔عدالت چند لمحوں کے لیے سکتے کی کیفیت سے دوچار رہی۔ پھر جج نے تڑپ کر پوچھا۔''کون ہے؟''

اس کے بولتے ہی سپاہیوں نے سید کو پکڑ لیا اور سید مجذوب کو دھکا دے کر بے دردی سے عدالت کے کمرے سے نکالنے لگے۔سید نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور اسے زور سے زمین پر مارا۔اور سب اوندھے منہ زمین پر گر گئے مگر فوراً دوبارہ اٹھ کر سید سے لپٹ گئے۔سید نے پھر لاٹھی دراز کی اور جج سے بولا۔ ''اس قلم کو کیا دیکھتا ہے۔لے اس قلم سے فیصلہ لکھ۔''اس نے ایک قہقہہ لگایا۔''تو فیصلے لکھے گا۔فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے،کیوں ٹھٹھول کرتا ہے مسخرے۔''

''اسے نکالو۔''جج مشتعل ہو کر بولا۔''میں جا رہا ہوں،تو فیصلہ لکھ۔''سید نے کہا۔اسے دروازے سے دھکا دے کر باہر کر دیا گیا۔

سید کی آمد سے میرے قلب کی کیفیت حیرت انگیز طور پر بدل گئی۔وہ اداسی،ناشادمانی،مایوسی رخصت ہوگئی تھی اور میں ایک اعتماد کے ساتھ کھڑا تھا۔عدالت کو اپنی کارروائی جاری رکھنے کے لئے تھوڑی دیر لگی۔جج نے دوبارہ اپنا فیصلہ سنانا شروع کر دیا۔اس مرتبہ اس کی آواز میں دم خم نہیں تھا۔وہ لرز رہا تھا۔اس نے قلم اٹھا کر فیصلے پر کچھ ترمیم کی اور ایک سراسیمہ نظر مجھ پر ڈال کر حاضرین سے مخاطب ہوا۔''ہر چند کہ گواہیاں اور شہادتیں جمیل احمد خان کے خلاف ہیں لیکن اس معاملے میں ایسی طاقتیں ملوث معلوم ہوتی ہیں جو عدالت کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔عدالت نے تمام حقائق کی روشنی میں حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جمیل احمد خان کو اس مقدمے میں ملوث کرنے کے لئے واقعات مسخ کر کے پیش کیے گئے ہیں۔چند ذاتی دشمنیوں کو مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی گئی

ہے۔ان کی زندگی میں،پُراسرار زندگی میں پُراسرار طاقتوں کے عمل دخل کو عدالت کس نوعیت سے دیکھے؟ انصاف اس وقت ہو سکتا ہے جب عدالت تمام حقائق سے آگاہ اور مطمئن ہو جائے،عدالت شبہے، عدالت کی عدم واقفیت اور حقائق کی پیچیدگی کی بنا پر یہ مقدمہ اس عدالت سے خارج کرتی ہے اور جمیل احمد خان کو بری کرتی ہے۔''

جج کا فیصلہ تمام لوگوں کے لئے غیر متوقع اور تعجب خیز تھا۔عدالت میں موجود پنڈتوں،پجاریوں کے چہرے غم اور غصے سے سرخ ہو گئے۔پولیس کے ایک سنتری نے جج کے اشارے پر میری ہتھکڑی کھول دی۔سید غوث،پریم اور انوپ چندر بھاگے بھاگے میرے پاس آئے اور میرے گلے لگ گئے۔ میں نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔میں راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔عدالت میں جج کے فیصلے پر پنڈت،پجاری ہاہا کار کر رہے تھے۔''نارائن،نارائن،انیائے،انیائے یہ پاگل پن ہے۔''انکا نے میرے سر پر آ کر ناچنا شروع کر دیا تھا۔میں جلد سے جلد باہر جا کر سید کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔عدالت کی اس افراتفری میں،میں دروازے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔سید موجود نہیں تھا۔وہ پھر آگ لگا کر چلا گیا۔باہر آ کر سید غوث نے مجھے پکڑ لیا اور ہم سب پریم کی گاڑی میں اس کے گھر روانہ ہو گئے۔

پریم کے گھر میں یہ دوسرا دن تھا۔سید غوث اور انوپ چندر اپنے طور پر ایک چھوٹا سا جشن منا رہے تھے کہ اب میں ایک آزاد شہری ہوں۔اب انکا کا راز بھی ان سے مخفی نہیں رہا تھا۔سید غوث اور پریم بار بار اپنے سر پر انکا کو بلا لیتے اور اس سے شوخیاں کراتے رہتے۔

میں ان لوگوں کی خاطر ان کی مسرتوں میں شریک تھا لیکن بباطن میرا برا حال تھا۔سید اپنی ایک جھلک دکھا کر میرے ذہن و دل میں انقلاب برپا کر گیا تھا۔وہ اس زندگی کا لالچ دے گیا تھا جس سے میں تنگ آ گیا تھا۔مجھے تنہا چھوڑ کر سید غوث اور پریم کار میں بیٹھ کر انکا کے ساتھ چلے گئے۔سنا ہے انہوں نے راستے میں بڑی شرارتیں کیں۔وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ عدالتی جنگ جیت گئے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ سب کیوں ہوا؟کون مردِ قلندر آیا تھا؟ان کی آنکھیں صرف انکا کو دیکھ سکتی تھیں لیکن وہ ان چیزوں سے ناواقف تھے جن کی کوئی شکل نہیں تھی۔یہ مقدمہ عدالت سے خارج ہوا۔کوئی انسانی عدالت میرے مقدمے کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔مقدمہ تو کہیں اور پیش ہونا تھا۔ساری ذمے داریاں انکا پر ڈال کر انہوں نے میرے دفاع کا خوب انتظام کیا تھا لیکن وہ بدن جو میرے نفس کی بھینٹ چڑھ گئے،وہ خوب صورت چہرے جو میرے نفس کی غذا بن گئے۔آہ،میرے ذہن کی آوارگیاں،میں اپنے سوز دروں کا کس طرح علاج کرتا؟مجھے نہ معلوم آئندہ کیا ہو جائے؟ہندوستان کے پنڈتوں،پجاریوں کے وہ مشتعل،غضب ناک چہرے مجھے یاد تھے جو کل عدالت میں واویلا مچا رہے تھے۔اس بار ان کا وار شدید ہوگا۔بدری نرائن نے چالاکی کا ثبوت دیا تھا کہ وہ عدالت کی تمام کارروائی سے غائب رہا ورنہ شاید میں ندا کی نصیحتیں بھول

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جاتا اور نہ جانے کیا ہوتا۔ جب سید غوث اور پریم بمبئی کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے اور اس وقت انکا ان کے ساتھ تھی اور میں بستر پر لیٹا اپنے ماضی و حال کی تیرہ نصیبوں پر غور کر رہا تھا۔ دفعتاً انکا دھم سے میرے سر پر آئی اور اس نے مجھے بتایا کہ آنند لال اب کالی کے مندر میں پنڈتوں، پجاریوں کے ہاتھوں میں ہے۔ پجاری اسے پولیس سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اب میرے حق میں گواہی دینے کے بعد شدید ترین اذیتوں سے دوچار ہے۔ بمبئی کے بہت سے پنڈت پجاری اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہے ہیں۔ انہوں نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔

''کیا..... کیا آنند لال اتنا بے بس ہو گیا ہے کہ وہ اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ ''کئی پجاریوں نے بیک وقت اسے گھیر لیا ہے۔ اس وقت وہ شدید خطرے میں ہے۔'' انکا نے مضطرب انداز میں کہا۔

''وہ کون سے مندر میں ہے؟''

''کالی کے پرانے مندر میں۔ جمیل! آنند ہمارا دوست ہے۔''

''مجھے اس کی مدد کے لئے جانا ہوگا۔''

''تم پہلے اچھی طرح سوچ لو، ہم ایک مندر کی طرف سے گزر رہے تھے، اچانک مجھے اس حادثے کا پتا چلا۔ میں پریم اور غوث کی اجازت سے سیدھی تمہارے پاس آ گئی۔''

''گویا وہ اب میرے انتقام میرے حلیفوں سے لے رہے ہیں۔ وہی ایک شخص تھا جس نے میرے حق میں گواہی دی تھی۔''

''تمہیں ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہوگا۔ میں مندر کے اندر نہیں جا سکتی لیکن میں تمہاری عدم موجودگی میں کسی کے سر پر جا کر دو چار پنڈتوں کو ضرور ٹھکانے لگا دوں گی۔ اب تم کچھ کہو، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔''

''یہ لوگ باز نہیں آئیں گے۔''

''تم بے وقوف ہوتے جا رہے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری گوشہ نشینی، انکسار، عفو اور تحمل سے نیکی کا راستہ اختیار کر لیں گے؟ انہیں تم سے دشمنی ہے۔ ان کے دل میں کینہ ہے۔ جب تک تم ان کے بڑے پجاریوں سے انتقام نہیں لو گے، وہ یہی کرتے رہیں گے۔ تمہارے پاس طاقت ہے۔ طاقت کا زور طاقت سے ٹوٹتا ہے۔ میرا کہا مانو، انہیں سزائیں دو اور پھر تم جو جی چاہے کرنا، نندا کی تعلیم پر عمل کرنا یا سید کو تلاش کر کے اس کے نقش قدم پر چلنا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے معاملے میں بالکل دخل نہیں دوں گی۔''

''تمہارے اندر بدی ہے۔'' میں نے جھنجلا کر کہا۔ ''مگر میں مندر ضرور جاؤں گا۔ اس نازک موقع پر آنند لال کو بچانے کے لئے مجھ سے جو کچھ ہو سکا، کر گزروں گا۔''

میں اسی وقت بستر سے اٹھ گیا اور ڈائیٹر کے کمرے سے ہندوؤں کا لباس پہن کر کوٹھی سے باہر آ گیا۔ انکا میرے ساتھ تھی۔ میرے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ تلوؤں میں جلن ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میں آگ پر چل رہا ہوں۔ کالی کا پرانا مندر ایک وسیع، قدیم اور شکستہ سی عمارت میں دور سے نظر آنے لگا۔ انکا میرے سر سے اتر گئی اور میں صحن پار کر کے اس چھوٹی سی کوٹھری میں داخل ہو گیا جہاں کالی کی بڑی مورتی نصب تھی۔ وہاں کسی نے مجھے نہیں ٹوکا۔ اسی کمرے سے ایک دروازہ دوسرے کمروں میں جاتا تھا۔ وہیں آنند لال کے ہونے کا امکان تھا۔ انکا نے مجھے مندر کا نقشہ سمجھا دیا تھا۔ میں چھوٹے چھوٹے اندھیرے کمروں سے گزرتا ہوا ایک بڑے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کالی کی مورتیاں دیواروں پر استادہ تھیں۔ اندر بہت سے پنڈت پجاری بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ آنند لال ایک ستون سے بندھا ہوا ہے۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ نشانات تھے۔ میں اس کی طرف دوڑا۔ اچانک ایک ستون مجھے اپنے اوپر گرتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اس سے قبل کہ میں کچھ سوچ سکتا، کچھ سمجھ سکتا یا کوئی تدارک کر سکتا، میں دبیز اندھیرے میں اوپر سے نیچے کی طرف گرا۔ وہاں چاروں طرف اندھیرا تھا۔ در و دیوار سے سیلن کی شدید بدبو آ رہی تھی۔ میں نے اپنے باطن کا دروازہ کھٹکھٹانے کی کوشش کی اور مجھے جو جواب ملا وہ انتہائی مایوس کن تھا۔ میں کالی کے پُراسرار تہ خانے میں قید کر لیا گیا تھا۔ اس تہ خانے کی دیواریں گرانا اور وہاں سے روشنی کی کسی کرن کا در آنا ناممکن تھا۔

وہ ایک اندھا مجبس تھا۔ مجھے یہ سوچنے میں دیر نہیں لگی کہ انہوں نے آنند لال کا چارا ڈال کر دراصل مجھے مندر میں بلانے کی سازش کی تھی اور اب انہوں نے مجھے کوئی مہلت دیے بغیر اس قدیم تہہ خانے میں قید کر دیا ہے۔ یہاں ہر طرف نمی تھی..... زمین پر صدیوں کی دھول جمی ہوئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ میرے پاؤں رپٹ رہے تھے لیکن میں نے اپنی تمام جسمانی طاقتیں یکجا کر کے تہ خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ کتنا لمبا، کتنا چوڑا ہے۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مورتی تھی۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر سر سے پیر تک ہاتھ پھیر کر میں نے اس کی جسامت کا بھی اندازہ کیا اور جب میں نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو ایسا محسوس ہوا جیسے وہاں ایک خول ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا لیا اور مورتی کے پہلو میں بیٹھ کر اپنا منتشر ذہن یکسو کرنے کی ناکام کوشش کی۔ مورتی کچھ اونچی جگہ نصب تھی۔ اس کے پہلو میں بیٹھ کر میں نے اپنے اوسان مجتمع کرنے کے لئے اس ویران اور وحشت ناک ماحول میں آلتی پالتی مار کر مراقبے کا عمل شروع کر دیا۔ مجھے باہر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں [illegible] دیواروں سے باہر دیکھنے کی قوت

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ یہ دیواریں سحر و اسرار کی دیواریں تھیں۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ میں اسی طرح مراقبے میں بیٹھ کر خود کو تسلیاں دیتا رہا۔ انکا میرے قبضے میں نہیں تھی اور نندا جیسے عظیم پجاری کی دی ہوئی شکتیاں وہ دیواریں توڑنے سے قاصر نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تھا۔ وہ سزا جو عدالت نہ دے سکی تھی، آخر انہوں نے مجھے دے دی۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو کئی پہلوانوں کی قوت رکھتا ہو، جو اپنی انگلی کی ایک جنبش سے در و بام ہلانے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، اس ناکامی، اس محرومی سے اس کا کیا حال ہوا ہوگا؟ میں شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میرے خون میں ابھی گرمی تھی اور مجھے انکا کی یہ باتیں یاد آ رہی تھیں کہ میں نے انہیں بہت زیادہ ڈھیل دی۔ میں نے ایک غلط کام کیا۔ نندا کا چہرہ جب ذہن کے پردوں پر نمودار ہوا تو مجھے اس سے ایک الجھن ہوئی اور میں نے دیواریں دوبارہ ٹٹولنی شروع کر دیں۔ میری آنکھیں اتنی دیر میں اندھیرے سے مانوس ہو چکی تھیں۔ مجھے کچھ دھندلے دھندلے دیواروں کے نقوش نظر آنے لگے۔ کالی کی بڑی مورتی بھی اب کچھ صاف ہو گئی تھی۔ مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہاں سے نکل سکنے کے امکانات بہت کم ہیں اور کوئی باہر کی طاقت ہی مجھے یہاں سے نکال سکتی ہے۔ مجھے کلدیپ کا خیال آیا۔ وہ اب تک جاپ میں مصروف تھی۔ انکا مندر میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ آنند لال کو انہوں نے گھیر لیا تھا۔ سید...... ہاں سید، مگر سید؟ وہ مستانہ وہ قلندر جب تک آئے گا، میرا دم ہی نہ گھٹ جائے گا؟ مجھے اب مرنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔ میں اس تہ خانے سے باہر نکل کر صرف چند دن کی زندگی چاہتا تھا۔ چند دن کی زندگی تاکہ میں انہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھ سکوں۔ یہ بے بسی کا اختتام مجھے پسند نہیں تھا۔ اتنی جدوجہد کے بعد یہ موت مجھے گوارا نہ تھی۔ اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں نندا سے معذرت چاہتا ہوں۔ جو بھی سامنے نظر آئے، اس کا وجود بھسم کر دیا جائے۔ رگ و پے میں بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں۔ مجھے ایک کوشش اور کرنی چاہئے۔ میں نے اٹھ کر ایک ہانک لگائی لیکن میری آواز تہ خانے کے شکستہ دیوار و در سے ٹکراتی ہوئی خود میرے کانوں میں سیسہ بن کر اتر گئی۔ کوئی نہیں، کوئی نہیں۔ میں وحشت کے عالم میں ایک طویل مراقبے میں ڈوب گیا۔ مجھے نہیں معلوم کتنا وقت میں نے گزارا۔ اندھیرے میں صبح و شام کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ پھر میرے ساکت جسم میں اس وقت ارتعاش پیدا ہوا جب میں نے اپنے انگوٹھے پر کسی کا لمس محسوس کیا۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ ایک خوں خوار چوہا میرے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا کتر رہا تھا اور دوسرا چوہا میرے کان کے قریب تھا۔ ان کی جسامتیں اتنی بڑی تھیں کہ میں تھرا کر رہ گیا۔ میری جنبش، میری حرکت سے وہ دور ہو گئے۔ اندھیرے کے باوجود مجھے ان کی آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ وہ خرخرا رہے تھے اور ان کے سفید دانت میرا مذاق اڑا رہے تھے۔ میں نے انہیں شی شی کر کے اپنے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ وہ سامنے سے ہٹ گئے اور تھوڑی [illegible]

میرے جسم کے گرد گردش کرنے لگے پھر ان کی تعداد بڑھتی گئی۔

ان کی بڑھتی ہوئی تعداد، خرخراہٹ کی آوازیں، تہ خانے کی ہولناکیاں، ایسے موقع پر اپنی طاقتیں زائل ہوتے دیکھ کر مجھے سردی سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن خوں خوار چوہوں نے میرے جسم کے گرد مجمع لگانا شروع کر دیا تھا۔ ''ہٹو، ہٹو۔ شی، شی۔'' میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر تہ خانے کی اس سمت میں بھاگا جو مورتی کے عین مقابل تھی۔ نم زمین پر جگہ جگہ کائی جمی ہوئی تھی۔ کئی جگہ میرا پاؤں رپٹ گیا۔ بمشکل تمام دیوار سے لگ کر میں نے اپنی سانس درست کی۔ اندھیرے میں دور رکھی ہوئی دیو قامت مورتی نظر نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اندھیرا اب اتنا گہرا نہیں تھا۔ ابھی دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے چند لمحوں بھی نہ گزرے تھے کہ مجھے اپنا پیر ایک چیخ کے ساتھ اوپر اٹھانا پڑا۔ چوہے میرا ارادہ بھانپ کر تیز رفتاری سے تہ خانے کی دوسری طرف آنے شروع ہو گئے تھے۔ کبھی میں اپنا دایاں پیر پٹختا، کبھی بایاں۔ وہ میرے پیر پر ٹھوکے مار رہے تھے اور ان کے دانت اتنے نکیلے اور تیز تھے کہ مجھے اپنے پیروں میں بیک وقت کئی سوئیاں اترتی محسوس ہوئیں۔ تھوڑی دیر میں، میں نے تہ خانے کے گرد کئی چکر لگا لیے۔ میں جس گوشے میں سمانے کی کوشش کرتا، ایسا معلوم ہوتا جیسے چوہے وہاں پہلے سے موجود ہوں۔ میں جہاں بھاگتا، وہ تیز رفتاری سے میرا تعاقب کرتے۔ میں جہاں ٹھہرتا، وہیں وہ میری ٹانگیں گھیر لیتے۔ میں نے کئی بار اپنی انگلیاں گھمائیں لیکن تہ خانے میں میری انگلی کی کسی جنبش سے کوئی شعلہ نہیں نکلا۔ میری کسی حرکت سے کوئی کرشمہ رونما نہیں ہوا۔ میں کب تک قید خانے کی دیواروں کے ساتھ بھاگتا۔ آہستہ آہستہ میرے اعصاب جواب دینے لگے۔ اپنی بے بسی اور پسماندگی کے احساس نے مجھے اور بھی نڈھال کر دیا۔ میری قبر وسیع و عریض تھی، میرے شایان شان۔ یہ چوہے جلد ہی میرا رشتہ اس دنیا سے توڑنے والے تھے۔ انہیں شاید مجھ جیسے خطرناک شخص کو ختم کرنے ہی کے لئے پرورش کیا گیا تھا۔ پنڈتوں، پجاریوں نے میرے لیے واقعی ایک عبرت ناک سزا تجویز کی تھی۔ جب ایک مدت بعد کسی دن وہ یہ تہ خانہ کھولیں گے تو انہیں میری ہڈیاں بھی سلامت نہیں ملیں گی۔ کاش مجھے ایک اور موقع مل جائے کاش ایک بار میں باہر نکل سکوں۔ صرف ایک بار، لیکن میری خواہش دیوانے کا خواب تھی۔ میری مدد کرنے کے لئے نہ وہاں کلدیپ آئی، نہ سید کا کوئی نعرہ گونجا۔ میں تنہا ان چوہوں سے لڑتا اور اِدھر اُدھر بھاگتا رہا اور آخر تھک ہار کر میں مورتی کے قریب چبوترے پر ڈھیر ہو گیا۔ میرے ڈھیر ہوتے ہی وہ میرے جسم پر کودنے لگے اور انہوں نے جگہ جگہ میری کھال میں سوراخ کرنے شروع کر دیے۔ میں جھرجھری لے کر اٹھتا، بھاگتا اور پھر وہیں گر جاتا۔ شدید غصے اور خوف کے عالم میں، میں نے اپنا کان کترتے ہوئے ایک چوہے کو پکڑ لیا اور اسے اتنی زور سے دبایا کہ اس کی آنکھیں [illegible] نکل آئیں لیکن [illegible] دانت گاڑ چکے تھے۔ میں نے گھبرا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کر اسے دور پھینک دیا اور چبوترے پر ہذیانی انداز میں لوٹنے لگا۔ میرا سر مورتی کے قدموں سے ٹکرایا اور خون نکل کر سارے چہرے پر پھیل گیا۔ وحشت میں، پتھر کی مورتی کے قدموں کو میں نے اپنے دانتوں سے کاٹنا چاہا۔ چوہے اب میرے سارے جسم کا احاطہ کر چکے تھے۔ موت و زندگی میں اب صرف چند لمحے باقی تھے میں نے اپنے دفاع کے لئے ہر صورت اختیار کر کے دیکھ لی تھی۔ مراقبہ کیا تھا، اپنی طاقتیں آزمالی تھیں اور اپنے محسنوں کی آوازیں دی تھیں۔ زندگی کے لئے آدمی کیا کر سکتا ہے۔ موت سے کون بھاگتا تھا لیکن ایسی موت گوارا نہیں تھی جو ان حقیر چوہوں کے ہاتھوں انجام پائے۔ جتنا وقت گزر رہا تھا، مجھے اپنی ناتوانی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان بہت سے چوہوں کے سامنے ایک آدمی کی کیا حیثیت ہے؟ میں نے مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک غضب ناک نظر مورتی پر ڈال کر میں نے اپنا لہولہان جسم سمیٹا تو چوہے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ ان کی آوازیں اور تیز ہو گئیں۔ میں نندا کی طرح مرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آدمی جب یہ ارادہ کر لے کہ اسے مرنا ہی ہے تو اس پر اذیتوں کا دور ختم ہو جاتا ہے۔ جمیل احمد خان بھی مرنے کے لئے تیار ہو گیا لیکن اس طرح ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں۔ میں تپسیا اور گیان دھیان کرتے ہوئے مرنا چاہتا تھا۔ کسی کی تپسیا اور گیان دھیان نہیں، مراقبے اور ارتکاز، سکون اور انجماد کا عمل، نہ کسی کی تمنا، نہ کسی کی ہوس۔ صرف اپنی ذات میں بند ہو لیا جائے۔ صرف اپنے خول میں مقید ہو لیا جائے۔ اس سے پہلے میں مراقبے کے عمل میں ناکام ہو چکا تھا۔ چوہے میرے جسم سے لپٹے ہوئے تھے اور میں شدید اذیتوں سے دوچار تھا۔ ان کے ناخن جیسے دانتوں نے میرا جسم ہر جگہ سے چھید دیا تھا۔ میں نے خود پر لعن طعن کی کہ نندا کے استھان پر جب چیونٹیاں میرے جسم پر رینگتی تھیں اور شیطانی بلائیں میرے ارتکاز میں خلل انداز ہوتی تھیں، اس وقت میں نے اپنی توجہ کسی بات کی طرف مبذول نہیں کی تھی۔ میں اپنی جگہ جم جاؤں گا۔ ایک بت کی طرح۔ ایک مجسمے کے مانند۔ میں ہمت کر کے اٹھا اور میں نے اپنا ہاتھ اور پیر جھٹک کر چوہوں کو دور کرنے کی سعی ناکام کی۔ کسی ایک جانب، ایک مخصوص انداز میں بیٹھنا ایک دشوار گزار عمل تھا کیونکہ وہ جسم چاٹ رہے تھے اور انہوں نے متعدد جگہ سوراخ بنا لیے تھے۔ خون کی بوندیں کھال سے باہر نکلنے لگی تھیں۔ میں نے اپنے دونوں پیر ایک دوسرے کے اوپر رکھ لیے اور اپنا ہاتھ گھٹنے پر نکالیا۔ میرا دوسرا کٹا ہوا ہاتھ میری بغل سے چپک گیا۔ ایک جھرجھری لے کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور آنکھوں کے ڈیلے ان کی جگہ سے ہٹانے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے ایک چوہا میری ناک پر اپنے پنجے گاڑنے لگا لیکن میں انتہائی ضبط کیے بیٹھا رہا۔ میں نے انہیں اپنا جسم روندنے کی پوری آزادی دے دی اور ہر قسم کی مدافعت ترک کر دی۔ وہ نوچتے کھسوٹتے رہے اور میں اپنی آنکھیں بند کیے ساکت و جامد رہا۔ وہ میری آنکھوں پر چڑھ آئے۔ کوئی ایسا شخص جو مراقبے کے ابتدائی مراحل میں ہوتا وہ کبھی اتنی اذیت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے میرا انہماک توڑنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی

پنجے اپنا زہر میرے جسم میں انڈیلتے رہے اور میں بیٹھا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ وہ اسی وقت مجھے اپنی جگہ سے ہلا سکیں گے جب میرا سانس مجھ سے رخصت ہو رہا ہو گا۔ میں اب آخری بار ہی زمین پر ڈھیر ہوں گا۔ وہ مجھے اپنی جگہ سے ہلانے میں ناکام ہونے لگے تو میرے ارادے میں اور قوت پیدا ہوتی گئی۔ وہ بار بار مجھ پر حملے کر رہے تھے، اچھل رہے تھے۔ میں اپنے اندر مستغرق تھا اور میری کیفیت ایسی تھی جیسے میری موت واقع ہو گئی ہو۔ جیسے میرا خون رگوں میں جم گیا ہو اور میرے دست و پا پتھر کے بنے ہوئے ہوں۔ ان کی یلغار سے میری استقامت میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ یہ ایک ایسا استغراق تھا جو بڑے بڑے رشی اور منیوں نے نہیں کیا ہو گا۔ یہ ایک ایسی برداشت تھی جس کے لئے لوہے کے اعصاب چاہئیں۔ یہ نندا کے استھان پر گزارے ہوئے میرے دنوں، میری ریاضت کا آخری امتحان تھا۔ موت میرے قریب تھی مگر میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے دشمنوں کو میری پسپائی کا مذاق اڑانے کا موقع ملے۔ وہ یہاں آئیں تو یہ دیکھیں کہ جمیل احمد خان ان کے خوں خوار چوہوں کی فوج کے سامنے سینہ سپر رہا۔ وہ بڑے ٹھسے کے ساتھ مرا۔ ان کی دیوی گواہ ہو گی کہ میں نے آخری لمحوں میں مرنے کا ایک مشکل ترین طریقہ اختیار کیا تھا۔ چوہے میرے جسم پر دندناتے رہے اور میں آنکھیں بند کیے اپنے آپ کو پُرسکون رکھنے کی ترغیب دیتا رہا اور پھر ایک وقت گزر گیا۔ تہ خانے کے یکساں اندھیرے میں صبح و شام کا تعین نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر میری آنکھیں بھی بند تھیں۔ وقت کا اسے احساس بھی نہیں رہتا جو ایسے مراقبوں میں ڈوب جائے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میں آہستہ آہستہ مر رہا ہوں۔ میری نبضیں ڈوب رہی ہیں۔ کوئی خوف ناک چوہا جسم کا کوئی حصہ کرید کر زندگی کا احساس دلا جاتا تھا۔ جسم میں سوزش سی تھی۔ میرے کپڑے انہوں نے پہلے ہی پھاڑ دیئے تھے۔ لیکن وہ خاصہ وقت گزر جانے کے بعد بھی میری سانس کی ڈور توڑنے میں ناکام رہے۔

پھر یہ ہوا کہ میں نے اپنا شعور پوری طرح قابو میں کر لیا، مراقبہ خوابیدگی کی کوئی علامت نہیں ہے بلکہ وہ ایک ضبط ہے جس میں کامیابی کے بعد ایک نشہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ فخر اور برتری کا نشہ۔ یہ احساس کہ ہم نے اپنی خارجی اور داخلی کیفیات اپنے تابع کر لی ہیں۔ یہ احساس قوت کا سرچشمہ ہے پھر آدمی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ بتدریج میں نے اپنے بکھرے ہوئے حواس و اعصاب اپنی گرفت میں لے لیے۔ انہوں نے اس مجسمہ کا انتخاب کر کے یقیناً عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ یہاں خطرناک قسم کے چوہے تھے اور دیوی کا بت تھا جسے انہوں نے میرا امانت دار بنا دیا تھا۔ وہ چوہے ہمیشہ مجھے تنگ کرتے رہتے۔ مجھے آخر میں ان کی غذا بن جانا تھا۔ میرا یہ انجام ان کی نفرتوں کی تسکین کے لئے کافی تھا لیکن شاید وہ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ میں نے نندا کے ساتھ تبت میں ایک بڑا عرصہ گزارا ہے۔ انہوں نے

…س بات سے ناواقف تھے کہ میں

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

نے صبر وضبط کا کیسا درس حاصل کیا ہے۔ سو میں نے اس تہہ خانے کو سکون و عافیت کا گہوارہ سمجھنا شروع کر دیا۔ نتیجتاً موت میرے قریب آنے کے بجائے دور ہوتی گئی اور چوہوں کی شدید خوں خواری میں کمی آنے لگی۔ اب بھی وہ میرے جسم پر قابض تھے اور گاہے گاہے اپنے دانت چبھو کر میرا سکون مرتعش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنا وقت گزرا، کتنے مہینے، کتنے موسم گزر گئے۔ چوہوں نے مجھے ساکت کر دیا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ طویل تر انہماک کے بعد جب میں مراقبے سے فارغ ہوتا تو چند لمحوں بعد دوسرا مراقبہ شروع کر دیتا۔ تہ خانے کا اندھیرا اب میری آنکھوں کو راس آ گیا تھا اور چوہے اپنے بلوں میں کہیں چھپ گئے تھے۔ میں زندہ تھا۔ ایک بار پھر مجھ پر سکون، انجماد، سردی، عفو، درگزر کے احساسات غالب آ گئے۔ یہ جگہ مجھے بہت اچھی لگنے لگی۔ یہ وہ ماحول تھا جو اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی دنیا سے الگ تھلگ تھا۔ مجھے اس میں لذت ملنے لگی۔ میں طویل مراقبوں سے فارغ ہوتا تو تہ خانے میں چہل قدمی شروع کر دیتا۔ مجھے کھانے پینے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ چند لمحے تہ خانے کا چکر لگا کر اطمینان کے ساتھ میں دوبارہ اپنی دنیا میں کھو جاتا۔ میری بیداری کی مدت بہت مختصر تھی۔ جسم پر چوہوں کے لگائے ہوئے زخم بھر چکے تھے۔ کپڑے تار تار تھے۔ میں نے وہ تار تار لباس ایک کر کے زیر جامے جیسا ایک کپڑا اتیار کر کے ستر پوشی کر لی تھی۔ یوں کوئی سدھ بدھ نہ تھی۔ نہ کوئی یاد آتا تھا، نہ کسی کو دیکھنے کی تمنا تھی۔ باہر اندھیرا تھا لیکن قلب و ذہن میں روشنی تھی۔ طمانیت کا احساس، تہ خانے میں صد ہا قسم کے کیڑے مکوڑے تھے۔ چوہے اب بھی بلوں سے باہر نکلتے لیکن میری طرف توجہ دینے کے بجائے وہ اِدھر اُدھر گھومتے رہتے۔ میں کھلی آنکھوں کے ساتھ ارتکاز کا عمل جاری رکھتا۔ بڑی مورتی کے خدوخال میری نظروں میں ابھرنے لگے تھے۔

وقت گزرتا رہا اور ایک دن کسی لمحے اپنے طویل مراقبے کے دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ تہ خانے میں روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوئی ہے۔ جیسے درز کھل گئی ہو۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ اپنے مراقبے میں مصروف رہا۔ اتنے دنوں بعد روشنی دیکھ کر مجھے ایک دکھ ہوا۔ گہرے سانس لے کر میں نے اپنے مراقبے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ روشنی کا دائرہ لحہ بہ لحہ پھیلتا گیا۔ غیر اختیاری طور پر میں نے اپنی انگلی اٹھائی اور جدھر سے روشنی کا گزر ہو رہا تھا، وہاں انگلی سے کراس کا نشان بنایا۔ روشنی بند ہو گئی اور میرے جسم میں میٹھا میٹھا درد ہونے لگا۔ دوسرے لمحے میں نے خود کو مصروف کر دیا۔ میں اس تہ خانے میں سورج کی روشنی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ چونکہ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں سکون افراط سے تھا، روشنی آنکھوں کے لئے مضر شے ہے کہ اس سے گناہ نظر آنے لگتے ہیں۔ میں نے روشنی کا نفوذ بند کر دیا۔ میں نے یہ خیال بھی ذہن میں در آنے سے روک دیا کہ میری انگلی کی جنبش نے روشنی بند کر دی لیکن میں زیادہ دنوں تک پھر خود کو مراقبے میں مصروف نہ رکھ سکا۔ وہ کرن پھر نمودار ہوتی

رہی۔ اس نے میرا سکون درہم برہم کر دیا۔ میں وہی عمل دہراتا اور تہ خانے میں دوبارہ تاریکی چھا جاتی۔

یہ سلسلہ کب تک چلتا؟ روشنی کی اس کرن نے جو ایک عرصے بعد اس تاریکی میں نمودار ہوئی تھی، بار بار مجھے اٹھنے پر ورغلایا۔ پھر میں سمجھ گیا کہ یہ اس پُر اسرار محبس سے جانے کا کوئی اشارہ ہے، آگے کوئی خدشہ نہیں ہے کیونکہ اس سے زیادہ عذاب ناک ماحول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قبر میں اتارے جانے کے بعد کون زندہ رہتا ہے؟ میں سخت جان ہی زندہ رہ سکتا تھا۔ میرے اور روشنی کی اس کرن کے درمیان آنکھ مچولی ہوتی رہی اور مجھے اپنا برف جسم ہلانا پڑا۔ میں نے بڑی مورتی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ اس کی باہر نکلی ہوئی زبان اس کے اضطراب کا پتا دیتی تھی۔ وہ پتھر کی ہو کر بھی مضطرب معلوم ہوتی تھی۔ میں گوشت کا ہو کر بھی سرد تھا، جما ہوا۔ روشنی کی اس کرن نے مجھے پگھلانا شروع کیا اور میں نے انگلی گھما کر اس کا دائرہ بڑا کر دیا۔ سارا تہ خانہ روشن ہو گیا۔ چوہے باہر نکل آئے۔ ان کی ہیبت ناک آوازوں اور خرخراہٹ سے تہ خانہ گونج اٹھا لیکن اب وہ مجھ سے کچھ دور دور تھے۔ وہ ایک بڑا سوراخ تھا جس کی روشنی زیر زمین ہال کو منور کیے ہوئے تھی۔ میں نے آگے جا کر دیکھا، مجھے تہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ خود بخود میرے قدم اٹھ گئے اور سیڑھیاں میرے جسم کی زد میں آ گئیں۔ ایک صاف زینہ عبور کر کے میں نے سر نکال کر اوپر دیکھا تو وہی مندر تھا جہاں سے مجھے اس تہ خانے میں دھکیلا گیا تھا۔ وہاں چہل پہل نظر آتی تھی۔ باہر سر نکالا تو مجھے اپنے دماغ میں ایک دھما کا سا محسوس ہوا۔ دن چڑھا ہوا تھا، سورج کی روشنی میں، مجھے اپنے جسم میں زبردست طاقتوں کا علم ہوا۔ مجھے اپنے قدم وزنی معلوم ہوئے اور سر ہلکا سا لگا۔ پہلی ہی نظر میں مندر دیکھنے کے بعد مجھے وہ رات یاد آ گئی۔ جب انہوں نے مجھے اس اندھیرے محبس میں قید کر دیا تھا۔ غصے کی ایک تیز لہر آ کر گزر گئی اور میں نے دوبارہ تہ خانے میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ میرا دل وہاں لگ گیا تھا۔ میں وہاں دوبارہ نہ جا سکا کیونکہ سیڑھیاں پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ مندر کے فرش پر آتے ہی میری آنکھیں چندھیانے لگیں۔ فرش کی زمین گرم تھی میرے جسم پر ایک چیتھڑا سی دھوتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سارا جسم دھول خاک میں اٹا ہوا تھا۔ میں نے مندر کے ایک گوشے میں کنوئیں کے اندر ڈول ڈال کر پانی نکالنے کی کوشش کی تو کسی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”تو کون ہے ملیچھ؟ جل گندا کیوں کرتا ہے؟“

میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک پجاری غیظ و غضب کی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ ”میں پانی نکال رہا ہوں مہاراج۔“ میں نے نرمی سے جواب دیا۔

”یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، پر تو ہے کون؟ اور تو نے اپنی کیا دشا بنا رکھی ہے؟“ پجاری نے جز بز ہو کر پوچھا۔

”میں ایک مجبور اور ستم رسیدہ آدمی ہوں۔“ میں نے بدستور عاجزی سے کہا۔ ”مجھے تھوڑا پانی

Downloaded from Paksociety.com
Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

چاہئے۔"

"تجھے یہاں کس نے آنے دیا؟ کیا تجھے نہیں پتا کہ یہ پوتر جل صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔" اس نے برہمی سے کہا۔

"بگڑتے کیوں ہو مہاراج! صرف ایک لٹیا جل کے لئے اتنے ناراض ہوتے ہو۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ کنواں صرف پنڈتوں، پجاریوں کے لئے ہے۔" میں نے کنوئیں کے منڈیر سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"چھی چھی......" اس نے میرے جسم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "تو نے سارا پوتر جل خراب کر دیا۔ مورکھ، تجھے دیوی کبھی شما نہیں کرے گی۔"

"تو تم خود مجھے تھوڑا سا پانی دے دو مہاراج!" میں نے منت کی۔

"دیوی مجھے اپنی شرن میں رکھے۔ جا جا، میں تیرے شریر کو ہاتھ لگاؤں گا؟ کیا تو پاگل ہے؟ بھاگ جا یہاں سے...... کیلاش جی کو پتا چل گیا تو وہ تجھے کشٹ دے دیں گے۔" اس نے مجھے دھتکارتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ "میں جاتا ہوں۔"

جب میں چلنے لگا تو اس کی گھبرائی ہوئی آواز مجھے سنائی دی۔ "ٹھہر۔ او ملنش، ذرا ٹھہر۔ ذرا ادھر آ۔ تیرا نام کیا ہے؟"

میں نے رک کر اور پلٹ کر اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ "کیا ہے مہاراج؟"

"تو...... تو تم جمیل احمد خان ہو؟" اس کی زبان لرز رہی تھی۔

"ہاں۔ تم نے ٹھیک پہچانا۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔

"تم زندہ ہو۔ تمہیں تو...... میرا مطلب ہے، تمہیں تو......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔ الفاظ اس کے منہ سے بمشکل ادا ہو رہے تھے۔

"چھوڑو اسے مہاراج!" میں نے بے پروائی سے کہا۔

میں یہ کہنا بھول گیا کہ میرے سر اور داڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے اور میرا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔ جسم پر برائے نام لباس تھا۔ اس عجیب حلیے میں چھوٹے قد کے اس پجاری نے مجھے دیکھا اور جب اسے یہ علم ہوا کہ میں جمیل احمد خان ہوں تو اس کی حالت غیر ہو گئی۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ پُراسرار تہ خانے سے میری واپسی ممکن ہے۔ اس کی برہمی سے میں نے حتی الامکان گریز کا رویہ اختیار کیا۔ اس کے تیور دیکھ کر میرے سینے میں کہیں چھپی ہوئی نفرت ابلنے لگی لیکن میں نے اسے وہیں دبا دیا۔

"وہ تو کہتے تھے کہ تمہیں دیوی پر بلیدان کر دیا گیا۔" وہ حیرت سے بولا۔

Downloaded from Paksociety.com

"وہ ٹھیک کہتے تھے لیکن دیوی نے شاید یہ بلیدان سویکار نہیں کیا۔" میں نے طنز بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"ستیہ ہے، ستیہ ہے۔" وہ کچھ سوچ کر اور گھبرا کر دہرانے لگا۔ "آؤ میری کٹیا میں آؤ۔ میں تمہارے ہاتھ پیر دھلاؤں گا۔"

"تم میری ہمدردی میں مارے جاؤ گے، میں ایک مسلمان ہوں۔"

"مجھے ان کا کوئی خوف نہیں ہے۔ جب دیوی نے تمہیں شما کر دیا تو پھر اس کے سیوکوں کو تم سے کیا بیر......؟ آؤ آؤ شریمان جمیل احمد خان! میرے ساتھ آؤ۔"

پجاری کا نام مرلی دھر تھا۔ وہ شدید حیرت اور تذبذب سے دوچار تھا۔ وہ بڑبڑاتا رہا۔ جب وہ ایک طرف چلا تو میں اس کے پیچھے ہولیا۔ مندر کی شکستہ عمارت سے گزرتے ہوئے ہم پجاریوں کی کٹیاؤں کی طرف بڑھنے لگے۔ مرلی دھر سہما ہوا تھا اور ادھر اُدھر دیکھ کر چل رہا تھا۔ ابھی وہ اپنی کٹیا تک نہیں پہنچا تھا کہ راستے میں پجاریوں کا ایک گروہ اس سے ٹکرا گیا۔ مرلی دھر نے نظریں چرانے کی اور مجھ سے دور ہو کر بے تعلقی کا اظہار کرنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیا تھا، میری ہیئت کذائی، جسم پر اُگے ہوئے بالوں اور گندے جسم کو انہوں نے حقارت کی نظر سے دیکھا اور مرلی دھر سے پوچھا "یہ کون ہے مرلی دھر جی؟"

"یہ...... یہ، ارے کیلاش جی! تم اسے نہیں جانتے؟" مرلی دھر ہٹپٹاتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ دیوی جس کے بلیدان کو سویکار نہیں کرتی، اس کا استھان ہمارے درمیان ہونا چاہئے۔"

"کیا......" کیلاش ناتھ نے مجھے سرتاپا گھور کر کہا۔ "کیا...... ارے مرلی دھر جی۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ تمہاری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی ہیں۔" مرلی دھر اس بار کسی قدر حوصلے سے بولا۔ "یہ وہی ہے۔"

"پرنتو۔" کیلاش ناتھ کی نظروں سے حیرت ہویدا تھی۔ "آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟"

میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے کیلاش ناتھ کا چہرہ یاد آ گیا۔ وہ بمبئی کی عدالت میں پجاریوں کے ساتھ موجود تھا۔ اب مجھے کچھ ہوش آ رہا تھا اور ان کی گفتگو سے دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا لگ رہی تھی۔ کیلاش ناتھ کو مجھ سے ہمدردی پر اکسانے کے لئے مرلی دھر نے بڑا زور لگایا۔ وہ اور اس کے ساتھی پجاری کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ آخر کیلاش ہم سب کو چھوڑ کر مندر کے اندر گیا اور چند لمحوں بعد واپس آ کر اس نے کہا۔ "مرلی دھر! یہ مندر سے باہر نہ جانے پائے۔"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''پر کیلاش جی!'' مرلی دھر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ''یہ اسی پوترا ستھان پر دیوی کے ساتھ عرصے تک رہا ہے۔ کیا یہ ہماری ہمدردی اور سلوک کا مستحق نہیں؟ کیا اسے جیوت دیکھ کر تمہیں دیوی کی مرضی کا پتا نہیں چلتا؟ میں نے اسے اپنی کٹیا میں جل اور کپڑا دینے کا وچار دیا تھا۔ تم چاہو تو اسے روک لو۔''

''ہاں، اسے روکے رکھو۔ ابھی یہ مندر میں ہے۔ اسے جل اور کپڑا دینے کا سمے نہیں آیا۔'' کیلاش ناتھ نے حیرت زدہ انداز میں مرلی دھر اور دوسرے پجاریوں کو حکم دیا کہ وہ مجھ پر نظر رکھیں۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا۔ میں ابھی تک خاموش تھا۔ مرلی دھر نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ کیلاش ناتھ اندر جانے لگا تو اس کے قدم میری آواز پر زمین سے لگ گئے۔ میں نے پہلی بار اسے نرمی سے مخاطب کیا۔

''کیلاش ناتھ جی! اگر تمہارے من میں کوئی اور وچار ہے تو اسے نکال دو۔ میرا غصہ نہ بھڑکاؤ۔ میں اگر جانا چاہوں تو تم مجھے نہیں روک سکتے۔ بھلے مانسوں کی طرح یہ حقیقت تسلیم کر لو کہ تم مسلسل غلطیاں کر رہے ہو۔ مرلی دھر نے مجھے جل دینے کے لئے روکا تھا۔ میں اس قید خانے سے خود باہر آنا نہیں چاہتا تھا لیکن میرا وہاں ٹھہرنا اب ناممکن تھا۔ اس سے اچھی جگہ دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ وہاں تم جیسے منش نہیں رہتے جن کے من میں کھوٹ ہو۔''

''اسے روکو، اسے روکو......'' میری بات کا جواب دینے کے بجائے کیلاش ناتھ گھبرایا اور دوبارہ مندر میں جانے لگا۔

اس کے ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا لیکن وہ بہت ہراساں نظر آتے تھے۔ انہیں کیلاش ناتھ کا فیصلہ شاید پسند نہیں تھا۔ خود کیلاش ناتھ بھی متذبذب تھا۔ وہ مندر کی طرف جاتے ہوئے بار بار مڑ کر دیکھتا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ ہندوستان کے بڑے پنڈتوں، پجاریوں سے رابطہ قائم کرنے اور ان کی رائے لینے گیا ہے۔ اس کی واپسی جلد ممکن نہیں ہے کیونکہ اسے ایک جاپ سے گزرنا ہوگا۔ تہ خانے سے باہر آتے ہی پھر وہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مجھ پر جھنجلاہٹ سوار ہو گئی اور میں نے کیلاش ناتھ کو زور سے آواز دی۔ ''یہ لوگ...... کیلاش ناتھ جی۔ یہ لوگ مجھے روکنے کے لئے ناکافی ہیں۔ میں جا رہا ہوں۔ ہو سکے تو ٹھنڈے دل سے میرے بارے میں وچار کرنا۔'' یہ کہہ کر میں نے ایک پجاری کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا۔ کیلاش ناتھ بھاگا ہوا پھر میرے پاس واپس آنے لگا۔ ''نہیں، نہیں۔ تم نہیں جا سکتے۔'' وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

''تم یہ سب کچھ کر کے مجھے پچھلی باتیں یاد دلا رہے ہو۔'' میں مندر کے دروازے کی طرف چل پڑا۔ ''اسے روکو۔ اسے روکو۔'' کیلاش ناتھ پجاریوں پر برس پڑا لیکن ان میں سے کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ میں نے مرلی دھر کو احسان مندانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ خاموش کھڑا تھا۔ واپسی میں راستے بھر میں کیلاش ناتھ کا ہذیان سنتا رہا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر پجاریوں اور پنڈتوں

کے کچھ اور گروہ مل گئے تھے جنہوں نے کیلاش ناتھ کی آواز سن کر مجھے پکڑ لیا تھا مگر وہ میرے ایک جھٹکے سے زمین پر ڈھیر ہو کر بلبلانے لگے۔ میں دروازہ عبور کرنے ہی والا تھا کہ مجھے اپنے پیروں میں سوئیاں سی چبھتی محسوس ہوئیں۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کیلاش ناتھ وار کر چکا تھا۔ میرے تلووں پر باریک باریک کانٹے لگے ہوئے تھے۔ اپنے پیر اٹھا کر میں نے زور سے زمین پر پٹخے تو کانٹے گوشت میں سرایت کر گئے۔ قریب تھا کہ میں کیلاش ناتھ کو اس کے اشتعال انگیز رویے پر سرزنش کرتا، وہ مجھے دروازے پر کھڑا ہوا عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے سلام کیا تو پرنام کے انداز میں اس کے ہاتھ اٹھ گئے اور میں باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں۔ یہاں ایک وحشی، جسم پر صرف ایک پھٹی ہوئی دھوتی پہنے جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالوں سے چھپا ہوا تھا۔ جو بھی اس کے قریب آتا، وہ حیرت سے اس کا حلیہ دیکھتا اور ناک چڑھا کر دور ہو جاتا۔ یہ بمبئی کی سڑکیں تھیں، جہاں کبھی جمیل احمد خان کی بڑی کار گھوما کرتی تھی۔ دنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہی دکانیں، وہی بازار، چہل پہل۔ ہر شخص پوری طرح زندگی میں غرق تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو ان سب سے الگ حلیے میں تھا، جسے اپنا ہوش نہیں تھا۔ زندگی جیسے جیسے نظروں کے سامنے سے گزرتی رہی، اس شخص کو ہوش آتا گیا۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ زمانے نے کتنی ستم ظریفیاں کی ہیں۔ زندگی کی اس حرکت، اس گرمی و گرم بازاری سے اس کا جما ہوا خون بھی گردش کرنے لگا۔ اس تہ خانے میں قید ہو کر اس کی توانائیاں گھٹنے کے بجائے اور بڑھ گئی تھیں۔ وہ اور جوان اور تازہ دم معلوم ہوتا تھا۔ رگوں میں ایک کھلبلی سی ہونے لگی تھی۔ ایک نیا جوش...... ایک نیا عزم۔ لوگوں کے اداس، شاداں چہرے سب اِدھر اُدھر سرگرم تھے۔ شہر کا کارواں رواں تھا۔

ایک نل پر بیٹھ کر میں نے اپنا چہرہ دھویا۔ مٹی کی کئی تہیں پانی میں مل کر گھل گئیں اور کیچڑ میں میرے ہاتھ سن گئے۔ چہرے پر ہاتھ گیا تو لمبی داڑھی کا اندازہ ہوا۔ بڑھے ہوئے بالوں سے مجھے سید کی یاد آئی۔ میری زلفیں بڑھ گئی تھیں۔ سید کی یاد نے ایک بے چینی پیدا کر دی۔ میں نل کے نیچے بیٹھ گیا اور مٹی میں لتھڑا ہوا بدن دھونے لگا۔ نہاتے وقت تازگی کا احساس ہوا لیکن یہاں بھی مجھے لوگوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے اتنے غلیظ نیم عریاں شخص کو نہاتے دیکھا تو برس پڑے۔ مجھے وہاں سے بھی اٹھ کر آنا پڑا۔ میرا جسم خاصا صاف ہو چکا تھا۔ میں سڑکوں پر یوں ہی گھومتا رہا۔ کبھی اس طرف نکل جاتا تو کبھی اس طرف۔ رفتہ رفتہ میرے بچھڑے ہوئے دن مجھ پر غالب آ گئے۔ مندر سے باہر آنے کے بعد انکا کو میرے سر پر آ جانا چاہیے تھا مگر اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ میں نے اس امر پر کوئی توجہ نہیں دی کہ انکا کہاں ہے؟ میں تو بس چلتا رہا۔ شام ہو گئی تو مجھے خیال آیا کہ میں اس طرح کب تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہوں گا؟ مجھے اپنے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

لیے کوئی ٹھکانا تلاش کرنا چاہیے۔ گلیوں، محلوں اور بازاروں سے گزرتے ایک جگہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ڈاکٹر سکینہ کی کوٹھی تھی۔ اندر جانے کی ہوک اٹھی لیکن اپنی حالت دیکھ کر قدم رک گئے۔ دیر تک دروازے پر کھڑا رہا پھر میں نے بے اختیار گھنٹی بجادی۔

اندر سے دربان آیا اور پہلے تو وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا پھر سراسیمہ ہو کر کہنے لگا۔ ''آپ؟'' میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ سے وہ مجھے پہچان گیا تھا۔

''پریم بی بی ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں جی۔ وہ تو اندر ہیں مگر آپ...... آپ اتنے دنوں تک کہاں تھے؟ پریم بی بی آپ کی وجہ سے بیمار پڑ گئیں۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' دربان ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

''انہیں کیا ہو گیا؟'' میں نے تشویش سے پوچھا۔

''پتا نہیں صاحب۔ اس گھر پر آپ کے جانے کے بعد آفت آگئی ہے۔ ڈسپنسری تباہ ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ حیدر آباد کے ایک صاحب، سید صاحب نہ ہوتے تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔''

''مجھے اندر لے چلو۔'' میں نے کہا۔ ''اور سنو، پہلے مجھے اپنے کپڑے دے دو۔''

وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے کوارٹر تک لے گیا۔ اندر جا کر میں نے اس کا لباس پہنا۔ درمیان میں وہ مجھے واقعات سناتا رہا کہ کوئی چار ماہ پہلے ایک رات اچانک پریم گھر سے غائب ہو گئی۔ جب واپس آئی تو اس کی حالت بڑی خراب تھی۔ اس کے بعد سے وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ گویا میرے پیچھے کافی بڑے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ میں تیزی سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ پریم کا کمرا مجھے معلوم تھا۔ جب میں اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ اپنے بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ آنکھیں چھت کی طرف لگی ہوئی تھیں اور کمرا اجاڑ نظر آتا تھا۔ پردے میلے ہو گئے تھے۔ پوری کوٹھی کا یہی حال تھا۔ وہ سبزہ زار اب اڑتے ہوئے زرد آوارہ پتوں کا مسکن تھا۔

''پریم!'' میں نے آہستہ سے آواز دی۔

اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تم کیسی ہو پریم!''

وہ غور سے مجھے دیکھتی رہی۔ جیسے اسے میرے وجود کا احساس نہ ہو۔ میں نے اس کی پھٹی ہوئی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ ''پریم یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

اس کی خشک آنکھوں میں ایک سیلاب امڈ آیا۔ ایک چیخ مار کر وہ میرے سینے سے لپٹ گئی۔ میں نے اسے کھل کر رونے دیا اور اس عرصے میں میری ساری صلاحیتیں حقیقت حال جاننے میں مصروف

میرا ہاتھ اس کی پشت پر تھا لیکن میری انگلیاں متحرک تھیں اور آنکھیں بند تھیں۔ وہ بظاہر میری آغوش میں تھی، میں کہیں اور تھا۔ جب اندھیرے سے پردہ اٹھا تو میرے ہاتھوں میں سختی آگئی اور میں بری طرح لرزنے لگا۔ میرے دانت ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ میں نے وحشت میں اپنے سر کے بال نوچ لیے۔ پریم لٹ چکی تھی۔ وہ میرے حوالے سے لٹ چکی تھی۔ چونکہ اس نے عدالت میں میری وکالت اور ہمدردی میں بڑی سرگرمی دکھائی تھی اور وہاں موجود پنڈتوں، پجاریوں نے ایک نوجوان اور حسین ہندو لڑکی کو زار و قطار روتے دیکھا تھا۔ وہاں وہ خبیث ہرچرن بھی تھا جو اب انکا کا آقا تھا اور جس نے انکا کے ذریعے پریم کو اپنی ہوس کی قربان گاہ پر چڑھایا تھا۔ وہ نازک اندام دوشیزہ لٹ چکی تھی۔ وہ خواب دیکھنے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے والی لڑکی ختم ہو گئی تھی۔ ساری بات صاف تھی۔ انہوں نے مجھے تہ خانے میں قید کر کے انکا کے لئے جاپ کیا اور انکا ہرچرن کے پاس چلی گئی۔ اب انکا بھی میرے پاس نہیں تھی لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے جمیل احمد خان کو تہ خانے میں بند کر کے اس پر کیا احسان کیا ہے۔ میں نے پریم کو پلنگ سے اٹھایا۔ اس کے آنسو پونچھے اور اس کے ہاتھوں اور پیشانی پر کئی بوسے ثبت کئے۔ ''اب میں آگیا ہوں میری جان! اب میں آگیا ہوں۔'' میں نے اپنی آگ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ ''مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن اب میں آگیا ہوں۔ اب صرف ایک قرض نہیں رہا بلکہ کئی قرض چکانے ہیں۔ اٹھو، اٹھو۔ پریم، تم تو بڑی ہمت والی لڑکی ہو۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ اتنی سی بات سے گھبرا گئیں؟'' میں نے اسے شفقت سے سمجھایا اور پوچھا۔ ''سید غوث کہاں ہے؟''

''انہوں نے......'' پریم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان بولی۔ ''انہوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی۔ ہم دونوں کئی ماہ تک آپ کو تلاش کرتے رہے۔ پھر اچانک ایک دن انکا یہ کہہ کر چلی گئی کہ ایک پجاری ہرچرن نے اس کا جاپ کر لیا ہے۔ اس کے بعد......'' پریم کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

''سید غوث یہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں۔'' پریم کی ڈوبتی آواز ابھری۔ ''انہی کے سہارے ہم لوگ زندہ رہے۔ وہ روز آپ کی تلاش میں جاتے ہیں اور شام ہوتے ہوتے تھکے ہارے واپس آجاتے ہیں۔ ہم نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ تمام مندروں کی خاک چھانی، پولیس میں رپورٹ لکھوائی، پنڈتوں پر مقدمہ دائر کیا۔ آپ کو گئے ہوئے گیارہ مہینے ہو گئے۔ انکا ہمیں یقین دلاتی تھی کہ آپ زندہ ہیں مگر آپ کہاں ہیں؟ یہ بتانے سے وہ قاصر تھی۔'' پریم نے دل گیر لہجے میں کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''آہ! پریم، تم لوگوں نے میری خاطر کیا کیا تکلیفیں اٹھالی ہیں۔'' میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے اسے اپنے سینے میں چھپالیا۔

پریم کے آنسو میرے ذہن میں بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کر رہے تھے۔ گیارہ مہینے کی قلیل مدت میں خزاں نے اسے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کا حسن ماند پڑ چکا تھا اور میں سوچ رہا تھا، کتنے لوگ میری وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ مجھ بدنصیب نے کتنے لوگوں کی خوشیاں تاراج کیں۔ پریم چنبیلی کا پھول تھی جو اب مرجھا چکا تھا اس کے چہرے کی زردی، اس کی آنکھوں کی ویرانی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ بمبئی میں اس لڑکی سے ملاقات کوئی پرانی نہیں تھی۔ سید غوث سے بھی حال ہی میں ملاقات ہوئی تھی اور وہ آنند لال ...... گلبرگ کا باغیرت پنڈت جس نے عدالت میں آ کر بڑی جواں مردی سے میرے حق میں بیان دے کر اپنے حق میں کانٹے بو لیے تھے۔ آنند لال کا علم پریم کو بھی نہیں تھا۔ آنند لال کا خیال آتے ہی میرا اضطراب دو چند ہو گیا۔ نہ جانے وہ کس حال سے دوچار ہو؟ میں پریم کو لے کر باہر لان میں آ گیا۔ گھاس جھاڑیوں کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی۔ میرے تسلی آمیز رویے سے پریم کی طبیعت سنبھلنے لگی۔ وہ میری غیر حاضری کا سبب پوچھنے پر بضد تھی لیکن میں نے اسے تہ خانے کے اذیت ناک ماحول کا حال نہیں بتایا۔ میں دیر تک پریم سے باتیں کرتا رہا۔ مجھے سید غوث کا انتظار تھا۔ تاریکی ہو گئی تو مجھے سید غوث کا اداس اور مضمحل چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ پریم نے پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''ہاں میرے دوست! یہ میں ہی ہوں۔ تمہارا بدنصیب دوست جمیل احمد خان۔''

''جمیل احمد خان!'' سید غوث پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ''واقعی یہ تم ہو؟'' اس نے مجھے زور سے کھینچ لیا۔

''ہاں سید غوث۔ میرے بھائی۔ میں سخت جان شخص زندہ ہوں۔ کچھ اور مصیبتیں لکھی تھیں، انہیں بھگتا کر آ رہا ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھیں دیکھ کر اپنا سر جھکا لیا۔

اس کے بعد سید غوث نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کا ایک ایک واقعہ تفصیل سے سنایا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ وہ انکا کو ساتھ لے کر مندروں میں نکل پڑتے اور سنسان ویران جگہوں پر ہر ایک کو میرا حلیہ بتا کر میرے متعلق پوچھتے۔ اس تگ و دو میں ان کی ملاقات پنڈت ہرچرن سے بھی ہوئی تھی۔ انکا عموماً پریم کے سر پر رہتی تھی۔ ایک دن بڑے مندر جاتے ہوئے پنڈت ہرچرن نے پریم کے سر پر انکا کو دیکھ لیا۔ یہیں سے ہرچرن کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے انکا کے حصول کے لئے جاپ شروع کر دیا اور اسے حاصل کرنے کے بعد اس بدبخت نے ایک روز پریم کو اپنے شبستان گناہ میں بلا کر اس کی دوشیزگی چھین لی۔ سید غوث نے پریم کی موجودگی کی وجہ سے یہ اندوہ ناک

واقعات محتاط انداز میں بیان کیے لیکن مجھے پہلے ہی سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ پریم لٹی لٹی میرے سامنے بیٹھی تھی۔ میرے سینے پر ایک پہاڑ سا ٹکا ہوا تھا۔

''اور وہ انکا بھی دغا دے گئی۔'' سید غوث اداسی سے بولا۔ ''اس نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ ہرچرن کے سر پر جانے والی ہے۔ ہم نے منڈل میں جا کر ہرچرن کو اس کا جاپ کرتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ پریم نے انکا کے منع کرنے کے باوجود اس کمینے کے سر پر پتھر بھی مارے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر ہم نے پیر و مرشد سید کی تلاش کی۔ سید کو ڈھونڈنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ میں ایک بار گلبرگہ بھی گیا مگر سید کا کہیں پتا نہ چلا۔ آخر ہرچرن کامیاب ہو گیا۔ انکا کی رخصتی کا منظر بڑا دردناک تھا۔ وہ کبھی میرے سر پر آتی تھی۔ کبھی پریم کے سر پر۔ وہ بڑی دل گرفتہ اور آزردہ ہمیں چھوڑ کر گئی۔ چلتے وقت اس کی زبان پر تمہارا نام تھا۔ انکا کے جانے کے بعد کچھ ایسے حادثے پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔'' سید غوث نے اداسی سے کہا۔

وہ مجھے واقعات سنا رہا تھا اور شاید اس نے میری آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ اس نے میری رگیں تننے پر غور نہیں کیا تھا۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا مگر میں وہاں نہیں تھا۔ میں اس وقت چونکا جب اس نے مجھ سے پوچھا۔ ''تم نے کچھ نہیں بتایا؟''

''ہاں۔'' میں نے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ ''ایک طویل داستان ہے۔ رات کو سناؤں گا۔'' میں نے پریم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''بس یہ سمجھ لو کہ میں آ گیا ہوں اور اب جانے کے لئے نہیں آیا ہوں۔''

سید غوث سمجھ گیا کہ میں پریم کے سامنے اپنے گمشدہ دنوں کا احوال سنانے سے گریز کر رہا ہوں۔ اس نے پھر کوئی استفسار نہیں کیا۔ میں نے اس رقت انگیز اور افسردہ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی سعی کی۔ حالانکہ وہاں میرا جی نہیں لگ رہا تھا۔ پریم جیسی شگفتہ لڑکی کی دوشیزگی کا قاتل چین کی بنسی بجا رہا تھا۔ آنند لال کشٹ سہہ رہا تھا اور بدری نرائن بغیر پٹے کے کتے کی طرح بستیوں میں شور مچاتا پھر رہا تھا۔ اب مجھے نہ نندا کی نصیحتوں کی فکر تھی، نہ سید کے پُرجلال چہرے کا لحاظ تھا۔ ہندوستان میں ہر جگہ میرے دشمن موجود تھے۔ چند لوگوں کے خون سے پیاس بجھانے کے بعد مجھے اپنا ہر انجام قبول تھا۔ میں ایک تنہا آدمی ہندوستان میں پھیلے ہوئے ان دشمنوں کے مقابلے میں بہت چھوٹا تھا لیکن اب صبر و ضبط کا یارا نہیں تھا۔ نہ کسی مصلحت کا خیال، نہ کسی انجام کا خوف۔ سید غوث میرے چہرے کی بدلتی کیفیات محسوس کر رہا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سکینہ کے ہمراہ کھانے کے دوران میں خوش طبعی کا مظاہرہ کیا۔ اس اثناء میں پریم اور سید غوث کے اصرار پر میں نے شیو بنا لیا تھا لیکن سر کے بڑھے ہوئے بال نہیں کٹوائے تھے۔ پریم کی طبیعت کی بحالی تک دل پر پتھر رکھ کر مجھے یہاں ٹھہرنا تھا۔ اس رات پریم اور سید غوث کی پُرتجسس نگاہیں

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میرے چہرے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ وہ کچھ جاننا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں پُر اسرار علوم اور جادو ٹونے کی گفتگو میں الجھائے رکھا۔

رات گئے میں پریم سے اجازت لے کر ایک چھوٹے سے مراقبے میں ڈوب گیا۔ پریم اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سید غوث کا تجسس دور کرنے کے لئے مختصراً اسے اپنی گیارہ مہینے کی ہولناک روداد سنائی۔ وہ تعجب خیز انداز میں چونک چونک کر بستر سے اٹھ بیٹھتا تھا پُر اسرار واقعات پر مبنی، میری نا قابل یقین روداد کی تردید کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ ثبوت کے طور پر میں عجیب ہئیت کذائی اور وحشت زدگی کے ساتھ سامنے موجود تھے۔

"مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اب تمہیں چھوڑ دیں گے؟" اس نے میرا چہرہ پڑھ کر کہا۔

"نہیں۔ وہ اب بھی باز نہیں آئیں گے۔ ان پر جنون طاری ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر تم تنہا ان عفریتوں کا مقابلہ کیسے کرو گے؟ انکا بھی جا چکی ہے۔ وہ متحد ہو کر پھر تمہارے لیے کوئی مصیبت کھڑی کر دیں گے۔"

"میں جانتا ہوں مگر انکا کے جانے سے کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ اب بات انکا کی پُر اسرار قوتوں سے تجاوز کر چکی ہے۔ پُر اسرار تہ خانے سے باہر آتے ہی میری شکتیاں واپس آ گئی تھیں نیز مسلسل گیارہ ماہ مراقبے اور ارتکاز کی مشقوں کے بعد میں نے کوئی چیز کھوئی نہیں بلکہ حاصل کی ہے۔"

وہ سمجھنے نہ سمجھنے کے انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ "یہ تو سچ ہے۔" وہ تذبذب سے بولا۔ "لیکن ان کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں بڑے گیانی دھیانی پنڈت اور پجاری ہیں۔ تم کیسے اور کب تک ان کا مقابلہ کرو گے؟"

"کالی کے تہ خانے میں میرے اتنا عرصہ گزارنے کے بعد ان پر یہ خوف بھی غالب ہے کہ مجھے اب کالی کا آشیرباد حاصل ہے کیونکہ میں وہاں سے زیادہ سلامت واپس نکل آیا ہوں۔"

"اور اگر تم کسی مقابلے کا ارادہ ہی ترک کر دو؟"

"تم اپنی بات کی تردید کر رہے ہو۔ تم نے ابھی کہا تھا کہ وہ میرا تعاقب نہیں چھوڑیں گے۔ سنو سید غوث۔ کیا میں بدری نرائن کو معاف کر سکتا ہوں؟ یہ تو میں نے نندا سے بھی منع کر دیا تھا۔"

"معاف کرنے کو کون کہتا ہے لیکن تم خود دیکھو......" اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے کتنے سال گزار دیئے۔ کبھی تم نے انہیں زچ کیا، کبھی انہوں نے تمہیں پریشان کیا۔ میں پوچھتا ہوں، یہ کھیل کب ختم ہوگا؟"

"سید غوث۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ پریم کی ابتر حالت دیکھ کر میرے دل پر کیا گزری ہے۔ ہر مرتبہ کھیل ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ کبھی انہوں [illegible]

پریم کو زندہ درگور کر دیا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں صرف ترئین کی فکر ہے۔ جب مجھے اس کا خیال آتا ہے تو بڑی ندامت ہوتی ہے۔ وہ جوان لڑکی تنہا ان پہاڑیوں پر میرے سہارے رہ رہی ہے۔ نیچے بڑے مہان پنڈتوں، پجاریوں نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ انہوں نے میرے اوپر جانے کے راستے مسدود کر دیے ہیں کیونکہ وہ پریتم لال کے دھارمک استھان پر قبضہ کر کے کلدیپ کو بے دخل کرنا چاہتے ہیں۔ کلدیپ میری خاطر اپنی شکتیاں بڑھانے کے لئے مسلسل جاپ کر رہی ہے۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے جو مراقبہ کیا تھا، اس میں بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ کلدیپ نے اپنا طویل جاپ ختم کر کے جب میری موجودگی کے بارے میں غور کیا ہوگا تو اسے مایوسی ہوئی ہوگی۔ نتیجتاً اس نے ایک دوسرا طویل جاپ شروع کر دیا ہے۔ میں ان دونوں کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ کلدیپ تو بہرحال میرے مرنے کے بعد بھی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی گزار دے گی لیکن ترئین کا کیا ہوگا؟ کیا وہ ہمیشہ اسی طرح بیٹھی رہے گی اور میری قسمت کی گردشیں جاری رہیں گی؟"

میری باتوں کا سید غوث کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ مجھے عام انسانوں کی طرح صبر و ضبط کی تلقین کرنے لگا۔ ہم دونوں نے رات جاگ کر گزاری۔ صبح سویرے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میرا جسم آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ کسی کروٹ نیند نہیں آتی تھی۔ نرم و گداز بستر کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔ یہ خوشبوئیں، یہ معطر ہوائیں، رات کو جھینگروں کی آوازیں، یہ سبزے اور مٹی کا ہریالا سوندھا پن۔ میں ان تمام خوشبوؤں اور احساسات سے دور ہو گیا تھا۔ اب یہ سارا ماحول عجیب سا لگ رہا تھا۔ میں قبر کا آدمی تھا مگر اب میرا رشتہ دوبارہ دنیا سے قائم ہو گیا تھا۔

یہ نہ پوچھئے، وہ ایک ہفتہ کیسے گزرا؟ یادداشت میں جہاں اور باتیں محفوظ ہیں وہاں ان سات دنوں کا کرب بھی جمع ہے۔ ایک ہفتے تک میں نے پریم اور سید غوث کے ساتھ مل کر بہت نارمل وقت بسر کیا۔ سرِ شام کار میں بیٹھ کر میں، پریم اور سید غوث بمبئی کی تفریح گاہوں کی طرف نکل پڑتے۔ میں ان ہنگاموں سے دور ہونے کے باوجود ان میں شامل ہونے کی کوشش کرتا۔ وہ شخص جسے ایک لمحہ گراں گزر رہا ہو، محض ایک لڑکی کی خاطر آگ میں جھلسنے پر مجبور تھا۔ انکا کے نئے آقا ہرچرن کو میں نے بعد میں بھگتنے کا ارادہ کر کے پہلے آنند لال کا کھوج لگانے کا فیصلہ کر لیا مگر کئی مراقبوں اور ارتکاز کے کئی اعمال کے بعد بھی اس کا پتا پوچھنے سے قاصر رہا۔ انہوں نے میری طرح اسے کسی ایسی جگہ قید کر دیا تھا جو میری نظروں سے اوجھل تھا۔ اس رات جب انہوں نے مجھے تہ خانے میں دھکیلا تھا، اگر مجھے سنبھلنے کا ذرا سا موقع بھی مل جاتا تو حالات مختلف ہوتے۔ آنند لال کا پتا کالی کے شکستہ مندر ہی میں چل سکتا تھا۔

آٹھویں رات جب میں اس شکستہ مندر میں جانے کے لئے پر تول رہا تھا، مجھے اپنے سر پر دھماکہ محسوس ہوا۔ میں نے عالمِ تصور میں نظر اٹھائی تو انکا موجود تھی۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبے سے عاری

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھا۔ میں نے اس کی اچانک آمد پر کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کس کے اشارے پر آئی ہے اور کس لہجے میں گفتگو کرے گی'' کیوں آئی ہو؟'' میں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

''میں تمہیں ایک پیغام دینے آئی ہوں'' انکا نے سنجیدگی سے کہا۔

''بکو...... مگر خیال رہے کہ تم کس کے سر پر بیٹھی ہو۔''

''میں جانتی ہوں' میرا کام صرف تمہیں پیغام دینا ہے۔''

''ہر چرن کا پیغام؟ اس کمینے نے کیا کہا ہے، کیا وہ خوف زدہ ہو گیا؟''

''اس کے پاس انکا ہے اور دیوی اس سے خوش ہے۔''

''اس کے پاس انکا ہے۔'' میں نے غصے میں دہرایا۔ ''جس کا باطن سیاہ ہے، دل پتھر کا ہے اور آنکھوں میں بے مروتی ہے، جس کی طاقتیں محدود اور جس کی پرواز صرف بدی کی سمت رہتی ہے؟''

''تمہاری اس تعریف کا میرے اوپر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' انکا نے کہا۔

''تمہاری بے حسی کا مجھے اندازہ ہے۔ جو کہنا ہے کہو، وہ مردود کیا کہتا ہے؟''

''میرے آقا ہر چرن نے تمہیں یہ پیغام بھیجا ہے کہ تمہیں شما کیا جاتا ہے۔ تمہاری مکتی اسی میں ہے کہ تم یہ دیس چھوڑ دو اور سمندر پار کہیں چلے جاؤ۔ تم نے بار بار سزاؤں کا مزہ چکھا ہے۔ تم تنہا اتنے بہت سے لوگوں سے نہیں لڑ سکتے۔ تمہاری جان بچنے کا یہی ایک موقع ہے۔'' انکا نے دھمکی کے لہجے میں کہا۔

''تم...... تم......!'' میرے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ ''تمہاری دھمکی بہت اشتعال انگیز ہے۔ وہ تمہی تھیں جو بے گناہ پریم کو یہاں سے اٹھا کر ہر چرن کے پاس لے گئیں۔ میں اس سے پریم کی دوشیزگی کا معاوضہ وصول کر کے رہوں گا۔''

''میں اپنے آقا کی تابع ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں پریم کو اس کے پاس لے آؤں۔'' انکا نے کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا۔

''میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں......'' میں نے زیر لب کہا۔ ''اب تم اس وقت بھی اپنے آقا کی مدد کے لئے تیار رہنا جب میں اس کے سر پر موجود ہوں گا۔''

''میں اس کی ہر طرح مدد کروں گی۔''

''تم کیا کر سکتی ہو؟'' میں نے بھنا کر کہا۔ ''یہ اس وقت پتا چل جائے گا۔''

''میرے پیغام کا جواب دو۔'' انکا نے کہا۔

''میں اس کے منہ پر تھوکنے کے لئے کسی دن بھی پہنچ جاؤں گا۔ ہر چرن سے کہنا کہ وہ انکا کو میرے حوالے کر دے، نہیں تو اس کی ساری بھگتی اور تپسیا ملیا میٹ ہو جائے گی۔''

''میں آخری بار تمہیں خبردار کرتی ہوں

میرا آقا ایک مہان پجاری ہے۔''

کاش میں انکا کو پکڑ سکتا' ایسا ممکن ہوتا تو میں اسے جلا کر خاک کر دیتا۔ وہ میرے سر پر بیٹھی مجھے ہر چرن کی شکتیوں کے ذکر سے خوف زدہ کرتی رہی۔ اس کی بے التفاتی اور ڈھٹائی کا تلخ، تجربہ مجھے پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا اس لیے میں نے اس سے زیادہ باز پُرس نہیں کی۔

''تم جا سکتی ہو۔'' میں نے اسے حکم دیا۔

''میں تمہارے حکم کی پابند نہیں ہوں۔''

''کیا تم مجھے کسی فیصلے پر مجبور کرنا چاہتی ہو؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بلوان اور شکتی والے آدمی ہو۔''

''پھر تم یہ پیغام رسانی کیوں کر رہی ہو؟''

''یہ میرے آقا کا حکم ہے کہ میں تمہیں سیاہ و سفید کے بارے میں بتا دوں۔''

''اب تم اپنے آقا کو میرے بارے میں بتا دینا کہ تم نے میرے سر پر جا کر کیا محسوس کیا؟ یہ بھی کہہ دینا کہ میں نے گیارہ مہینے چوہوں اور کالی کی مورتی کے درمیان بیکار نہیں گزارے اور یہ بھی کہہ دینا کہ اب میں سیاہی یا سفیدی چاہتا ہوں۔ میں نے عفو و درگزر کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔''

انکا کے آنے سے اضطراب اور بڑھ گیا۔ وہ چلی گئی تو میں نے بڑی مشکل سے رات اور گہری ہونے کا انتظار کیا۔ سید غوث کو جگا کر میں نے اس سے اجازت لی۔ اس نے مجھے بہت روکا۔ ساتھ چلنے پر اصرار کیا لیکن میں نے اس کی ہر بات مسترد کر دی۔ پریم سو چکی تھی۔ میرا رخ شکستہ مندر کی طرف تھا جہاں کیلاش ناتھ رہتا تھا۔ میرے قدم تیز تیز زمین پر پڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

مندر کی شکستہ عمارت تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کسی گھنٹی کی آواز آ جاتی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اندر کوئی پجاری پوجا پاٹ میں مصروف ہے۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ میں نے دروازے سے ملحق لٹکی ہوئی گھنٹی دو تین بار ہلا کر آواز پیدا کی۔ رات کے سناٹے میں آواز دور دور تک گونج گئی۔ میری گھنٹی کے جواب میں متعدد گھنٹیوں کی آوازیں فضا میں پھیل گئیں۔ میں دروازے پر کھڑا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اندر سے ایک پھٹی ہوئی نحیف و نزار آواز آئی۔ ''کون ہے؟''

''میں کیلاش ناتھ جی سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک ضرور کام آ پڑا ہے۔ ذرا دروازہ کھولو۔'' میں نے کہا۔ ''کیلاش ناتھ جی نہ ہوں تو میں مرلی دھر سے مل لوں گا۔''

اندر سے بڑبڑانے کی آواز آئی اور دروازہ کھول دیا گیا۔ ایک بوڑھا شخص ہاتھ میں مٹی کا دیا لیے خشمگیں نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں اسے نظر انداز کر کے بائیں جانب مڑ گیا اور قطار میں ایستادہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کٹیاؤں کے درمیان سے گزر کر ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہ کوئی بہت بڑا مندر نہیں تھا مندر کی عمارت شکستہ تھی لیکن اس سے ملحق پجاریوں کی درس گاہیں اور مکانات اچھے خاصے بنے ہوئے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ کیلاش ناتھ کے دروازے پر دستک دینے کے بعد مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وہ میرے سامنے تھا اور میری آمد کا مطلب جاننے کے لئے سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ میں نے کسی رسمی تمہید کے بغیر درشت آواز میں اس سے آنند لال کا پتا معلوم کیا۔ اس نے میری جسارت اور میرے لہجے کی سختی محسوس کر لی اور گھبرائے ہوئے انداز میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

''تم اس کا پتا جانتے ہو۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟'' میں نے حکماً پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم مہاشے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں۔''

''تم جانتے ہو۔ مجھے بتاؤ ورنہ......''

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بولا۔

''تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔ تم ان بدقماش پجاریوں میں شامل تھے جنہوں نے بدری نرائن کے اشارے پر میرے اور آنند لال کے خلاف سازش کا جال بُنا تھا۔ سنو! اگر تم نے سیدھی طرح نہیں بتایا تو میں تمہیں ابھی نرک میں پہنچا دوں گا۔'' میں نے بگڑ کر کہا۔

''تم...... جمیل احمد خان، نہیں جانتے کہ تم کیلاش ناتھ کو غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تمہارے کسی پرشن کا اتر دینے سے انکار کر سکتا ہوں۔'' اس نے طیش میں آ کر کہا۔

''میں معلوم کرنا جانتا ہوں۔ تم نے جگدیش کا حشر دیکھ لیا ہے۔ تم نے عدالت کا فیصلہ بھی سن لیا ہے۔ تم نے مجھے صحیح وسلامت کالی کے پُراسرار تہ خانے سے نکلتے بھی دیکھا ہے۔''

''تو پھر تم اپنی شکتیوں سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے؟'' اس نے طنز کیا۔

''شکتی کسے کہتے ہیں، یہ میں ابھی تمہیں بتا دوں گا لیکن بہتر ہے کہ تم سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دے دو۔'' میں نے اس بار اور سخت لہجہ اختیار کر لیا۔ میرے تلخ رویے سے وہ غصے میں آ گیا۔ اس نے اچانک اپنا ہاتھ بڑھا کے مجھے دروازے سے دھکیل کر تیزی سے دروازہ بند کر لیا۔ میں سیڑھیوں پر گرا اور میں نے اپنی پوری قوت سے دروازے پر اپنا بایاں پہلو ٹکرایا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ کیلاش ناتھ نے چیخ کر مجھے آگے آنے سے منع کر دیا اور دیا بجھا کر مجھ پر کوئی نم چیز پھینک دی۔ پانی میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی تھی جس میں مرچوں اور نمک کی آمیزش تھی۔ میری آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ اندھیرا چھانے لگا لیکن میں نے کوئی دوسرا وار کرنے کی مہلت دینے سے پہلے بجھے ہوئے دیئے پر انگلی رکھ کر اسے روشن کر دیا۔ کیلاش ناتھ کا چہرہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ میں نے نہایت عجلت میں دیئے کے تیل میں انگلی ڈبو کر اس کی طرف چھینٹیں ماریں۔ اس نے ایک کریہہ چیخ کے ساتھ اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کے

چہرے پر داغ پڑ چکے تھے۔ میں نے دوبارہ تیل کے چھینٹے اس کے منہ پر رکھے ہوئے ہاتھ پر مارے۔ اس نے بلبلا کر ہاتھ اٹھا لیا۔

''بتاتا ہوں مہاشے! دیا بجھا دو۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا۔

''دیا جلتا رہے گا۔ تمہیں اپنا جیون پیارا تھا اس لیے تم مان گئے ورنہ آج میں کسی اور ارادے سے آیا تھا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' میں نے گرج کر کہا۔

''اسے مہاپرشوں نے وندھیا چل کے پہاڑوں میں قید کر رکھا ہے کیونکہ اس نے ابھی تک اپنے من سے تمہارا دھیان نہیں نکالا ہے۔'' کیلاش نے سہم کر کہا اور پھر لمحوں میں ساری تفصیل مجھے بتا دی۔

''کیلاش ناتھ!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''میں نے تمہارے ساتھ نرمی کی تھی مگر تم لوگوں نے میرے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے وہ درندگی سے کم نہیں۔ اپنے تمام پنڈتوں، پجاریوں کو بتا دینا کہ وہ اب میرے آڑے آنے کی کوشش نہ کریں، اب سے گزر گیا ہے۔''

''جو تم کہہ رہے ہو ٹھیک ہے مہاشے۔'' تکلیف میں کراہتے ہوئے کیلاش ناتھ نے کہا۔

میں نے اسے چھوڑ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہندوستان کے تمام پنڈتوں، پجاریوں تک میری رہائی کی خبر پہنچ گئی ہوگی اور وہ بڑے بڑے منصوبے بنا رہے ہوں گے۔ میں کیلاش ناتھ کے معاملے میں شدت اختیار کرتا تو آنند لال تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش آ سکتی تھی۔ اس لیے میں نے اسی پر بس کیا۔ اس سے نمٹ کر مندر کا دروازہ کھلا چھوڑ کے میں گھر واپس آ گیا۔ سید غوث ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اسے کیلاش ناتھ کا واقعہ سنا کر میں سونے کے بجائے فرش پر ارتکاز کے عمل میں مصروف ہو گیا۔

☆......☆......☆

پریم کا باپ ڈاکٹر سکسینہ ایک معقول آدمی تھا۔ اس کے گھر میں میرا عمل دخل اس حد تک ہو چکا تھا کہ جب میں نے اسے اس کی کوٹھی سے منتقل ہونے اور گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں قیام کرنے کا مشورہ دیا تو وہ فوراً مان گیا۔ مجھے وندھیا چل کے پہاڑی سلسلوں میں آنند لال کا کھوج لگانا تھا لہٰذا اب اس بات کا خدشہ تھا کہیں پنڈت ہرچرن انکا کے ذریعے سید غوث یا پریم پر دوبارہ حملہ کر کے مجھے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔ رکن الدین کی حویلی سید کی امان میں تھی اور وہاں حضرت گیسو دراز بھی موجود تھے۔ دوسرے دن ہم نے سامان باندھا اور پہلی گاڑی سے گلبرگے کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستے کے سفر میں اچانک سید غوث پر ایک خطرناک قسم کا دورہ پڑا۔ یہ انکا کی کارستانی تھی۔ میں ہر طرح محتاط تھا اس لیے انکا کا نشانہ خطا گیا۔ سید غوث کے سر پر انکا آ گئی تھی۔ اس نے اسے بے بس کر کے مجھ پر پستول چلانے کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔ وہ مجھے مغلظات بکنے لگا۔ اس ناگہانی حادثے سے پریم اور ڈاکٹر سکسینہ دونوں پریشان ہو گئے۔ ریل گاڑی کے اس مخصوص ڈبے میں ہم چار ہی نفوس تھے۔ انکا کو سید غوث کے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سر پر دیکھ کر میں نے اسے حکم دیا کہ وہ فوراً چلی جائے لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ نتیجتاً مجھے سید غوث پر گرفت مضبوط کرنی پڑی۔ میں نے انکا کو بے اثر کر دیا۔ سید غوث جلد ہی ہوش میں آ گیا اور انکا اس کے سر پر مسلط ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکی۔ وہ تلملاتی اور دانت پیستی رہی۔ راستے میں پھر کوئی مصیبت نہیں آئی۔ انکا ناکام ہو کر واپس چلی گئی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے میں آگے بڑھتا ہوں۔ انکا دوسروں کے سر پر کیا کر سکتی ہے، اس کا اندازہ آپ کو ہو گا۔

رکن الدین نے ہماری توقع سے زیادہ مہمان داری کا ثبوت دیا۔ پریم اور ڈاکٹر سکینہ کو اس نے نہایت اہتمام سے ایک شاندار کمرے میں ٹھہرایا۔ یوں ہی ایک مبہم امکان کے پیش نظر میں نے سید کو بھی تلاش کیا۔ پھر گلبرگے میں اپنے متعلقین کی طرف سے مطمئن ہو کر میں تنہا وندھیاچل کے طویل پہاڑی سلسلے کی طرف چل پڑا۔ کیلاش ناتھ نے جو تفصیل بتائی تھی اس کے مطابق مجھے ناگپور سے پہاڑوں پر پیدل سفر کر کے اسی میل چلنا تھا جہاں ہندو پنڈت، سادھو اور پجاری تپسیا کے لئے جایا کرتے تھے۔ ناگپور کا سفر میں نے ریل کے ذریعے طے کیا اور وہاں سے سرسبز پہاڑوں اور گھنے جنگلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ تبت میں رہ کر میں پہاڑی زندگی کا عادی ہو گیا تھا۔ یہاں بھی دشوار گزار راستے تھے' گھاٹیاں اور پیچ دار پگڈنڈیاں تھیں۔ پہاڑ پر سفر کرنا ایک وقت طلب کام ہے۔ سانس پھولنے لگتا ہے۔ میں دس میل تک کہیں رکے بغیر چلتا رہا اور وہیں مجھے ہندوؤں کا ایک آشرم نظر آیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا مندر تھا۔ آبادی بہت مختصر تھی۔ بڑے سکون کی جگہ تھی۔ ہر طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ صاف وشفاف پانی کا چشمہ رواں تھا۔ میں آشرم کے چبوترے پر ستانے کے لئے بیٹھ گیا اور میں نے ایک جگادری پنڈت سے جس کا سر پھٹا ہوا تھا، نالکھ آشرم کے متعلق پوچھا۔

میرے سوال پر اس کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک ہو گئیں اور پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ ''تو وہاں کیوں جانا چاہتا ہے؟'' اس نے تندی سے پوچھا۔

''میں اس دھارمک پوتر استھان کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے وہاں بڑے گیانی پنڈت سادھو موجود ہیں۔'' میں نے اپنے اشتیاق کا اظہار کیا۔

''پر بالک وہ عام لوگوں کا استھان نہیں ہے۔ وہاں وہی منش جا سکتا ہے جسے کالی کا آشیرباد پراپت ہو اور جس نے سنسار ٹھکرا دیا ہو۔''

''میں تو ایک یاتری ہوں مہاراج، ان مہاپُرشوں کے درشن کروں گا تو مکتی ہو جائے گی۔ میں میلوں پیدل چل کے آ رہا ہوں۔ مجھے نراش مت کیجئے۔'' میں نے اس سے درخواست کی۔

''نہیں۔ نہیں۔ بالکل نہیں، تو وہاں جا کر ان مہاپُرشوں کی تپسیا میں انگل ڈالے گا۔ یہ گنیش جی کا استھان ہے۔ جب تک کوئی پجاری ایک سال کی گنیش پوجا نہیں کر لیتا، آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ نالکھ آشرم

کا دروازہ ہے پاگل۔'' پنڈت نے مجھے جھڑک دیا۔

''مہاراج! میں تو جانے کے ارادے سے آیا ہوں۔''

''اے منش، کیا تیرا دماغ ٹھیک ہے؟'' پنڈت نے نفرت سے کہا۔ ''تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟''

''مہاراج! نام وام چھوڑیئے۔ میرا کوئی بھی نام ہو میں جس ارادے سے آیا ہوں، اسے پورا کر کے ہی جاؤں گا۔ میں ایک سال تک گنیش پوجا کے لئے نہیں رک سکتا۔''

''توریت کے خلاف کیسے چل سکتا ہے؟''

''میں گنیش جی سے شما چاہ لوں گا۔''

''شما چاہے گا؟'' پنڈت نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا جیسے وہ کھا جائے گا۔ میں نے اسے راضی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' وہ بولا۔ ''نہ نہ...... نالکھ آشرم میں جانے والا ہر مہاپرش یہاں سے گزر کر جاتا ہے۔ میں تجھے وہاں جانے سے روک دوں گا۔ میں پاپ نہیں کر سکتا۔''

اسی اثناء میں وہاں کئی پنڈت اور پجاری جمع ہو گئے۔ انہوں نے مجھے نرمی اور سختی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ میں نے ان سب کو ٹٹولا، وہ میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتے تھے اس لیے میں اٹھا اور نالکھ آشرم کی سمت چل پڑا۔

''توریت کے خلاف کر رہا ہے۔ رک جا، گنیش کی پوجا کیے بغیر آگے چل دیا مورکھ۔''

اور پھر ایک ساتھ کئی پنڈتوں پجاریوں نے مجھے پکڑ لیا۔ وہ بڑا پنڈت جو سب سے پہلے مجھ سے مخاطب ہوا تھا، الگ کھڑا تھا۔ میں نے مچل کر زور آزمائی کی تو انہوں نے مجھے اور سختی سے پکڑ لیا۔ کسی نہ کسی طرح میں نے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے آزاد کرایا اور پھر ایک ہی جھٹکے میں وہ سب زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ اندر چھپی ہوئی نفرت تھی کہ میں نے بڑے پنڈت کی گردن میں لٹکی ہوئی مالا کھینچ کر اس کے دانے زمین پر پھینک دیئے اور اس کے گال پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اتنی شدت کیوں اختیار کی۔ لمحے بھر میں بڑا پنڈت میرے ایک عمل سے زمین پر گر چکا تھا اور اس کے چیلے اسے سنبھالنے کے لئے اس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ سب کن انکھیوں سے مجھے دیکھتے جاتے تھے۔ آخر ان میں سے ایک بولا۔ ''تم جا سکتے ہو، پر اس اپمان کی تمہیں کڑی سزا بھگتنی پڑے گی۔''

میں نے جانے کے بجائے ان سے پانی مانگا۔ ایک چیلا لٹیا لیے ہوئے میرے قریب آیا۔ میں پانی پی کر ان پر ایک اچٹتی نظر ڈالتا ہوا اپنے راستے پر چل پڑا۔ پھر میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ میرے سامنے ایک لمبا راستہ پڑا تھا۔

چلتے چلتے رات ہو گئی۔ کہیں کہیں کوئی چھوٹی آبادی نظر آ جاتی تھی۔ تاحد نظر درختوں کی قطاریں۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھیں۔ رات تک میں نے آدھا فاصلہ طے کرلیا تھا۔ رات کو سونے کے لئے مناسب، کارگر اور محفوظ طریقہ یہی تھا کہ میں مراقبے میں ڈوب جاؤں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا اور رات گزار دی۔

☆......☆......☆

سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی میں نے سفر شروع کر دیا۔ ڈھلوان اور اونچائی کے راستوں پر چلتے ہوئے کتنے ہی خیالات نے ذہن پر قبضہ جمایا۔ میں نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا اور مجھے ان پر ترس آگیا۔ یہ کب تک میرا ساتھ دیتے رہیں گے؟ کب تک میرے جسم کا بوجھ سنبھالے رہیں گے؟ اس وقت میرے جی میں آئی، میں آئینے میں اپنی شکل دیکھوں کہ میں خود کو کیسا لگتا ہوں؟ بہت سے لوگ میرے ذہن کے دریچوں میں جھانکتے رہے۔ کسی کا چہرہ مغموم تھا۔ کوئی مجھ سے شاکی تھا، کسی کے چہرے پر نفرت تھی۔ کوئی حسرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ انہی بھولے بسرے لوگوں میں جین اور سارا کے چہرے نظروں کے سامنے آگئے۔ جرمنی میں جین کے ساتھ جو لمحات گزارے تھے، وہ مجھے ستانے لگے اور میں نے اپنی موجودہ کیفیت کا تعین کرنے کے لئے زور زور سے قدم زمین پر مارے۔ جین کا تصور، اس کا خوش اندام ہیولا، جسم و جاں میں ایک بجلی بن کر چمکا۔ مجھے اپنے آپ پر حیرت ہوئی، اتنے دنوں تک نفس کا کوئی غلبہ مجھ پر نہیں ہوا تھا۔ جین یہاں ان پہاڑیوں میں میرے ساتھ ہوتی تو وہ یہیں بسیرا کر لیتی۔ پُراسرار ہندوستان کے متعلق بڑی دلچسپی سے باتیں کرتی تھیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے بھولی نہیں ہوگی۔ میرے نقش اتنے ہلکے نہیں ہوتے کہ آسانی سے مٹ جائیں۔ اس سے ملنے کے لئے دل بے قرار ہونے لگا مگر لندن جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ وہ تو ایک خواب تھا۔ انکا نے زندگی کے کتنے رنگ دکھائے۔ کیسے کیسے لوگوں سے رابطہ پیدا ہوا، کیسے کیسے لوگ بچھڑ گئے۔ ان جھرنوں اور سرسبز وادیوں کے حسن نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ بہرحال اتنا ضرور ہوا کہ وقت تیزی سے کٹ گیا۔ دور ایک وادی میں پرانے طرز کی کٹیاؤں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ میں نے رفتار تیز کر دی۔ جب میں قریب پہنچا تو جنگل اور گہرا ہو گیا تھا۔ قدم قدم پر مختلف دیوتاؤں کی مورتیاں درختوں کے تنے کاٹ کر ان میں سجائی گئی تھیں۔ میں چلا جا رہا تھا کہ حیرت انگیز طور پر یکایک مجھے انکا کے پنجوں کی چبھن اپنے سر پر محسوس ہوئی۔ ''جمیل!'' اس نے پیار سے مجھے مخاطب کیا۔

مجھے اس کے طرزِ تخاطب پر تعجب ہوا۔ میں نے عالم تصور میں انکا کی شکل دیکھی۔ وہ کچھ مضطرب سی تھی۔ ''جمیل! ایک خوشخبری سناؤں؟ پنڈت ہرچرن نے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ اب میں تمہارے پاس آگئی ہوں۔''

''مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ڈپٹ کے کہا۔

''جھوٹ......تو تم ناراض ہو؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

''تم کتنی ہو۔ جاؤ ہرچرن کے پاس واپس جاؤ۔ اس سے کہو کہ میں عطیے قبول نہیں کیا کرتا۔'' میں نے اسے جھڑک دیا۔

''اب وہ مجھے واپس نہیں لے گا کیونکہ وہ تم سے خوف زدہ ہے۔''

''مجھ سے؟'' میں نے کچھ سوچ کر کہا اور آگے بڑھتا رہا۔

''ہاں تم سے! جب اس نے مجھے آزاد کر دیا تو میں سیدھی تمہارے پاس چلی آئی۔ میں نے سوچا تم تنہا سفر کر رہے ہو گے۔''

''تم مجھے ورغلانے اور زک پہنچانے آگئیں؟'' میں نے نفرت سے کہا۔ ''فوراً واپس چلی جاؤ۔ ہرچرن کمینے سے کہنا، جمیل احمد خان کو سمجھنے کے لئے اسے عمر بھر تپسیا کرنی ہوگی۔''

''جمیل! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو، میں تو......''

میں نے چیخ کر کہا۔ ''انکا چلی جاؤ ورنہ میں آنند لال کا خیال ترک کر کے تمہارے آقا ہرچرن کے پاس چلا جاؤں گا اور یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

''میں تو تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔'' انکا نے شاطرانہ انداز میں کہا۔

''تم اپنے آقا کے لئے مجھے اور نفرت دلانے آئی تھیں۔ میں کہتا ہوں میرا سر چھوڑ دو۔ تمہاری شرارت اور عیاری مجھ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اب تمہارا کوئی حربہ مجھے میرے راستے سے نہیں روک سکتا۔ میں نے تم سے بے نیاز ہونے اور تمہیں بے اثر کرنے کے لئے کئی سال ضائع کیے ہیں۔''

انکا نے مجھے اپنی ہمدردی کا یقین دلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ میری شدید نفرت، غیظ و غضب اور اشتعال انگیز رویہ دیکھ کر اسے واپس جانا پڑا۔ ہرچرن کی اس مکاری پر میرا دماغ بھنا گیا تھا۔ انکا میرے لیے اس حد تک جا سکتی ہے؟ مگر اس کے اختیار میں کیا ہے؟ وہ تو ایک کھلونا ہے۔ وہ مجھے بہکانے آئی تھی، ناکام واپس چلی گئی۔ گویا ہرچرن میری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

میں نے اور محتاط ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ وہ علاقہ میرے تصور سے زیادہ حسین تھا۔ میں حیرت سے وہ مناظر دیکھتا جاتا تھا۔ دل میں ایک طوفان بپا تھا۔ احتیاطی تدبیر کے طور پر میں نے اِدھر اُدھر جھانک کر دیکھا۔ کوئی میرے راستے میں نہیں آیا۔ میں نہایت آسانی سے اس خوب صورت وادی میں اتر گیا جس کے وسط میں سیاہ پتھروں کی بنی ہوئی ایک نہایت شاندار عمارت موجود تھی۔ جس کے ستون در و دیوار، کلس تمام کے تمام مورتیوں سے منقش کیے گئے تھے۔ یہ جگہ بڑے بڑے سادھوؤں کا مسکن تھی اور صرف انہی کے لئے مخصوص تیرتھ استھان۔ ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر میں نے آنند لال کی موجودگی کے تعین کے لئے درخت سے ٹہنیاں توڑ کر انہیں ادھر اُدھر بکھیر دیا مگر میرا یہ عمل سودمند ثابت نہیں ہوا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کوئی اس کٹیا پر خشک ہو کر جل جاتی تو وہاں آنند لال موجود ہوتا۔ ذہنی زیادہ دور تک جا ہی نہیں سکتی تھی اور ہر کٹیا پر عمل اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے دور و نزدیک کچھ پتھر پھینکے۔ میرا عمل ابھی جاری تھا کہ پیچھے سے کسی نے میرا ہاتھ روک دیا۔ وہ ایک خمیدہ کمر، دراز ریش بوڑھا تھا۔ داڑھی نے اس کے چہرے کا بڑا حصہ چھپا لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سکون کی کیفیت تھی۔ اس نے مجھے اور میں نے اسے تمام تر دلچسپی اور دلجمعی سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ میں زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آیا۔ میں نے طنز سے اسے مخاطب کیا۔ ”پرنام مہاراج! شاید تم میرے یہاں آنے کا مقصد جانتے ہو گے؟“

وہ کھڑا مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ ”میں آنند لال کے سلسلے میں آیا ہوں۔“ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ میرے لہجے میں تیز و تندی آ گئی۔ ”مجھے تم کوئی بلوان اور شکتی والے سادھو دکھائی پڑتے ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہارا ناتا سنسار سے ٹوٹ چکا ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ میں اس پاپی سنسار میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجھے گیان دھیان میں مزہ آتا ہے۔ جب میں سنسار کے سارے دھندوں سے دور ہو کر کسی کونے میں بیٹھ جاتا ہوں اور اپنی آنکھیں ایک طرف لگا لیتا ہوں تو مجھے اپنے اندر روشنیاں نظر آتی ہیں۔ میرا وزن کم ہو جاتا ہے۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں لیکن جب بھی میں نے شانتی سے جیون بتانے کا پریتن (ارادہ) کیا، تمہارے پنڈتوں پجاریوں نے مجھے نراش کیا۔ میرے متر آنند لال کو ستیہ کہنے کی سزا ملی۔ وہ اب تمہاری قید میں ہے اور تمہارے وہ پنڈت پجاری چین کی بنسی بجا رہے ہیں جو دھرم کے نام پر بٹا لگا رہے ہیں۔“

میں نے مزید کہا۔ ”سادھو مہاراج! تم اسے میرے حوالے کرو۔ میں نے اسی لیے یہ ساری باتیں تمہیں سنائی ہیں کہ تم دھیرج رکھ کر شانتی سے میری پراتھنا پر غور کرو اور اس سے پہلے کہ میرے تمہارے بیچ کوئی کڑوی بات پیدا ہو جائے، تم آنند لال کو میرے ساتھ کر دو۔“

وہ میرا چہرہ دیکھتا اور میری باتیں سنتا رہا پھر پہلی بار گمبھیر آواز میں بولا۔ ”آؤ میری کٹیا میں آؤ۔“

”کیا میں خود کو تمہارا مہمان سمجھوں؟“ میں نے پوچھا۔

”ہاں۔ آؤ...... میرے ساتھ آؤ۔“

میں اس کے ساتھ نیچے اتر گیا۔ ہم ہموار زمین پر آ چکے تھے۔ اتنی عمر کے باوجود بوڑھے سادھو کے قدموں میں تیزی تھی۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ میدان میں مجھے کئی اور بوڑھے سادھو بھی نظر آئے جن کی عمریں سو کے لگ بھگ یا اس سے متجاوز ہوں گی۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ مندر کے احاطے میں خوب صورت پجارنیں اور داسیاں، بہت مختصر لباس پہنے، ادھر اُدھر پھر رہی تھیں [illegible]

سادھوؤں کا ان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ میرے ساتھ آنے والے سادھو کو انہوں نے جھک کر پرنام کیا۔ سادھو نے ایک ادائے بے نیازی سے پلکیں جھپکائیں۔ یہاں نوجوان لڑکیاں، عورتیں اور بوڑھے سادھو ہی نظر آتے تھے۔ کوئی بچہ اور نوجوان شخص موجود نہیں تھا۔ بوڑھا سادھو میرے آگے آگے چل رہا تھا اور میں ایک جوش، ایک عزم کے ساتھ اس کی تقلید کر رہا تھا۔ وہ مجھے اپنی چھوٹی سی کٹیا میں لے آیا۔ یہاں ایک چٹائی تھی۔ مٹی کا لوٹا تھا اور کھونٹیوں پر لباس ٹنگا ہوا تھا۔ کٹیا کا اندرونی حصہ صاف تھا۔ ایک بڑی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور پوری کٹیا اونچے درختوں نے گھیر رکھی تھی۔ بوڑھے سادھو نے مجھے چٹائی پر بٹھا دیا۔ میں نے کہا۔ ”تمہاری ہمدردی کا شکریہ، پر میرے پاس سمے زیادہ نہیں ہے۔ میں آنند لال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”کچھ کھا پی لو، تم تھک گئے ہو گے۔“ اس نے نرمی سے کہا۔

”میں تھک جاتا تو مر جاتا۔ اسی میل کا پیدل سفر میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔“ میں نے کہا۔

بوڑھے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس عرصے میں ایک خوب صورت دیوداسی اندر آ گئی۔ اس نے میرے سامنے پانی اور پتوں سے ابلی ہوئی سبزیاں رکھ دیں۔ جب وہ میرے سامنے جھکی تو اس کی گداز، سرخ بانہوں پر میری نظر پڑی۔ اس کا چہرہ اتنا ملیح تھا اور نقش و نگار اتنے نازک تھے کہ میرے کئی لمحے اسے دیکھنے میں صرف ہو گئے پھر میں سنبھلا اور میں نے سادھو کو کھانے پر مدعو کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھا کر اٹھا تو سادھو آلتی پالتی مارے کسی جاپ میں مگن تھا۔ دیوداسی وہاں سے کھانا اٹھا کر لے گئی۔ کٹیا سے باہر آ کر میں نے اِدھر اُدھر گھومنا شروع کیا اور گھومتے گھومتے مندر میں پہنچ گیا۔ مندر میں مجھے کسی نے نہیں روکا۔ نہ کسی نے کوئی بات کی۔ میں وسطی کمرے میں پہنچ گیا۔ وہاں سنہری مورتیاں نصب تھیں اور دیوداسیاں آرتی اتار رہی تھیں۔ مندر میں کوئی سادھو نہیں تھا۔ صرف لڑکیاں تھیں، میرا ذہن پوری طرح کام کر رہا تھا۔ میں نے اپنی تمام باطنی قوتیں بیدار رکھی تھیں۔ ویسے مجھے یہ جگہ پسند آئی تھی اس لیے کہ یہاں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ مورتیوں، درختوں اور انسانوں کی اس مختصر آبادی کا یہ علاقہ گھومنے میں مجھے صرف ایک گھنٹا لگا۔ اس عرصے میں، میں نے یہ یقین کر لیا کہ آنند لال یہاں کہیں نہیں ہے۔

جب میں واپس کٹیا میں پہنچا تو سادھو جاپ ختم کر چکا تھا۔ میں نے صاف لہجے میں اس سے دو ٹوک گفتگو کرنا چاہی۔

میں نے کہا۔ ”آنند لال کے بارے میں، میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔“

”وہ یہاں نہیں ہے۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”لیکن وہ کہیں قریب ہی ہے اور وہ جگہ تمہیں معلوم ہے۔“

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"تمہارا خیال صحیح ہے۔"

"پھر مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ میں یہاں یاترا کے لئے نہیں آیا۔"

"پرنتو استھان تمہیں پسند ہے۔ یہاں من اجلا رہتا ہے۔ تم اب سنسار واپس نہ لوٹو۔ ہمارے ساتھ رہو۔" سادھو نے شفقت سے مجھے سمجھایا۔ "آنند لال کی کیوں چنتا کرتے ہو؟ اس مدھ کھ کی مت ماری گئی ہے۔ پنڈتوں نے اسے من کی صفائی کے لئے یہاں بھیج دیا ہے، پر اس کا من صاف نہیں ہوا۔"

"اس کا من اب صاف نہیں ہو گا اور میں یہ جگہ پسند کرنے کے باوجود یہاں نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اب میں اپنا راستہ خود منتخب کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں سوچنے کا اوسر (موقع) دیتا ہوں۔" اس نے سادگی سے کہا۔

میں نے اس کے اس جملے پر سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے میں برافروختہ ہوتا۔ "میں سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"یہ دیوتاؤں کا استھان ہے۔ یہاں آنے کے لئے بڑی کٹھنائیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ تم یہاں آگئے ہو تو یہ تمہارے لیے مان کی بات ہے۔ پنڈت، پجاری یہاں آنے کے لئے سارے جیون آشا لگاتے ہیں اور بہت کم یہاں آپاتے ہیں۔ تم یہاں آکر واپس جا رہے ہو؟"

"مجھے ابھی سنسار میں کچھ جھگڑے نمٹانے ہیں۔ میں انہیں چھوڑ دوں گا تو ہر استھان پر بیاکل رہوں گا۔"

"پرنتو تمہیں اوسر ضرور دوں گا، تم ابھی بالک ہو۔"

"میں کوئی اوسر نہیں لینا چاہتا۔ تم سے جو کہہ دیا، وہ اٹل ہے۔"

"آنند لال تمہارا متر بھی یہیں رہے گا۔"

"اگر وہ یہاں رہنے پر تیار ہے تو میں اسے نہیں لے جاؤں گا لیکن میں اسے کشٹ میں نہیں دیکھ سکتا۔ تم مجھے اس کا پتا بتاؤ۔"

"ابھی تم یہاں ٹھہرو۔ پھر تم فیصلہ بدل دو گے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا لیکن وہ بستی میں چلا گیا۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا اور میں نے دور سے اسے آواز دی۔ "سادھو مہاراج! میں تمہارا مہمان نہیں ہوں۔"

میری آواز شاید اس کے کانوں تک نہیں پہنچی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ اتنی آسانی سے یہاں آنند لال سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ میں ان سارے بوڑھوں سے لڑائی مول نہیں لے سکتا۔ تو پھر کیا میں نے یہاں آکر حماقت کی ہے؟ نہیں، میں آنند لال کا کھوج لگاؤں گا، یہ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے تو میں بھی ان کی بستی کا سکون درہم برہم کر دوں گا۔ میں اپنی تمام شکتیاں استعمال کروں گا۔ بوڑھے

سادھو کی سرد مہری نے مجھ پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہ مجھے ٹال رہا ہے۔ میں نے اسی وقت وہ بستی چھوڑ دی اور خود آنند لال کا سراغ لگانے کے لئے گرد و نواح میں گھومنے لگا۔ شام تک میں میلوں دور پہنچ گیا اور رات کو بھی سفر کرتا رہا لیکن آنند لال کا نشان کہیں نہ ملا۔ دوسرے دن بھی میں دن بھر گھومتا رہا اور تھک ہار کر دوبارہ رشی منیوں اور سادھوؤں کی بستی میں پہنچ گیا۔ اس بوڑھے سادھو کا نام شنکر تھا۔ میں سیدھا اس کی کٹیا میں پہنچا۔ اس نے میرے واپس آنے پر کسی غم و غصے یا مسرت کا اظہار نہیں کیا۔ فوراً میرے سامنے ایک دیوداسی نے کھانا پروس دیا اور میں نے کوئی لفظ ادا کیے بغیر کھانا زہر مار کر لیا۔

بوڑھا سادھو جب کٹیا سے چلا تو میں نے ایک دیوداسی کو جبراً روک لیا مگر جب میں نے اس سے سوالات کیے تو وہ مجھے کسی بات کا جواب نہ دے سکی کیوں کہ وہ گونگی تھی۔ سادھو شنکر جانے سے پہلے اپنا کام کر گیا تھا۔ میں نے دیوداسی کی گویائی واپس لانے کی کوشش کی۔ اسے زبردستی پکڑ کر میں نے اس کی کمر میں ایک ضرب لگائی۔ چیخ سے اس کا منہ کھلا تو میں نے اپنی انگلی اس کے منہ میں رکھ دی۔ اس نے زور سے انگلی کاٹ لی لیکن میں اپنا عمل کرتا رہا تا ایں کہ وہ بولی۔ "مجھے چھوڑ دو ...... مجھے چھوڑ دو۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔

"ایک شرط پر۔ تم مجھے بتاؤ کہ یہاں آنند لال کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

"میں ابھی تمہارا سندر بدن سیاہ کر دوں گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ چیخی۔ "مہاراج مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

میں نے اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ وہ درد سے بلبلا کر چیخی۔ اسی اثناء میں سادھو کی گرج دار آواز آئی۔ "اسے چھوڑ دو جمیل احمد خان!"

"نہیں سادھو مہاراج! میں اسے ختم کر دوں گا۔ تم جانتے ہو، میں اسے ختم کر دوں گا۔ اس کی کلائی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اسے بچانا چاہتے ہو تو بتاؤ آنند لال کون سے استھان میں قید ہے؟" یہ کہہ کر میں نے اور زور سے اس کی کلائی مروڑ دی۔ وہ درد سے دہری ہو گئی۔

سادھو شنکر کے چہرے پر تذبذب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ میں نے اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو قہر آلود نظروں سے گھور رہے تھے۔

"جمیل احمد خان!" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میری بات مان لو، اس سندری کو چھوڑ دو۔ مہاپُرش ناریوں پر اتیاچار نہیں کرتے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ تم دیوتاؤں کے شاسن (نظام) میں بگاڑ کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ آنند لال یہاں سے کچھ ہی دور دیوتاؤں کے چرنوں میں ہے تم وہاں نہیں جا سکتے۔"

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"سادھوشنکر! تعجب ہے تم یہ بات کہہ رہے ہو جبکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں ہر صورت میں وہاں جاؤں گا اور اپنے دوست آنند لال کو رہا کرا کے رہوں گا۔ تمہارے اندر بھوشیہ (مستقبل) میں جھانکنے کی شکتی پیدا نہیں ہوئی؟" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔

اس نے ایک جھرجھری سی لی اور گمبھیر آواز میں کہا۔ "تم یہ بات جانتے ہو کہ اتنی شکتیوں کے بعد بھی تم اس استھان کا پتا چلانے میں ناکام ہو گئے ہو جہاں آنند لال موجود ہے۔ اس پر بھی تم وہاں جانا چاہتے ہو، مجھے تمہاری شکتی پر شک ہوتا ہے۔"

اس کی چبھتی ہوئی بات میرے دل کو لگ گئی۔ پریم کے گھر سے جدا ہونے اور آنند کی تلاش میں یہاں تک آنے کے سارے سفر کے دوران میں، میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ میں کسی طرح اس کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے مراقبے کیے تھے اور اپنی تمام خفیہ صلاحیتیں بروئے کار لایا تھا مگر سب بے سود ثابت ہوا تھا۔ سادھوشنکر کا طنز میرے دل میں اتر گیا۔ میں اسے کوئی ٹھوس جواب دے کر قائل نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے زچ ہو کر دیوداسی کی کلائی اور زیادہ زور سے مروڑ دی۔ وہ بلبلا کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی انگلیاں رکھ دیں۔

"نہیں، نہیں۔" سادھوشنکر چلایا۔ "یہ نردوش ہے۔"

لیکن دیوداسی کا حسین بدن ایک لمحے کے ارتعاش کے بعد ساکت ہو گیا۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔ سادھوشنکر نے حیرت بھری نظروں سے اس کا بے جان بدن دیکھا اور کرب ناک آواز میں بولا۔ "تم نے اسے مار دیا۔"

"میں نے؟" میں نے طنزاً کہا۔ "میں نے اسے مارا ہے؟"

سادھوشنکر مبہوت کھڑا تھا۔ وہ کبھی مجھے اور کبھی دیوداسی کو دیکھتا۔ اس کے لب ہلتے اور وہ کسمسا کر پہلو بدلتا۔ کچھ دیر تک اس پر یہی اضطرابی کیفیت طاری رہی۔ میں نے وندھیا چل کے اس دور افتادہ بڑے دھارمک استھان میں سادھوؤں، رشی منیوں کی موجودگی کے باوجود ان کی ایک دیوداسی کے بوجھ سے زمین کو آزاد کر دیا تھا۔

"اب تمہارا کیا وچار ہے؟" میں نے دھمکی کے انداز میں کہا۔

"سندری ختم ہو گئی۔" وہ تاسف سے بولا۔ "اور میں نے اسے ختم ہو جانے دیا۔ تم اب بھی پوچھتے ہو کہ میرا وچار کیا ہے؟"

"ہونہہ!" میں جز بز ہو کر بولا۔ "جو میں نہیں چاہتا شاید تمہیں وہی پسند ہے، سادھوشنکر! میں تمہارا یہ دھارمک استھان، یا سادھو، یہ رشی منی، یہ مندر، یہ دیوداسیاں، میں ان سب کو نشٹ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں لیکن میں آخری آدمی تک یہاں موجود رہوں گا۔ تم چاہو تو اس آگ پر

Downloaded from Paksociety.com

پانی ڈال دو، آنند لال یہاں سے چلا جائے گا تو اس پوترا استھان کی مہانتا میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ مجھے اگر یہاں رہنے پر مجبور کیا گیا تو پتا نہیں کیا ہو جائے۔"

"تم سے کوئی کیا بات کرے کیونکہ تمہاری زبان تمہارے منہ میں نہیں ہے۔" اس بار شنکر کے لہجے میں تلخی آ گئی۔

"میں اپنی بات کا جواب چاہتا ہوں، مجھے تمہاری خاموشی یا تمہاری رائے پسند ہے۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"جمیل احمد خان! میں ایک سادھو ہوں۔ میں نے سنسار اور اس کے لوگوں سے بھاگ کر یہاں پناہ لی ہے۔ تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا اور یہاں کا کوئی شخص کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ تم اپنا سمے برباد کر رہے ہو۔" پھر وہ خلاف توقع نرمی سے بولا۔ "میں تم سے پھر کہتا ہوں، یہاں سے واپس جانے کا کیوں خیال کرتے ہو۔ اس استھان تک پہنچنے کے لئے منش کیا کیا جتن کرتا ہے۔"

سادھوشنکر کی نرمی اور تحمل پر مجھے حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا۔ میں کچھ بات کرتا تھا، وہ کچھ جواب دیتا تھا۔ میں نے اسے نرم و گرم لہجے میں کئی بار دھمکیاں دیں۔ دیوداسی کو مارنے سے بڑی دھمکی اور کیا ہو سکتی تھی؟ وہ میری گزشتہ زندگی کے واقعات خاموشی سے سنتا رہا۔ میرے کارناموں پر اس نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔ میں اسے بتاتا رہا کہ میں کہاں کہاں سے گزر کے آیا ہوں اور میری طبیعت میں کتنی وحشت ہے۔ میں کتنا جذباتی اور ضدی آدمی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اب مجھ میں تاب انتظار نہیں ہے، اس لیے کہ وقت بہت گزر چکا ہے۔ سادھوشنکر کے استھان کی دنیا ہی الگ تھی، بیرونی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وقت جا رہا ہے تو جانے دیجئے، دنیا میں طوفان بپا ہے تو ہونے دیجئے، انہیں باہر کی دنیا کی صرف زبان آتی تھی، چنانچہ وہ ان جذبات سے بھی عاری ہو گئے تھے جو دنیاوی لوگوں سے متعلق ہیں۔ میں خود بھی اس کیفیت کا تجربہ کر چکا تھا۔ میں بھی مراقبہ کر کے عارضی طور پر دنیا سے رشتہ توڑ لیتا تھا۔ شنکر کے انکار اور اس کی سرد مہری پر میرا اشتعال بڑھتا گیا اور میں نے اسے اکسانے کے لیے اس کی ذات پر رکیک حملے کیے۔ وہ میری زبان کے نشتر سہتا رہا اور جب اس نے کٹیا سے باہر جانے کا قصد کیا تو میں نے کھڑے ہو کر اس کا شانہ پکڑ لیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا شانہ تو چھڑا لیا لیکن آگے قدم نہ بڑھا سکا۔ میں اس کے راستے میں سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجھے ہٹاتے ہوئے راستہ بنانے کا ارادہ کیا۔ میں نے آخری بار درشت لہجے میں اسے تنبیہہ کی۔ وہ برہم ہو گیا۔

"مجھ سے مت الجھو جمیل احمد خان!" آخر وہ جھلا کر بولا۔

"مجھے تمہیں رخصت کر کے افسوس ہو گا۔" میں نے سنگ دلی سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"آہ! یہ استھان، اے بھولے منش، یہاں تم بہت کچھ سیکھ سکتے ہو، تمہاری سمجھ میں اس سے کوئی بات نہیں آئے گی۔ تمہیں شانتی کی ضرورت ہے، میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ میں بھگوان سے تمہاری مکتی کے لئے پرارتھنا کرنا چاہتا ہوں، میں نالدا گھاٹی پر ڈیرا جماؤں گا اور تمہارے من کی شانتی کے لئے ایک جاپ کروں گا۔"

وہ یہ کہہ کر بڑھنے لگا تو میرا دایاں ہاتھ پوری قوت کے ساتھ خود بخود اٹھ گیا۔ سادھو شنکر کسی دیوار کی طرح دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ میں نے اس وقفے میں، اس سے پہلے کہ وہ کوئی عمل کرتا، اپنی خواہش میں استقامت پیدا کی۔ میں نے اس پر سوار ہو کر اس کا گلا دبوچنا چاہا۔ کسی طویل جنگ کے بجائے میں نے اسے ایک ہی حملے میں ہلاک کر دینے کی ٹھان لی۔ اپنی انگلی اٹھا کر جب میں نے اس کے جسم سے مس کی تو وہ سادھو کے جسم میں گڑ کر رہ گئی اور مجھے اچانک احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر تک میری ہرزہ سرائی اتنے سکون سے کیسے برداشت کرتا رہا۔ اگر میں اس کی اور اپنی تپسیا کا مقابلہ کرتا تو اس کا پلڑا بھاری پڑتا لیکن مجھے بھی کچھ غیر معمولی حالات میں سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا تھا؟ میرا استاد سندا تھا۔ وہ یقیناً کالی کے تہ خانے میں قید نہیں ہوا تھا۔ میں نے کسی مشقت اور اذیت کے بغیر اپنی خفیہ قوتیں پیدا کی تھیں۔ پتھریلی زمین پر گرنے کی وجہ سے سادھو شنکر کے ماتھے پر خراش آ گئی تھی۔ اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی تو میں نے وحشیانہ طریقے سے ایک لات اس کے منہ پر رسید کی۔ سادھو شنکر کا چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ، کوئی معمولی سی چیخ بھی بلند نہیں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ زمین پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ زمین کرید کر اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھانے کی فکر میں ہے۔ میں نے اس کے ہاتھ پر پاؤں رکھ دیا۔ "سادھو شنکر!" میں نے سخت طیش کے عالم میں کہا۔ "تم نے مجھے غلط سمجھا ہے۔ میں کوئی منش نہیں ہوں، میں جمیل احمد خان ہوں۔"

سادھو شنکر نے ایک ناقابل فہم، حسرت ناک نظر سے، ایک ایسی نظر سے مجھے دیکھا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے رکتے ہوئے سانس کے درمیان کہا۔ "جمیل احمد خان! مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ بھگوان تمہارا ہردے شانت کرے۔"

"تمہاری کوئی بات میرے ارادے میں مانع نہیں ہو سکتی۔"

میں نے اپنے جسم کا پورا زور ڈالتے ہوئے کہا۔ "اب کچھ بھی ہو، جو میرے آگے آنے کی کوشش کرے گا، اس کا حشر تم جیسا ہو گا۔ تم نے اچھا کیا کہ اپنے لیے ایک شریفانہ موت منتخب کر لی۔ اگر تم ہاتھ پاؤں چلاتے تو تمہارا جسم اب تک راکھ میں تبدیل ہو گیا ہوتا اور تمہاری آخری رسوم بھی انجام نہ دی جا سکتیں۔"

مجھے معلوم نہیں کہ سادھو شنکر نے دوسرے ہاتھ سے کس طرح زمین کی مٹھی اٹھائی اور اسے اپنے منہ

کی طرف لے جا کے پھونک مار کر میری طرف اڑا دیا۔ مٹی کا زمین پر اڑنا تھا کہ کٹیا میں چاروں طرف ریت کے ذرے رقص کرنے لگے اور ان کی رفتار لمحوں میں ایسی تیز اور شدید ہو گئی کہ ریت اڑ کر جسم چھیدنے اور آنکھوں میں گھسنے لگی۔ ساری کٹیا ریت میں اٹ گئی۔ قریب کی چیز بھی نظر آنی مشکل ہو گئی۔ میں نے دھول اور خاک کی وہ یلغار روکنے کے لئے سادھو کے جسم پر ایک شدید ضرب لگائی۔ وہ پہلے ہی نیم جاں تھا۔ میری ضرب سے رہے سہے اوسان بھی کھو بیٹھا۔ میں اسے کوئی اور وار کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اس کے چہرے کی کیفیت نہیں دیکھ سکا اس لیے کہ ریت نے ہر چیز دھندلی کر دی تھی۔ اندھیرا سا پھیل گیا تھا۔ آنکھیں کھولنا دشوار ہو گیا تھا۔ خاک نتھنوں میں گھسی جاتی تھی، سانس لینا مشکل ہو گیا تھا۔ اس ناگہانی آفت کا تدارک کرنے کے لئے میں نے کیا کیا ہو گا؟ میں نے کیا نہیں کیا؟ میں نے پھونکیں مار کر دھول اڑانے کی کوشش کی، اپنی انگلی سے اسے کاٹنے اور سادھو کے خون میں جذب کرنے کی کوشش کی، پھر خیال آیا کہ مجھے فوراً کٹیا چھوڑ کر باہر چلے جانا چاہیے لیکن اس طرح بھاگنا مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔ میں نے سادھو شنکر کے جسم پر زور زور سے پیر مارنے شروع کر دیے، ریت میرے جسم کے عریاں حصوں میں چیونٹیوں کی طرح چمٹ رہی تھی۔ میں نے اپنی جاتی ہوئی توانائی یکجا کر کے سادھو کو اتنی لاتیں ماریں کہ میرا پیر خون میں لتھڑ گیا۔ جھک کر میں نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھا، اس کا سانس بند ہو چکا تھا لیکن یہ سادھو لوگ حبس دم کے ماہر ہوتے ہیں۔ ممکن تھا کہ اس سخت جان نے سانس روک لی ہو۔ میں نے اس کے منہ پر پے در پے ضربیں لگا کر سانس آنے کا راستہ ہی مسمار کر دیا پھر میں نے اس کا ہلکا جسم اپنے ایک ہاتھ کے سہارے سے بمشکل اٹھایا اور اسے کاندھے پر ڈال کر آنکھیں اور سانس بند کر کے کٹیا سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑ پڑا۔ دھول سے سارا راستہ اٹ گیا تھا۔ میرا سر دیوار سے ٹکرایا لیکن میں اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر کٹیا سے باہر نکل آیا۔ جب میں باہر آیا تو خنک اور لطیف ہوا نے مجھے گویا دوبارہ زندہ کر دیا۔ میں نے زور زور سے سانسیں لیں اور سادھو کی لاش زمین پر پھینک دی، میری آنکھوں میں خاک اور دھول سے شدید چبھن ہو رہی تھی۔ آستین سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کر کے میں نے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ کئی بوڑھے سادھو میری طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ ان کے پیچھے دیوداسیاں تھیں۔ میں چوکنا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میرا لباس اور میرے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے تھے، لمبے بال، داڑھی اور وحشت زدہ چہرہ لیے میں اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے مجھے ان کے آنے کا انتظار ہو۔ سادھو شنکر اور دیوداسی نے آنند لال کا استھان بتانے کے بجائے موت قبول کرنے کو ترجیح دی تھی۔

وہاں کے دوسرے سادھو تیز رفتاری سے قریب آ گئے اور دیوداسیاں ان کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ انہوں نے ایک فاصلے پر رک کر مجھے دیکھا اور پھر ان کی نظر سادھو شنکر کی لاش پر پڑی۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اتنے بڑے سادھوؤں کی موجودگی اور اس نازک صورت حال کے باوجود میں مستعد اور بے خوف کھڑا تھا۔ یہ خود اعتمادی کی انتہا تھی، ایسی خود اعتمادی خود فریبی کی حد میں آجاتی ہے۔ سادھوشنکر کے قریب جا کر ایک معمر سادھو نے اس کا اوندھا جسم سیدھا کیا اور ایک دیوداسی کو اشارہ کیا جس نے جھجکتے جھجکتے اپنی زرد ساڑی اتار کر سادھو کے جسم پر ڈال دی۔ دیوداسی اپنے عریاں سراپا کے ساتھ شرماتی اور سکڑتی ہوئی پیچھے کی طرف چلی گئی اور وہاں سے نہ جانے کہاں غائب ہوگئی۔ سادھوؤں نے سادھوشنکر کی لاش اور میرا خون آلود ہاتھ دیکھنے کے بعد بھی مجھ سے باز پرس نہیں کی۔ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ چند لمحے گردن جھکائے کھڑے رہے۔ میں ان کے ہر امکانی ردِعمل کے لئے تیار تھا۔

ان میں سے ایک بوڑھا سادھو لکڑی ٹیک کر آگے بڑھا اور میرے قریب آ کر فخریہ لہجے میں کہنے لگا۔ ”یہ استھان اہنسا کے لئے ہے۔ ہم یہاں اس لیے اکٹھا نہیں ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے سے بدلہ لیں۔ ہم یہاں بھگتی اور تپسیا کے لئے آئے ہیں۔ تم نے ہمارے ایک بڑے ساتھی کو مار دیا ہے۔ سادھوشنکر کا سمے آگیا تھا۔ مہاراج جمیل احمد خان! تمہاری شکتی کے بارے میں ہمیں معلوم ہے، پرنتو یہاں دیوتاؤں کے پریمی رہتے ہیں، وہ پجاری جنہوں نے دیوتاؤں کے پاس رہنے کے کارن جگ تیاگ دیا ہے۔ ہمیں اہنسا کی شکشا دی گئی ہے۔“

”اہنسا۔“ میں نے زہرخند سے کہا۔ ”اہنسا کا پرچار کرنے والو! آنندلال پر اتیا چار، نندا کا تم سے بگڑ کر لوٹ جانا۔ تمہارے سادھوؤں پنڈتوں کے بستی بستی ظلم کے افسانے، یہ تمہارا افنا کا فلسفہ، ایک نہتے شخص کو قید خانے میں ڈال کر زندہ مار دینا۔ اس کی بے قصور عورتوں کو مارنا۔ میں تمہیں کتنی لمبی فہرست سناؤں، تم اہنسا کی بات کرتے ہو، مجھے مارو۔ مجھے ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ لیکن یہ خیال کر کے ہاتھ اٹھانا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا، یہاں کے کئی سادھو اور دیوداسیاں میرے ساتھ جائیں گی۔“

”جمیل احمد خان مہاراج! تم اس سنسار کی بات کر رہے ہو جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر سنسار اتنا ہی اچھا ہوتا تو ہمیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔“ بوڑھے سادھو نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ”پر ایک دن انہیں اس کی سزا ملے گی۔“

”لیکن میں اپنے جھگڑے یہیں نمٹا کر جاؤں گا مجھے ابھی دو چار دشٹ لوگوں سے نمٹنا رہ گیا ہے۔ اس بیچ میں جو بھی آیا، اس کا حشر سادھوشنکر کا سا ہوگا۔“ میں نے انہیں خبردار کیا۔

”تم مرتیو (موت) کی بات کرتے ہو جو ہمارے وچار میں جیون کی ایک بدلی ہوئی دشا (حالت) ہے۔“ بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”موت کا غم انہیں ہوتا ہے جنہیں جیون سے پیار ہوتا ہے جمیل احمد خان! کیا تم ابھی تک یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نالکھ آشرم میں نہیں آئے ہو؟ کیا تم ابھی تک بدری نرائن اور اس جیسے پنڈتوں کے استھان پر ہو؟“

”بدری نرائن۔ اس کا نام لے کر کیوں تم میرے زخم تازہ کرتے ہو۔ اے اہنسا کے پرچار، مہاپرشو! کیا تم بدری نرائن کے کرتوتوں سے واقف نہیں ہو؟ وہ تمہارے سائے میں ہے۔ آنندلال جیسے دھرماتما کو سزا ملتی ہے، بدری نرائن کو ہر جگہ شرن حاصل ہے۔ مندروں میں اسے چھپنے کی آسانی میسر ہے۔ سارے پنڈت پجاری اس بالک کی ہٹ کا مان کرتے ہیں۔ تم کیا چھل کپٹ کی باتیں کر رہے ہو؟ میں نے تمہیں خوب سمجھا اور دیکھا ہے۔ میری بات کا جواب دو، اس استھان پر خون بہتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔“ میں نے ترشی سے کہا۔

”میں تمہیں آنندلال کے استھان کا پتا بتا دوں گا۔“ بوڑھا سادھو گردن جھکا کر بولا۔ ”پر میری ایک بنتی ہے، تم یہاں اگلی پورن ماشی تک ٹھہرو، ہمیں اور ہماری دیوداسیوں کو اپنی سیوا کرنے کا موقع دو۔“ اس کے پیچھے کھڑے ہوئے سادھوؤں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ وہ اپنے بزرگ ساتھی کی یقین دہانی پر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ میرے مخاطب نے اپنا ہاتھ اٹھا کر وہ بھنبھناتی ہوئی سرگوشیاں روک دیں۔

”اگلی پورن ماشی کب ہے؟“ میں نے مفاہمت کے لہجے میں کہا۔

”آج سے بائیس روز بعد۔“ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں خود بھی خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے وعدے پر میں بائیس روز تک یہاں رہوں گا۔“

”تم ہمارے مہمان ہو مہاراج!“ بوڑھے نے خوش خلقی سے کہا۔

”مہمان تو میں سادھوشنکر کا بھی تھا۔“ میں نے طنز کیا۔ ”اور سنو، میں صرف اس جگہ جانا چاہتا ہوں۔ جہاں آنندلال اس وقت موجود ہوگا۔“

”یہ ایک سادھو کا وچن ہے۔“ وہ اعتماد سے بولا۔ ”یہاں کچھ زیادہ چیزیں تو نہیں ہیں لیکن دیوداسیاں تمہارے آرام کا پورا خیال رکھیں گی۔ یہ ایک کھلی جگہ ہے، تم کھلے دل سے یہاں رہو۔ کیا تمہیں کسی خاص چیز کی ضرورت ہے؟“

”نہیں .... میں سکون سے یہ بائیس روز گزارنا چاہتا ہوں۔“

انہوں نے سادھوشنکر کی لاش کے نیچے چند لکڑیاں رکھ کر اسے اٹھا لیا اور وہ اسے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لے گئے۔ میں تنہا رہ گیا۔ انہوں نے اس شخص کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کیا تھا جس نے ان کے ایک ساتھی اور دیوداسی کو جہنم رسید کر دیا تھا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ میں اس امر پر غور کر کے اور پریشان ہونا نہیں چاہتا تھا۔ سادھوشنکر کی موت کے بعد میرے ارادوں کی پختگی کا انہیں یقین آگیا ہوگا۔ میں کوئی بھی جواز پیش کروں لیکن سب سے بڑا جواز تو یہ ہے جو میرے اس طویل سفر کے نشیب و

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

فراز کا حامل ہے۔ میں نالکھ آشرم جیسے تیرتھ استھان میں اپنی وحشتوں کے اظہار کے باوجود ان کا ایک معزز مہمان تھا۔ سادھو بلرام زیادہ معاملہ فہم شخص معلوم ہوتا تھا۔ وہ شنکر کا جانشین بن کر سامنے آیا تھا۔ اس نے شاید اپنے ساتھیوں کو آمادہ کرنے کے لئے بائیس روز کی مدت مانگی تھی یا پھر اسے پوجا اور تپسیا، قربانی اور ایثار کر کے دیوتاؤں کو راضی کرنے کے لئے مدت درکار تھی۔ کوئی شخص بھی ایسے غیر معمولی واقعے کے بعد یہ سوچنے میں حق بجانب ہوتا کہ وہ اس مطلوبہ مدت میں کسی ریا کاری کا مظاہرہ کریں گے مگر میرے ذہن میں ایسا کوئی خیال نہیں کوندا۔ نہ جانے کیوں میں اپنی جگہ مطمئن تھا کہ وہ میرے ساتھ فریب نہیں کریں گے چنانچہ میں نے اس جگہ ٹھہرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔

رات کو سادھو بلرام اور اس کے چند ساتھی خوان سجائے میرے پاس آئے اور انہوں نے اپنے سامنے مجھے کھانا کھلایا۔ دیوداسیوں نے میرے ہاتھ دھلائے۔ ہمارے درمیان مکمل خاموشی طاری رہی۔ کھانا کھلا کر وہ چلے گئے اور دیوداسیاں مکان میں رہ گئیں۔ طاقوں میں رکھے ہوئے سارے چراغ روشن تھے۔ میں اپنے کمرے سے باہر کا نظارہ دیکھنے کے لئے اٹھا۔ اندھیرا گہرا نہیں ہوا تھا۔ برابر کے کمرے میں دوداسیاں دراز تھیں۔ میں دروازے پر پہنچا تو وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ میں نے انہیں غور سے دیکھا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں وہ بے عیب لڑکیاں ادھر اُدھر سمٹی بیٹھی تھیں۔ میں نے بے اختیار ہو کر ان سے کہا۔ ''سندریو! آؤ میرے پاس آؤ۔''

وہ مشینی انداز میں اٹھ گئیں اور میرے پیچھے پیچھے میرے کمرے میں چلی آئیں۔ ''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔ وہ بیٹھ گئیں۔ ''تمہارے نام؟'' میں نے پوچھا۔

انہوں نے یکے بعد دیگرے شیریں آوازوں میں اپنے اپنے نام بتائے پھر میری نگاہ انتخاب ایک لڑکی پر جا کر ٹھہر گئی۔ وہ چھریرے بدن کی ایک دراز قد، بے حد معصوم اور دلکش چہرے کی لڑکی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کے قد کی طرح بڑی تھیں، بال پشت اور کاندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے جب اپنا نام مالا بتایا تو میں مضطرب ہو کر اٹھ بیٹھا۔ بے اختیار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ اس کی نم آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ وہ میری مالا کی ہم شکل نہیں تھی، میں ایک کراہ کے ساتھ دوبارہ لیٹ گیا۔ میرا ہاتھ یوں ہی اس کی طرف اٹھ گیا۔ اس نے میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ اس کے بال میرے چہرے پر لہرانے لگے تو اس نے انہیں ہٹانا چاہا۔ میں نے کہا۔

''انہیں میرے چہرے پر پھیلا دو۔'' اپنی ٹانگیں پھیلا کر میں نے چیختی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا جسم نوچو۔'' میرے اس تازہ حکم پر وہ جھجکیں اور آنکھیں پٹ پٹانے لگیں پھر سہم کر پیچھے ہٹ گئیں۔ میں نے اپنی خواہش کی تکرار کی۔ وہ خوف زدہ نظروں سے جلدی جلدی میرے پیر دبانے لگیں۔ ان کے نرم و نازک ہاتھ میرے بد...

Downloaded from Paksociety.com

علیحدہ ہو گئے ہوں، ان کے ہاتھ جہاں جہاں میرے پیر پر پڑتے، مجھ پر ایک عجیب اذیت ناک نشہ طاری ہو جاتا۔ میں نے اپنی انگلی اٹھا کر لیٹے لیٹے ایک ایک کر کے تمام چراغ بجھانے شروع کر دیئے، وہ میرے اس کرشمے پر حیران تھیں، آخر ایک چراغ روشن رہ گیا جس کی مدھم روشنی میں ایک عجیب خوابناک فضا طاری ہو گئی۔ مالا میرے سرہانے بیٹھی میرے سر پر اپنا نازک ہاتھ دھرے ہوئے تھی، باقی لڑکیاں میرے پیر آہستگی سے دبا رہی تھیں۔ یکا یک میرے جی میں نہ جانے کیا آئی کہ میں نے اپنے ایک عمل سے دوبارہ چراغ روشن کر دیئے اور دیوداسیوں کو لباس کی قید سے آزاد ہونے کا حکم صادر کیا۔ انہیں میرا حکم ماننے میں تامل ہوا۔ شاید وہ انتظار کر رہی تھیں کہ میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں لیکن میں نے دوبارہ چیخ کر یہی بات دہرائی تو وہ سمٹی ہوئی اٹھیں، انہوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کا لباس پہلے ہی مختصر تھا۔ انہوں نے جھجکتے جھجکتے وہ بھی اتار دیا۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور اپنے ہاتھوں سے انہوں نے ستر پوشی کی ناکام کوشش شروع کر دی تھی۔ میرے سرہانے بیٹھی ہوئی دوشیزہ مالا نے بھی میری ہدایت پر عمل کیا تھا۔ میں نے ان سب کو غور سے دیکھا۔ میں وہ منظر بیان کر کے اپنی ناقابل فہم کیفیت پر مزید شرمندہ ہونا نہیں چاہتا۔ اس وقت ان کے برہنہ سکڑے ہوئے بدن میری نظروں کو خیرہ کر رہے تھے اور میری حیثیت ایک فاتح کی سی تھی۔ میں فراموشی کے عالم میں تھا لیکن جلد ہی اپنے حال میں واپس آ گیا۔ میں نے انہیں کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ سراسیمہ اپنے لباس اٹھاتی اور وزدیدہ نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ کمرے میں صرف ان کی خوشبوئیں رہ گئیں اور میں رہ گیا اور جلتے ہوئے چراغ رہ گئے اور میرا جلتا ہوا جسم رہ گیا۔ پھر میں نے مالا کو آواز دی۔ وہ اس عرصے میں لباس پہن چکی تھی۔ میں نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ میرا ماتھا جل رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے سر دبانے کا اشارہ کیا۔ وہ دباتی رہی۔ میں کبھی اس کی آنکھوں میں جھانکتا، کبھی اس کی زلفوں کے لچھے بناتا۔ آخر میں نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میں نے اس کے لبوں کو بوسہ دینا چاہا لیکن میرے ہونٹ اس کی پیشانی پر چپک گئے۔ میں نے اس کا سرخ چہرہ دیکھنے کے بجائے آنکھیں بند کر لیں اور مالا سے کہا کہ وہ اپنے بال دوبارہ میرے چہرے پر بکھرا دے۔ اس کی گھنیری زلفوں میں مجھے نیند نہیں آ سکتی تھی لیکن وہ لمحہ ایسا سکون پرور اور جان فزا تھا جو میرے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ مالا اسی طرح بیٹھی رہی اور میں سوچتا رہا، کیا مجھے اپنے نفس کی تشنگی اس کے بدن کے عرق سے بجھانی چاہئے؟ اس کے بدن کا پسینہ جس میں ایک جنگلی خوشبو بسی ہوئی ہے، اس کی سانسوں کا دھواں جس میں ایک نشہ آور کیفیت موجود ہے اس کی بڑی آنکھیں جہاں ایک شخص دراز ہو سکتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق بہت سوچا۔ اتنا سوچا کہ میرا شعور مزاحمت سے عاری ہو گیا۔ میں نے شعور کی ہاتھ سے جاتی ہوئی ڈور پکڑ ہی لی۔ میں ... رکھوں گا۔ میری برتری اس میں مضمر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

نہیں کہ میں دیوداسیوں پر غالب آ جاؤں یا ان سے مغلوب ہو جاؤں۔ میں نے مالا کی زلفوں کی چھاؤں میں اپنے نفس کی آنکھیں بند کر لیں اور گہری سانس کھینچ کر خود کو اس کش مکش سے باہر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں مراقبے میں چلا گیا تو اور بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ مالا رات بھر اسی طرح بیٹھی رہی۔ صبح پرندوں کے شور پر میں نے آنکھیں کھولیں۔ مالا کی زلفیں میرے چہرے پر پھیلی ہوئی تھیں، میں نے انہیں ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک پل بھی نہیں سوئی تھی۔ مجھے اس لڑکی پر بڑا ترس آیا۔ میں نے اسے دوسرے کمرے میں جا کر سونے کی ہدایت کی۔ وہ چلی گئی تو میں انگڑائی لے کر اٹھا۔ آبشار کے تازہ پانی کے چھینٹے میں نے اپنے گالوں پر مارے اور مکان سے باہر کھلی فضا میں آ گیا۔

اس پہاڑی مقام پر صبح کا منظر بڑا دلکش تھا۔ سادھو صبح سویرے اٹھ گئے تھے اور ایک مقام پر جمع ہو کر گیتا کا پاٹھ کر رہے تھے۔ میں بھی ان کے درمیان بیٹھ گیا۔ انہوں نے مجھے پرنام کیا۔ گیتا کے مختصر پاٹھ کے بعد سادھوؤں نے مجھے گھیر لیا اور وہ مجھے لیے مندر تک آئے۔ مندر کے بڑے چبوترے پر دیوداسیاں پھولوں کے ہار لیے ادھر ادھر پھر رہی تھیں، وہ بہت تر و تازہ نظر آتی تھیں، ان میں وہ لڑکیاں بھی موجود تھیں جو رات کو میرے ساتھ تھیں، مالا بھی سر جھکائے مجھے نظر آئی۔ مالا نے مجھے مندر کے چبوترے پر دیکھا تو پرنام کرتی ہوئی میرے پاس آئی اور میرے ہاتھ میں پھولوں کا گجرا ڈال دیا۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے ایک عجیب چمک تھی۔ میں اس چمک کو بھول گیا تھا۔ اتنے دنوں بعد میں نے اپنے لیے کسی کی آنکھوں میں یہ روشنی دیکھی تو میرا جسم مرتعش ہو گیا۔

میں دن بھر اسی طرح پھرتا رہا۔ ہر جگہ پتھر کاٹ کر بڑے بڑے بت بنائے گئے تھے۔ بدھ بھکشو اونچے استھان پر بیٹھ کر تپسیا کرتے تھے اور ہندو سادھو کسی درخت کے سائے میں بیٹھ کر گیان دھیان میں مگن ہو جاتے تھے۔ دور دور تک درختوں کے نیچے سادھو پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے بیٹھنے کا وہی انداز تھا جو عام طور پر ہندو سادھوؤں اور پنڈتوں کے جاپ کے عمل میں ہوتا ہے۔ میں غور سے ان کے انہماک اور استغراق کا جائزہ لیتا ہوا دوبارہ مندر میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں مالا کو تلاش کیا اور اسے ساتھ لیے بستی سے دور نکل گیا۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں اور سبزہ زاروں میں بہت دور چلے گئے۔

آخر پورن ماشی کی شب آ گئی۔ میں نے صبح کا انتظار بھی گوارا نہیں کیا۔ چاندنی درختوں پر پھیل گئی اور پہاڑ اس سے روشن ہو گئے تو میں مندر کے سامنے میدان میں گیا اور میں نے سادھو بلرام کو آواز دی۔

''سادھو بلرام۔ چڑھتا ہوا چاند تمہارے وعدے کے ایفا کا منتظر ہے، مجھ سے برداشت ناممکن ہے، جلد میرے پاس آؤ۔''

میری آواز بستی میں گونج گئی اور ہاتھوں میں چراغ لیے دیوداسیاں میدان میں نمودار ہوئیں۔ ان کے پیچھے عام سادھو موجود تھے۔ ساری بستی ایک جگہ اکٹھی ہو گئی۔ وہ چاروں طرف پھیل گئے۔ میں نے

Downloaded from Paksociety.com

اپنے جسم کے گرد حصار قائم کر لیا تھا کیونکہ میں ان مہان سادھوؤں کے درمیان تنہا تھا۔ دیوداسیاں بھجن گاتی ہوئی مندر کے چبوترے پر سر رکھ کر دیوتاؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے لگیں۔ میں حیران تھا کہ آنند لال کے استھان کا پتا بتانے کے لئے یہ تماشا کیوں کیا جا رہا ہے؟ سادھو بلرام دوسرے سادھوؤں کے درمیان سر جھکائے میرے پاس آیا۔ میں نے اچٹتی نظر سے اسے دیکھا اور پھر چاند کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں مہاراج! میں تم سے اپنا وچن نبھا رہا ہوں۔'' وہ افسردگی سے بولا ''یہاں سے چالیس کوس دور اتر میں نالکھ آشرم جیسا ایک تیرتھ استھان ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ ''شیو شنکر نے وہیں وشرام کیا تھا۔ اس کا نام شیو شنکر پاڑ ہے، آنند لال اسی پوتر استھان پر موجود ہے۔''

''کیا میں یہاں سے کسی کو ساتھ لے جا سکتا ہوں؟'' میں نے جرأت سے پوچھا۔

''نہیں۔ تم وہاں تنہا جاؤ گے۔ سادھو آگیہ کے بغیر وہاں نہیں جاتے۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

''سادھو بلرام! تم نے اپنا وچن نبھا دیا میں تمہیں دھنیہ واد کہتا ہوں۔ مجھے دکھ ہے کہ سادھو شنکر ایک ذرا سی غلطی سے مارا گیا۔'' میں نے وفور مسرت سے کہا لیکن آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ سادھو بلرام کے جسم میں ایک لرزہ سا پیدا ہوا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے تیزی سے جھک کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اسے گرتا دیکھ کر دوسرے سادھو چاروں طرف جمع ہو گئے اور انہوں نے کسی تشویش اور تردد کے بغیر اس پر کپڑا ڈال دیا جو ایک دیوداسی تھال میں رکھے ہوئے تھی، پھر انہوں نے گلاب پاش سے اس پر عرق چھڑکا۔ دیوداسیوں نے آگے آ کر آرتی اتاری۔ سادھو بلرام کی لاش اٹھا لی گئی۔ میں نے ندامت کی نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن وہ ہر بات سے بے خبر تھے۔ وہ بلرام کی لاش مندر کے چبوترے پر لے گئے۔ میں انہیں چھوڑ کر آگے آ گیا اور میں نے مالا کو آواز دی۔ ''میں جا رہا ہوں۔'' میں نے اس سے کہا۔

''ابھی مہاراج؟'' وہ حسرت سے بولی۔

''ہاں ابھی۔ ممکن ہے میں یہاں پھر واپس آؤں۔''

''مہاراج!'' آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلکنے لگے۔

میں زیادہ دیر تک اس کا غمناک چہرہ نہ دیکھ سکا اور اسی وقت بلندی پر چڑھنے لگا۔ میں نے خاصی رات گزرنے کے بعد کہیں اپنا سفر ختم کیا۔ دس کوس تک تو میں چلا آیا ہوں گا۔ راستے بھر بلرام کی غیر متوقع ہلاکت کا منظر میری آنکھوں میں گردش کرتا رہا۔ ایک جگہ ٹھہر کر اور صبح تک ستا کر میں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ راستے کی طوالت اور دشواری کا ذکر فضول ہے۔ میں کسی مستی اور جوش میں آگے بڑھ رہا تھا

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

یا کوئی طاقت مجھے پہاڑ کی چوٹی طے کرا رہی تھی۔ چالیس کوس کا یہ فیصلہ دوسرے دن سہ پہر کے وقت ختم ہوا۔ شیو پاڑ کے آثار دور ہی سے نظر آنے لگے تھے۔ مجھے راستے میں درختوں کے سائے میں بیٹھے ہوئے کئی سادھو نظر آئے لیکن میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ شیو پاڑ نالکھ آشرم کی طرح ایک بستی نہیں تھی۔ یہاں دور دور سادھو آباد تھے۔ ہر طرف پتھروں کی شکستہ ویران عمارتوں کے آثار نظر آتے تھے۔ کہیں کوئی تھم موجود ہے، کہیں کوئی ٹوٹا ہوا تخت ہے۔ کہیں آدھا بت بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس پُراسرار علاقے سے گزرتا ہوا شیو شنکر کے مندر کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت مجھے کلدیپ اور سیّد کی بے تحاشا یاد آئی۔

مندر کی کالی عمارت میں شیو شنکر کا بت مسکرا رہا تھا۔ میں بہت محتاط انداز سے قدم رکھتا ہوا اندر چلا آیا۔ آنند لال مندر میں نہیں تھا۔ وہ یہاں نہیں ہے تو یہیں کہیں قریب موجود ہوگا۔ باہر آ کے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کئی عمل کر کے آنند لال کی موجودگی کے مقام کا تعین کرنے کی کوشش کی۔ مندر کی پشت پر ایک تاریک سا راستہ تھا جو سنگلاخ چٹانیں کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ میں اس راستے میں داخل ہو گیا۔ میں پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا اور ہر قدم اٹھانے سے پہلے اپنی حفاظت کا یقین کر لیتا تھا۔ اس مختصر راستے سے گزر کر مجھے پتھر کی ایک ٹوٹی ہوئی عمارت نظر آئی جہاں ایک سادھو بیٹھا ہوا اپنے سر کی جوئیں مار رہا تھا۔ قریب جا کر دیکھا۔ اس کے حلیے اور سید کے حلیے میں بڑی مماثلت تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے دنگ رہ گیا لیکن یہ میرا وہم تھا۔ وہ گلبرگہ کا پیر و مرشد نہیں تھا، وہ کوئی اور شخص تھا۔ میں نے اسے آواز دی۔

”او بھلے مانس! کیا تم نے آنند لال کو یہیں قید رکھا ہے؟“

اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی اور شرارت تھی۔ وحشت میں اس نے سر کے بال نوچ لیے اور اپنے سر کی جوئیں نکال کر میرے کپڑوں پر پھینک دیں۔ میں نے اس کے خشک بال پکڑ لیے اور انہیں زور سے کھینچ کر کہا۔ ”کیا تجھے میرا انتظار تھا؟“ اس کے بال اکھڑ کر میرے ہاتھوں میں آ گئے اور اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ”لے جا، چل بھاگ یہاں سے۔“

جیسے ہی اس کے بال میرے ہاتھوں میں آئے، جوئیں میرے بازوؤں تک پہنچ گئیں اور میرے جسم میں پیوست ہونے لگیں۔ میں نے اس کے بال پھینک دیئے اور تنگ آ کر اس سے پوچھا۔ ”او بوڑھے! زیادہ تیزی نہ دکھا۔ اسے باہر نکال لا۔“

اس نے اپنے نزدیک رکھا ہوا ایک بھاری پتھر آسانی سے اٹھا لیا۔ وہ میری طرف پتھر مارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میں نے اس کی گردن کی پشت پر اپنے ہاتھ کی ضرب لگائی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرا ہاتھ کسی دھات سے ٹکرا گیا ہو۔ اگر میں یہ ضرب کسی عام انسان کے رسید کر دیتا تو اس کی گردن اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی۔ وزنی پتھر اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ میں نے لات مار کر اسے دور کر دیا۔ ”وہ یہیں

Downloaded from Paksociety.com

ہے۔ سن بوڑھے! میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ اگر تو اس کا محافظ ہے تو سامنے سے ہٹ جا اور تیرے دل میں کچھ اور ہے تو سمجھ لے، تجھے جس شخص کا انتظار تھا وہ آ گیا ہے۔ میں تجھے ذرا سی بھی مہلت نہیں دوں گا۔“

وہ کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ”شیو شنکر۔“ اس نے سنسکرت میں کوئی جملہ ادا کیا اور اس کا ہاتھ میری ٹانگوں پر پڑا۔ میں دھپ سے زمین پر گر گیا۔ اس نے فوراً کھڑے ہو کر کوئی عمل کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی میں تیزی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے نندا کے ایک عمل کے ذریعے اسے زمین پر جکڑ دیا۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں پہلو بدلنے لگا لیکن اس کا سارا جسم جکڑا ہوا تھا۔ میں نے وہی پتھر جو اس نے مجھ پر اٹھایا تھا، اسے مارنے کے لئے اٹھایا تو وہ حیرت انگیز طور پر میری بندش سمیت اپنی جگہ سے ہل گیا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ شیو پاڑ میں اگر کوئی معرکہ ہوا تو وہ نہایت سخت ہوگا۔ میری بندش بدستور قائم تھی حالانکہ وہ اپنی جگہ سے کھسک گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کس طرح اپنے ہاتھ آزاد کرا لیے۔ میں دوبارہ اس کے ہاتھوں کی بندش کرنے والا تھا کہ اس نے ہاتھ ہلا کر کہا ”ٹھہر جا۔ بس کر، تیرے اندر ہنومان کی شکتی ہے۔ جا وہ اندر موجود ہے۔ اس پاپی کو یہاں سے لے جا اور نرک میں کود جا۔“

”چپ رہ بوڑھے زبان دراز!“ میں نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ”میں پہلے تو تجھے نرک میں پہنچاؤں گا۔“

اس نے میرا عمل ناکام کر دیا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مجھے خشمگیں نظروں سے گھور کر بولا۔ ”جا اندر چلا جا...... زیادہ باتیں نہ بنا...... جا۔“

اس کی آواز میں اب بھی گرج تھی۔ میں کوئی اور قدم اٹھاتا لیکن میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے خود ہی مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی تھی تو میں اس سے معرکہ آرائی میں وقت ضائع کرنے کی حماقت کیوں کرتا؟ میں نے پتھر کے ایک سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا۔ واقعی وہاں آنند لال موجود تھا۔ اس کی حالت بڑی ناگفتہ بہ نظر آ رہی تھی۔ جسم کے بال بڑھے ہوئے تھے اور وہ ہڈیوں کا کوئی پنجر معلوم ہوتا تھا۔ آنند لال جیسے دوست کو اس حال میں دیکھ کر میرا اشتعال دو چند ہو گیا اور میں نے سوراخ سے نظریں ہٹا کر بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پتھر پہ بے نیاز بیٹھا اپنی داڑھی کے بال نوچ رہا تھا۔ وہ اتنا بے خبر تھا جیسے ابھی ابھی اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو۔ میں نے وہیں سے آواز دی۔ ”سن بوڑھے! تو شاید بڑی عمر لے کر آیا ہے۔ اب کوئی حرکت نہ کرنا ورنہ موت اور زندگی کا فاصلہ ختم ہو جائے گا۔“

اس نے میری آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

درختوں سے گھری ہوئی اس عمارت کے دروازے پر میں نے ایک بڑے پتھر سے ضرب لگائی۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل تو ہو گیا لیکن فوراً مجھے اپنا پیر پیچھے کی طرف ہٹانا پڑا۔ عمارت اندر سے کسی تنور کے مانند دہک رہی تھی۔ زمین سے لپٹیں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے پیچھے مڑ کر پاگل سادھو کی جانب دیکھا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ ایک ثانیے کے لئے مجھے واپسی کا خیال آیا مگر دوسرے ہی لمحے، میں نے اس آگ میں کود جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ایک ایسی بھٹی تھی جس کی تپش سے لوہا بھی لمحوں میں پگھلنے لگے۔ میں نے خود کو یقین دلایا کہ یہ شیو شنکر کا استھان ہے۔ اگر میں اس تپش سے گھبرا کر واپس چلا گیا تو آنند لال کبھی مجھے نہیں مل سکے گا اور یہ میری اعلیٰ طاقتوں اور غیر معمولی باطنی قوتوں کی توہین بھی ہوگی۔ یہ تپش ان لوگوں کا حوصلہ آزمانے کے لیے ہے جن کے پاس کچھ قوتیں ہیں۔ میں نے اپنے قدم مضبوطی سے زمین پر جما دیئے۔ میری آنکھیں گرمی کی شدت سے باہر نکلنے کو تھیں اور جسم میں ایک سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔

جو کچھ مجھے یاد تھا، اپنے تمام عمل پڑھتا ہوا اس آگ پر سے گزر گیا اور میں نے دھیرے دھیرے آواز دی۔ ”آنند لال . . آنند لال۔“

آنند لال کے بے جان جسم میں خفیف سی حرکت ہوئی۔ اس نے چندھیائی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے کی کوشش کی۔ میرا چہرہ سرخ تھا، پاؤں جل رہے تھے، جسم پر شعلے سے سلگتے محسوس ہو رہے تھے۔ جسم کی ہر چیز جل رہی تھی اور میں تیزی سے اپنے دوست کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ”میں آ گیا ہوں میرے دوست!“ میں نے جوشیلے لہجے میں کہا اور اس چوکور حصے میں پاؤں رکھ دیئے جہاں آنند لال موجود تھا۔ اس چوکور پاٹ پر قدم رکھتے ہی آگ کی تپش سرد پڑ گئی۔

”تمہارا دوست جمیل احمد خان تمہارے سامنے موجود ہے آنند لال! میں جمیل احمد خان ہوں۔“

”تم ...... جمیل احمد خان تم!“ آنند لال بدحواسی سے بولا۔ ”تم یہاں تک کیسے آ گئے؟ کیا میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں؟“

”نہیں میرے دوست! یہ حقیقت ہے، میں جمیل احمد خان ہوں۔ اب اٹھ جاؤ، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔“

”خان صاحب!“ آنند لال نے میرا جسم ٹٹولتے ہوئے کہا اور مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔ ”کیا یہ سچ ہے؟“

”اب تمہاری کٹھنائیوں کے دن بیت گئے۔ آؤ باہر آؤ۔“ میں نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنے نحیف و لاغر جثے کو حرکت دی۔ ”مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ شیو شنکر کے استھان سے تم مجھے کیسے لے جا سکتے ہو؟“

”میں سمجھتا ہوں، مجھے شیو شنکر کا آشیرباد حاصل ہے۔ میں یہاں تک آ گیا ہوں، تم یہ کیوں نہیں

سوچتے؟“

”تمہاری بات ٹھیک ہے۔ کوئی منش یہاں نہیں آ سکتا۔ تم مہاپُرش ہو جمیل احمد خان۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہارے لیے اتنی کٹھنائیاں اٹھائیں۔“ وہ ہذیانی انداز میں بولا۔

میں نے آنند لال کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کی جگہ سے اٹھا لیا۔ چوکور پاٹ سے ہٹ کر پھر کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔

میں جلدی جلدی اسے سہارا دیئے عمارت سے باہر آ جانا چاہتا تھا۔ گو میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر تمام احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔

پاگل سادھو نے ہم دونوں کو باہر نکلتے دیکھ کر ایک قہقہہ لگایا۔

”ستیہ امر ہے۔“

اس شخص کے لئے میرے دل میں شدید نفرت پیدا ہوئی۔ میں اس کا کام تمام کر دیتا مگر میں نے اس سے کہا۔ ”لے دیکھ بوڑھے پیچھے مڑ کر دیکھ۔“

سادھو نے پشت کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں۔ ساری عمارت جل رہی تھی۔

”کیا میں تجھے اس میں پھینک دوں؟“

”جا اب چلا جا۔“ اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

آنند لال نے میرا ہاتھ دبا کر مجھے پُرسکون رہنے کی تلقین کی۔ ہم دونوں فاتحانہ انداز سے شیو شنکر پاڑ کی اجاڑ اور شکستہ عمارتوں سے گزرتے ہوئے پگڈنڈیوں پر آ گئے۔ پاڑ سے دور نکل آنے کے بعد آنند لال نے ایک جگہ رک کر اپنے جسم کی کثافتیں دور کیں۔

اسے اب تک یقین نہیں تھا کہ وہ شیو شنکر پاڑ کے محبس سے رہا ہو گیا ہے۔ ہم دونوں سستانے کے لئے ایک غار کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ نہانے سے فارغ ہو کر آنند لال نے عقیدت سے میرا ہاتھ چوم لیا اور ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرتے ہوئے نالکھ آشرم کے راستے پر چل پڑے۔ آنند لال نے مجھے اپنی تکلیف وہ بپتا سنائی۔ اسے کالی کے مندر میں بڑے پنڈتوں، پجاریوں کی سفارش پر رکھا گیا تھا۔ پھر اچانک اسے لا کر ایک دن شیو شنکر پاڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ آنند لال کو دوبارہ ہندو دھرم کی سیوا کرنے میں کوئی عذر نہیں تھا لیکن وہ بدری نرائن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو سزا دینے کے ارادے سے باز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ اس کے دوست جمیل احمد خان کے دشمن تھے۔ اس نے عدالت میں میری حمایت کرنے پر شما بھی نہیں چاہی تھی۔ وہ آخر وقت تک شدید اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔

وہ نالکھ آشرم میں ٹھہر کر کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ ہم نالکھ آشرم کے قریبی پہاڑوں سے گزر کر آگے بڑھ سکتے تھے مگر میں مالا کی وجہ سے دوبارہ وہاں جانا چاہتا تھا۔ جب میں آنند لال کے

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ساتھ نالکھ آشرم میں داخل ہوا تو سادھوؤں اور دیوداسیوں کے چہروں سے حیرت ہویدا تھی۔ گو مالا اور چار دیوداسیوں کے سوا ان کی پذیرائی اور گرم جوشی میں پہلے جیسا جذبہ نہیں تھا تاہم انہوں نے ہم دونوں کے قیام و طعام کا بندوبست کر دیا۔ آنندلال کے لئے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ وہ نالکھ آشرم میں بطور مہمان قیام کرے۔ ایک دن قیام کے بعد ہم دوبارہ وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ میں نے رسماً مالا کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ وہ شاید اسی بات کی منتظر تھی۔ فوراً تیار ہو گئی مگر مسئلہ یہ تھا کہ مالا کو کس طرح یہاں سے نکالا جائے؟ نالکھ آشرم سے آگے لے جانے کے لئے سادھوؤں سے اجازت لینی ضروری تھی اور وہ آنندلال کا پتا بتانے کے بعد مجھے مزید کوئی رعایت کیوں دیتے؟ مالا کو چھوڑا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ اس کی حسرت ناک نظریں اور اس کا معصوم چہرہ مجھے کرب میں مبتلا رکھتا۔ آخر میں نے اس کے لئے کوئی اور ہنگامہ کرنے پر اپنے آپ کو آمادہ کر لیا۔ میں نے دوسری رات ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر بستی کے مکینوں کو مخاطب کیا۔ میں نے کہا۔

''مہاپُرشو! میں مالا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اگر مجھے اس کی اجازت دے دی گئی تو یہ نالکھ آشرم کے مہمان سادھوؤں کی عنایت ہوگی اور اگر میرے راستے میں رکاوٹ کھڑی کی گئی تو میں انہیں سادھو شنکر کی اذیت ناک موت یاد دلاؤں گا۔ میں آنندلال کو واپس لے آیا ہوں۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے، میں مالا کو بھی یہاں سے لے جا سکتا ہوں۔'' میرے سامنے کوئی شخص نہیں تھا لیکن میری آواز، وہ جہاں جہاں بیٹھے ہوں گے ان کے کانوں تک پہنچ گئی ہوگی۔ اس اعلان سے مطمئن ہو کر آدھی رات کے وقت میں نے آنندلال کو جگایا، مالا کو ساتھ لیا اور نالکھ آشرم کو خیرباد کہا۔ نالکھ آشرم کی حدود تک کسی نے مالا کو روکنے کی جرأت نہیں کی۔ وہ ان پہاڑی راستوں پر بار بار تھک جاتی تھی۔ اسے چاق و چوبند رکھنے کے لئے ہمیں بار بار ٹھہرنا پڑتا تھا۔ آخر ہم تینوں تیسرے دن کسی نہ کسی طرح گنیش دیوتا کے استھان پر پہنچ گئے جہاں نالکھ آشرم جاتے ہوئے پنڈتوں سے میری تلخی ہو گئی تھی۔ اس مرتبہ کسی نے مجھے نہیں روکا، ہم نے وہاں ٹھہر کر پانی پیا اور کچھ چنے کھا کر ناگپور شہر میں داخل ہو گئے۔

☆......☆......☆

ہم تینوں دوبارہ شہری حدود میں داخل ہو گئے تھے۔ ہمارا حلیہ عجیب تھا۔ میرے سر کے بال اور داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنندلال کے تمام جسم پر بال اگے ہوئے تھے۔ مالا دیوداسیوں کے مخصوص لباس میں ہمارے ساتھ تھی۔ ناگپور پہنچنے کے بعد میرے سامنے چار راستے تھے۔ میں اب بدری نرائن کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں یا کلدیپ کے استھان پر پہنچ کر ترئین اور کلدیپ کو وہاں سے لے آؤں؟ یا مدراس جا کر ہرچرن سے پریم کا بدلہ لوں اور انکا کو اپنے قبضے میں کروں یا پہلے گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچوں جہاں پریم، ناہید اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ آنندلال کا خیال تھا کہ ہمیں

ناگپور ہی سے بدری نرائن کی تلاش میں روانہ ہو جانا چاہئے۔ بدری نرائن کے ذکر پر وہ بہت مشتعل ہو جاتا تھا لیکن میرے ساتھ مالا تھی۔ مالا کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا اور بستی بستی بدری نرائن کو تلاش کرنا دشوار ہو جاتا۔ بدری نرائن آسانی سے قابو میں آنے والا شیطان نہیں تھا۔ وہ محفوظ مقامات کی طرف بھاگ رہا ہوگا۔ ہم گلبرگہ شہر کی طرف جانے والی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مسافروں نے ہم تینوں کے عجیب حلئے سے متاثر ہو کر ہمارے لیے اپنی جگہیں خالی کر دیں۔ گلبرگہ تک کا کرایہ ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس پیسے نہیں تھے۔ جس ڈبے میں ہم سفر کر رہے تھے، اس میں نوجوانوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا۔ یہ لڑکے کسی کالج کے طالب علم تھے اور دکن کے تاریخی مقامات دیکھنے کے لئے دہلی سے آ رہے تھے۔ دو بوڑھے مجہول سادھوؤں کے ساتھ ایک حسین نوجوان لڑکی کو دیکھ کر انہوں نے پہلے تو ہم پر طنزیہ فقرے اور شرارتی جملے کسے۔ ہم نے ضبط سے کام لیا۔ ہماری خاموشی پر وہ اور شیر ہو گئے۔ دو چار طلبہ نے ہماری طرف رخ کر کے فحش انداز میں گانا شروع کر دیا۔ مالا کبھی مجھے، کبھی انہیں دیکھتی۔ اس کا چہرہ ان شہدوں کی گستاخی پر گلنار ہو گیا تھا۔ آنندلال نے مالا کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس پر بھی وہ شرارتی لڑکے جملے بازی سے باز نہیں آئے۔ وہ سب مستانے پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میں نے ان بچوں کی شرارت درگزر کر دی اور آنندلال کو سمجھایا کہ وہ ان نادانوں کی دل لگی پر منہ نہ بنائے۔ میں کھڑکی سے چہرہ نکال کر سوچنے لگا۔ میں بھی کسی زمانے میں طالب علم تھا۔ اس وقت میری ماں زندہ تھی۔ میں بھی اتنا ہی شریر تھا۔ گاڑی کی رفتار تیز تھی اور میرے خیال کی رفتار اس سے کہیں تیز۔ گلبرگے واپس جانے کی مسرت تھی کیونکہ وہاں محبت کرنے والے لوگ موجود تھے۔ وہ قلندر سید بھی وہیں رہتا تھا جس نے نمودار ہو کر مجھے حوصلہ بخشا تھا اور میرے سرشور جذبے بے لگام ہونے سے روک لیے تھے۔ میرے خیالات کا تانا بانا اس وقت ٹوٹا جب میں نے مڑ کر دیکھا۔ چند سرکش طالب علم آنندلال کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے کیونکہ اس کے قریب مالا بیٹھی ہوئی تھی۔ مالا کے بدن پر لباس بہت مختصر تھا۔ وہ آنندلال کو چھیڑ رہے تھے۔ ''گرودیو! کہاں سے آ رہے ہو؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟'' آنندلال مختصر جواب دے کر انہیں ٹال رہا تھا۔ میں بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ہماری درگزری سے ان کی جسارت بڑھتی جا رہی تھی۔ چند لڑکوں نے دور کھڑے ہو کر مالا کو اشارے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ شعر پڑھتے تھے، گانے گاتے تھے، اداکاری کرتے تھے، ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر بوسے لے رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مذاق کر کے مالا کو اور ہمیں ہدف بنا رہے تھے۔

''مہاراج! کہاں جا رہے ہو؟'' ایک لڑکا بوڑھے سادھوؤں کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ ڈبے میں چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لیے وہ تمام مسافروں پر حاوی تھے۔ بعض مسافر ان کی حرکتوں پر خوش ہو رہے تھے کچھ ناراض تھے تو انہوں نے انہیں بھی [illegible] لڑکے نے چلبلے پن کی انتہا کر

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

دی۔ وہ ہمارے قریب بیٹھا آنندلال سے مخول کر رہا تھا۔ اس نے آنندلال نے کہا۔

''گرودیو! آپ کی داڑھی پر ہاتھ پھیر سکتا ہوں؟'' دوسرے لڑکے نے اس کے ساتھ گرہ لگائی۔

''گرودیو! آپ کی داڑھی میں تنکا۔'' آنندلال نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ میں نے گرج دار آواز میں انہیں ڈانٹ دیا کہ وہ اپنی نشستوں پر جا کر بیٹھیں اور ہم سے کلام نہ کریں۔ میں نے یہ بات انگریزی میں کہی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے تو دنگ رہ گئے اور اپنی نشستوں پر چلے گئے لیکن وہاں سے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد ہماری طرف راغب ہوئے۔ اس بار آنندلال سے برداشت نہیں ہو سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ جب اس کے ہونٹ متحرک ہوئے تو شریر لڑکوں کی آوازیں آنی بند ہو گئیں۔ ہمارے قریب بیٹھے ہوئے سرکش طلبہ کے گروہ کی آواز اچانک بند ہو گئی تھی۔ وہ بولتے تھے مگر کوئی سن نہیں سکتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں انہیں احساس ہو گیا کہ ان کی آوازیں بند ہو چکی ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنا چاہا لیکن ان کی آوازیں ان کے گلوں میں گھٹ کر رہ گئیں۔ آنندلال اور مالا کے چہرے پر مسکراہٹ طاری تھی اور میں غور سے ان بچوں کی تشویش، ہذیانی انداز اور اضطراب دیکھ رہا تھا۔ لمحوں میں حقیقت حال ان پر منکشف ہو گئی اور وہ رو دینے والے انداز میں میرے اور آنندلال کے قدموں میں گر پڑے۔ آنندلال ان کی منتوں پر ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ اپنی جگہ جما بیٹھا رہا۔ لڑکے میرے قدم پکڑ کر رونے لگے۔ ان کے دوسرے تمام ساتھیوں نے آ کر ان کی سفارش کی۔ میں نے ان تمام لڑکوں کو آگے بلایا جن کی آوازیں ان کے گلوں میں منجمد ہو گئی تھیں۔ میں نے ان کے لبوں پر انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔ جیسے جیسے میں انگلی پھیرتا جاتا تھا، ان کی آوازیں واپس آتی جاتی تھیں۔ ہمارا یہ عمل اور اس کا توڑ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کا کیا حال ہوا ہو گا؟ وہ فدوی بن گئے۔ ہمارا ٹکٹ بھی انہوں نے خریدا۔ راستے بھر وہ میرے اور آنندلال کے پاؤں دباتے رہے۔ انہوں نے ہمیں اپنا کھانا بھی دے دیا اور بار بار اپنی گستاخی کی معذرت چاہتے رہے۔ ہمارا باقی سفر بڑے آرام سے گزرا۔ لڑکوں نے ہم سے دوبارہ ملنے کے لئے پتا پوچھنا چاہا تو ہم نے کہہ دیا۔ ''مورکھو! سادھوؤں کا بھی کوئی پتا ہوتا ہے؟''

کتنی سچ بات تھی، ایک عرصے سے جمیل احمد خان کا بھی پتا نہیں تھا۔ وہ اِدھر اُدھر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس کا کوئی گھر نہیں تھا۔ کوئی پتا نہیں تھا۔ وہ ایک خانہ بدوش شخص تھا۔ گلبرگہ کے قریب میرے سر پر ایک دھماکا ہوا اور میں نے دیکھا، انکا میرے سر پر وارد ہے۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ میں کسی بھی لمحے اس کی آمد کی توقع کر رہا تھا۔ ہرچرن اور دوسرے پنڈتوں، پجاریوں کو نالکھ آشرم اور شیوشنکر پاڑ سے میری واپسی کا پتا چل گیا ہو گا۔ وہ وحشت اور دہشت میں کوئی اوچھا وار کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ انکا کو اپنے سر پر محسوس کرنے کے باوجود میں نے اس سے گفتگو میں پہل نہیں کی۔ میں اپنی جگہ بے نیاز بیٹھا رہا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' انکا نے اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''تمہیں اس سے غرض؟'' میں نے ہونٹ سیکڑ کر کہا۔

''میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ گلبرگہ ہی تمہارے لیے ایک مناسب جگہ ہے۔ میرا آقا ہرچرن آنندلال کو شیوشنکر پاڑ سے لانے کے بعد تمہاری شکتی کا دل سے قائل ہو گیا ہے۔ بہتر ہے اب تم کسی جھگڑے کا خیال دل سے نکال دو۔ اب اس کے دل میں تمہارے لیے کوئی بیر نہیں۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''مگر میرے دل میں بیر ہے، کوئی نئی بات کرو انکا دیوی! مجھے مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال تمہارا شکریہ کہ تم نے بروقت آ کر مجھے یاد دلایا۔ گلبرگہ کے بعد سب سے پہلے مجھے اس کے پاس جانا چاہیے۔ گلبرگہ میں میرا قیام زیادہ دنوں تک نہیں رہے گا۔ اس کے بعد تم میرے قبضے میں ہو گی۔''

''جمیل احمد خان! ہرچرن ختم ہو گیا تو یہ میری مرضی پر منحصر ہو گا کہ میں کس کے سر پر جاؤں لیکن میں اپنے آقا ہرچرن کو ختم کیوں ہونے دوں گی۔ انکا اپنے آقا کے تحفظ کے لئے تمہارے راستے کی رکاوٹ بن جائے گی۔'' انکا نے تیزی سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے اس کے بعد تم کہاں جانا پسند کرو گی۔'' میں نے عالم تصور میں اس کی جانب دیکھا۔ ''تم میرے راستے کی رکاوٹ بن جاؤ گی لیکن میں تمہیں اپنی مٹھی میں بند کر لوں گا۔''

''تم نے اپنے تمام متعلقین کو گلبرگہ میں محفوظ کر دیا ہے مگر یہ مت بھولو کہ میں ہرچرن کے اشارے پر تمہاری چچازاد بہنوں کو اس کی آغوش میں پھینک سکتی ہوں۔ وہ لکھنؤ میں ہیں۔ تم انکا سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور تم ہندوستان کے ان پنڈتوں، پجاریوں سے تنہا لڑنے کی شکتی بھی نہیں رکھتے جو تمہیں ختم کرنے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں ہیں۔''

''تم سے کوئی بحث مناسب نہیں ہے۔ انکا صرف یہ سن لو کہ اگر تم نے میرے چچا جان کے گھر پر کوئی ہنگامہ برپا کیا تو کوئی پنڈت پجاری میری زد سے محفوظ نہیں رہے گا۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''میں اسی وقت وہاں جا سکتی ہوں۔'' انکا نے ڈھٹائی سے کہا۔

''اور میں اسی وقت ہرچرن کا منہ توڑنے جا سکتا ہوں۔ میں آنندلال کے ذریعے تمہارا جاپ کروا سکتا ہوں۔''

''تم ایک سمجھ دار آدمی کی طرح اگر سب کچھ بھول جاؤ اور نئے سرے سے زندگی گزارنے کا ارادہ کر لو تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔'' انکا نے بارعب آواز میں کہا۔

''میں تمہیں اسی وقت اپنے سر سے دفع ہونے کا حکم دیتا ہوں۔ چلی جاؤ۔'' میں نے چیخ کر کہا۔ ڈبے کے تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔

''کیا ہے؟'' آنندلال نے تشویش سے پوچھا اور پھر میرے سر پر انکا کو دیکھ کر کہنے لگا۔ ''تم

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہو......انکا دیوی! ہماری تمہاری جدائی کے چند دن اور ہیں۔"

"آنند لال! تم اپنے دوست کو سمجھاؤ کہ وہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کرے۔" انکا نے آنند لال سے کہا۔

"ارے رے انکا دیوی......" آنند لال تمسخر سے بولا۔ "کیا ہرچرن مہاراج جمیل احمد خان سے بہت خوف زدہ ہے؟ کتنی دیر بعد عقل آئی ہے اسے۔"

"جاؤ اپنا وقت کیوں برباد کر رہی ہو؟" میں نے جھڑک کر کہا۔

"ارے میرے سر پر آجاؤ دیوی جی! مجھ سے باتیں کرو۔" آنند لال ترنگ میں بولا۔

"میں لکھنؤ جاسکتی ہوں۔" انکا نے آہستگی سے کہا۔

"تم غلطی کرو گی۔"

"یہ تم پر منحصر ہے جمیل احمد خان!"

"اچھا! تم جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ۔" میں نے طیش میں کہا۔ انکا مجھے پریشان کر کے چلی گئی۔ وہ لکھنؤ میں چچا جان کے گھر جا کے یقیناً کوئی ناروا حرکت کرنے پر قادر تھی۔ میں لکھنؤ سے بہت دور تھا اور یہاں سے اتنی ہی تدابیر اختیار کر سکتا تھا کہ مجھے انکا کے پہنچنے کی اطلاع مل جائے اور میں انکا کی مزاحمت میں کچھ کر سکوں لیکن انکا موقع پر موجود ہونے کی وجہ سے بہت کچھ کر سکتی تھی۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی پہنچ کر میں پریم اور سید غوث سے صرف چند لمحوں کے لئے ملا۔ پھر مالا اور آنند لال کو وہاں چھوڑ کر میں اسٹیشن آگیا۔ میرے اندازے کے مطابق ہرچرن مدراس میں تھا۔ رکن الدین، ناہید، پریم اور آنند لال مجھے روکتے رہ گئے۔ رکن الدین بڑا اعالی ظرف شخص تھا۔ میں وہاں اپنے متعلقین کو جمع کر رہا تھا اور وہ فراخ حوصلگی سے ان کی پذیرائی کر رہا تھا۔ پریم اب اچھی معلوم ہو رہی تھی۔ رکنے کو بہت جی چاہتا تھا لیکن انکا نے مجھے چند لمحے بھی اطمینان سے سانس نہیں لینے دیا۔ آنند لال بھی میرے ساتھ چلنے پر مصر تھا مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے کسی سے زیادہ بات نہیں کی۔ بس چند ہدایتیں دے کر اور رکن الدین کی حویلی کا ٹھنڈا پانی پی کر وہاں سے چلا آیا۔ اسٹیشن پر مجھے نہایت غلیظ حالت میں پتھر کی بینچ پر بیٹھا ہوا ایک شخص نظر آیا۔ وہ یقیناً سید تھا۔ میں اپنی پوری طاقت سے اس کی طرف بھاگا اور میں نے اس کی لاٹھی اپنے قبضے میں کر لی۔

سید نے گھور کر مجھے دیکھا اور میرے ہاتھ سے اپنی لاٹھی چھین لی۔ میں نے ہذیانی انداز میں کہا۔ "پیرو مرشد! میں نے زلفیں بڑھا لی ہیں۔"

"ان میں کنگھی کر۔" سید نے اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا۔ "حالات سے کبڈی کھیل۔"

"میں ہدایت کا منتظر ہوں پیرو مرشد! تم چھلاوے کی طرح میرے سامنے مت آیا کرو۔ میں جانتا

Downloaded from Paksociety.com

ہوں تمہاری شفقت کی نظر سے میں محروم نہیں ہوں۔" میں نے عجز سے کہا۔

سید نے اپنے بال کھجاتے ہوئے نعرہ لگایا۔ "الحق۔ روز آئینہ دیکھا کر۔ زمین کا سارا کوڑا اٹھا لے۔"

"سید۔ اے مرد کامل، یہ کیا تماشا ہے؟" میں نے جز بز ہو کر کہا۔ "آئینے میں مجھے اپنی صورت نظر نہیں آتی۔"

سید نے زمین سے مٹی اٹھائی اور کہا۔ "لے اس کا سرمہ آنکھوں میں لگا لے۔"

میں نے عقیدت سے مٹی اس کے ہاتھوں سے لے کر اپنی آنکھوں میں جھونک لی۔ کنکر اور خاک ریزوں سے میری آنکھیں تکلیف سے بند ہونے لگیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے مٹی تحلیل کرنے کی کوشش کی اور جب آنکھیں کھولیں تو سید غائب ہو چکا تھا۔

"پھر چلا گیا۔" میں نے مایوسی سے ہاتھ ملے۔ "ابھی دیر ہے..... ٹھہر جا سید! میں دیکھتا ہوں تو کب تک یہ تماشا کرتا ہے۔" میں خود کلامی کرتا ہوا ٹرین میں بیٹھ گیا۔ آدھے راستے کے بعد مجھ پر منکشف ہوا کہ ہرچرن مدراس سے بھاگ گیا ہے۔ میں نے بمبئی کا رخ کیا اور اپنے سفر کی سمت اوجھل کرنے کے لئے ایک مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہرچرن کوئی بڑا پجاری نہیں تھا۔ اس نے اس زمانے میں بڑی آسانی سے انکا کو قابو کر لیا تھا جب میں تہ خانے میں بند تھا۔ وہ اگر کسی مندر میں چھپتا تو انکا اس کے ساتھ نہ ہوتی جبکہ وہ انکا کے بغیر ایک لمحے بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ بمبئی اتر کر میں سیدھا اس ہوٹل میں پہنچا جہاں وہ خود کو محفوظ سمجھ کر ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے میری آمد کی اطلاع نہیں تھی اس لیے کہ میں نے پہلے ہی اس کا انتظام کر لیا تھا۔ میں بالکل اچانک اس کے سامنے پہنچنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنے تحفظ کے لئے پنڈتوں، پجاریوں کی فوج جمع کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

بمبئی کے اس شاندار ہوٹل کی عمارت میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں جب اس کے بڑے دروازے سے گزر کر لاؤنج میں داخل ہوا تو ہرچرن مجھے ایک میز پر تنہا نظر آگیا۔ اس نے مجھے دروازے ہی میں تاک لیا اور ہڑبڑا کر اپنی میز سے اٹھ گیا اور فوراً لاؤنج سے ملحق باورچی خانے میں گھس گیا۔ اسے خوف زدہ دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس وقت اس کی مدد کے لئے دوسری کوئی طاقت موجود نہیں ہے۔ میں سیدھا باورچی خانے چلا گیا لیکن دروازہ پار کرتے ہی انکا میرے سر پر آگئی اور اس نے اپنے پنجوں کی شدید چبھن سے مجھے آگے بڑھنے سے رکنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔

"تھوڑی دیر میں تمہیں میرے پاس آجانا ہے۔ ان حرکتوں سے باز آجاؤ۔ اب تمہارے یہ پنجے میرے سر میں کوئی زخم پیدا نہیں کریں گے۔ مجھے جلد از جلد ہرچرن کے پاس لے چلو۔" میں نے انکا سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"میں انکا ہوں جمیل احمد خان! اگر میں تمہارے سر پر ناکام بھی ہوگئی تو دوسروں کے سروں پر جا کر تمہارے لیے مشکلات پیدا کرسکتی ہوں۔ تم جس راستے سے آئے ہو، اسی سے واپس چلے جاؤ ورنہ میں کسی بھی شخص کے سر پر جا کر تمہارا راستہ روک دوں گی۔" انکا نے بھناتے ہوئے کہا۔

"سیدھی طرح مجھے اس کمینے کے پاس لے چلو۔" میں باورچی خانے سے پہلی منزل پر واقع کمروں کی سیڑھیوں کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

ہرچرن باورچی خانے سے غائب ہوگیا تھا۔

یکایک انکا میرے سر سے اتر گئی۔ میں سیڑھیاں چڑھ چکا تھا اور پہلی منزل کے کمروں کے دروازے چھو کر ہرچرن کی موجودگی کا یقین کررہا تھا کہ میرے قریب سے ایک گولی گزر گئی۔ راہداری میں کوئی مسافر شب خوابی کے لباس میں مجھ پر پستول تانے کھڑا تھا۔ انکا اس کے سر پر بیٹھی تھی۔ اس نے دوسری گولی چلائی لیکن اس بار بھی اس کا نشانہ خطا ہوگیا۔ جب وہ تیسری بار نشانہ لے رہا تھا تو میں اس کے سامنے پہنچ گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ انکا اس کے سر سے غائب ہوچکی تھی۔ پھر جب تک وہ کوئی اور آدمی تلاش کرتی، میں ہرچرن کو تلاش کرنے کے لئے دوسری منزل پر پہنچ چکا تھا۔ دوسری منزل پر ایک عورت نیم عریاں حالت میں چیختی چلاتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے سر پر بھی انکا تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس عورت کو دھکا دیا اور انکا سے کہا۔ "کم بخت! یہ کیا مذاق کررہی ہے؟ اگر ہرچرن کو بچانا ہے تو اپنے آقا کے سر پر جا۔ اسے اس وقت تیری ضرورت ہے۔"

چوتھی پانچویں منزل پر بھی ہرچرن نہیں تھا۔ انکا یقیناً اب اس کے پاس واپس چلی گئی تھی مگر وہ کسی وقت بھی میرے لیے کوئی الجھن پیدا کرسکتی تھی۔ کم از کم ایسی الجھن جو پولیس کی نظروں میں دوبارہ مجھے مشکوک بنادیے۔ وہ کسی بھی آدمی کے سر پر جا کر اسے میرے خلاف اکسا سکتی تھی۔ حالانکہ کوئی عام آدمی مجھے کم ہی نقصان پہنچاتا مگر ہرچرن اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کے کہیں نکل کر نچلی سیڑھیوں پر بھاگتا ہوا نظر آیا۔ میں اس کے تعاقب میں تیزی سے دوڑا اور میں نے پانچویں منزل کے ایک کمرے میں اسے داخل ہوتے دیکھا۔ میں نے بھاگنا بند کردیا اور اطمینان سے سانس درست کرتا ہوا ہوٹل کے متوحش بیروں کی نظروں سے بچتا بچاتا ہرچرن کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی تو انکا میرے سر پر آگئی۔ اس نے اپنے نکیلے پنجے تمام تر طاقت سے میرے سر پر چبھودیئے۔ "جمیل احمد خان! اندر مت جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے اور اس کے پاس اسلحہ ہے۔ ہرچرن پوری طرح محفوظ ہے۔ تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

"تم کسے ڈرا رہی ہو انکا؟ یہ تو ہوٹل کا لحاظ ہے جو ہرچرن کو اتنی رعایت مل گئی۔" یہ کہہ کر میں

دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ انکا پھر میرے سر سے اتر گئی۔

انکا نے اپنے آقا کی وفاشعاری کا حق ادا کردیا تھا۔ میں نے دیکھا ایک تیس سالہ صحت مند عورت فیل مچا رہی ہے۔ وہ ہرچرن سے باہر جانے اور کمرا چھوڑنے کے لئے کہہ رہی تھی پھر اچانک وہ خاموش ہوگئی کیونکہ انکا اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ اب اس نے مجھے حکم دیا۔ "میرے کمرے سے نکل جاؤ۔"

میں نے پیچھے مڑ کر دروازے پر چٹخنی لگادی۔ ہرچرن پھٹی پھٹی خوف زدہ نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز تھی۔ میں چاہتا تھا کہ انکا کسی طور عورت کے سر پر رہے اور میں اس عرصے میں ہرچرن سے آسانی کے ساتھ نمٹ لوں چنانچہ میں نے انکا کو الجھانے کے لئے، جو عورت کے سر پر تھی، کہا۔ "تم خاموش کھڑی دیکھتی رہو۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی یا اس عورت کو ورغلانے کی کوشش کی تو میں اس کمرے کو آگ لگادوں گا۔"

"مہاراج۔ مجھے شما کردو۔" ہرچرن گھگیاتے ہوئے بولا۔

"تم چاہو تو اپنی مدد کے لئے انکا کو آواز دے سکتے ہو۔"

"مہاراج! تمہاری شکتی اپرم پار ہے۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔ میں اس لمحے میں کوئی وار کرسکتا تھا جب انکا اس کے سر پر نہیں تھی لیکن ایسا کرنے سے پہلے میں اس سے دو باتیں کرنا چاہتا تھا۔ "میں نے تمہارے پیغام سن لیے تھے، ہرچرن مہاراج!"

"مہاراج! مجھے بدری نرائن نے بہکایا تھا۔" ہرچرن کی آواز لرز رہی تھی۔ "مجھے شما کردو۔ چاہو تو انکا بھی میں تمہیں دان کرسکتا ہوں پر مہاراج مجھے....."

"چپ رہو۔" میں نے اسے ڈانٹ دیا اور عورت کو حکم دیا۔ "تم اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرو۔"

عورت نے میرا حکم مسترد کردیا اور ایک بھاری پھول دان اٹھا کر میرے سر پر مارنے کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ میں نے پھول دان اپنے ہاتھ میں پکڑلیا۔ پھر وہ اپنے لباس کی الماری کی طرف بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پستول تھا۔ "میں تم پر گولی چلادوں گی۔" وہ چیخ کر بولی۔

اسی اثنا میں ہرچرن پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا مگر دروازے پر اوندھے منہ گر گیا۔

میں نے دیکھا، انکا عورت کے سر سے اتر کر اسی وقت ہرچرن کے سر پر آگئی۔ انکا کے جانے کے بعد عورت ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔

"خاموش کھڑی رہو۔" میں نے گرج دار آواز میں عورت سے کہا۔

وہ سہم گئی۔ میرا حلیہ، لمبے بال، داڑھی، ایک ہاتھ، ڈھیلی ڈھالی عبا۔ میری آواز میں اتنا تاثر تھا کہ وہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ "پستول مجھے ...." میں نے کہا۔ اس نے فوراً پستول

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میری طرف اچھال دیا۔ میں نے پستول ایک طرف پھینک دیا۔ ''ہاں ہرچرن! اب تمہارے سر پر انکا دیوی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جس کے سر پر ہوتی ہے، اس کی شکتی بڑھ جاتی ہے تم میری طرف کیوں نہیں بڑھتے؟''

''مہاراج۔ میں انکا کی موجودگی کے باوجود تم سے شما چاہتا ہوں۔'' ہرچرن کے لہجے میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ انکا اس کے سر پر تلملا رہی تھی۔

''تم نے پریم کو لوٹا، پریم جیسی پھول لڑکی کو۔'' ہرچرن لڑکھڑانے لگا۔

''وہ تمہارا بدری نرائن اب کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ حرام زادہ!'' میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''وہ سورت میں ہے مہاراج!'' ہرچرن تیزی سے بولا۔ امید کی ایک کرن اس کی آنکھوں میں پیدا ہو گئی۔

''بلاؤ اسے۔ آواز دو مگر تم صرف طاقت کی زبان سمجھتے ہو۔ اس وقت میں تمہارے سامنے ہوں تو تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟'' ہرچرن نے مایوسی سے انکا کی طرف دیکھا۔

''اے عورت! کیا نام ہے تمہارا؟'' میں نے سحر زدہ عورت سے پوچھا۔ وہ ہماری گفتگو سے بری طرح خوف زدہ ہو گئی تھی۔

''کانتی، مہاراج!'' وہ بے ساختہ بولی۔

''کانتی! تم اس ملیچھ پنڈت ہرچرن کے منہ پر طمانچے مارو۔ اس کے منہ پر تھوکو...... چلو۔''

کانتی کے قدموں میں لرزش پیدا ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹی عین اس وقت انکا ہرچرن کے سر سے الگ ہو گئی۔

میں اسی موقع کا منتظر تھا۔ انکا عورت کے سر پر چلی گئی تھی۔ میں نے ایک ثانیے کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں اور ہرچرن کی طرف پھونک مار دی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ دروازے سے زمین کی طرف ڈھلک گیا۔ ہرچرن کے تمام اعضا اینٹھ گئے تھے اور وہ کسی جذامی شخص کی شکل میں تڑپ رہا تھا۔ ہرچرن کی یہ بدہیتی دیکھ کر عورت بے ہوش ہو گئی۔ انکا مفلوج ہرچرن کے سر پر آچکی تھی۔

''کیا اب بھی تم اس کا سر نہیں چھوڑو گی؟''

''نہیں۔ میں آخر دم تک اس کے ساتھ رہوں گی۔''

''میں اسے اسی طرح چھوڑنا چاہتا ہوں۔''

''میں ہمیشہ اسی طرح اس کے ساتھ رہوں گی۔'' انکا بولی۔

''تو پھر مجھے اس کا سانس بند کرنا پڑے گا۔''

''میری موجودگی میں تم اس اقدام سے نقصان اٹھا سکتے ہو۔''

''اوہ...... تمہارا یہ رنگ بھی بہت دلکش ہے۔'' مجھے ہنسی آ گئی۔

''جاؤ، اپنے اس مفلوج آقا کے ساتھ جاؤ۔ کچھ سزا تمہیں بھی ملنی چاہئے۔''

انکا ہرچرن کے سر پر بے رخی سے پہلو بدلنے لگی۔

ہرچرن چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ اب انکا کے لئے اسے اٹھائے پھرنا بہت مشکل تھا۔ وہ ابھی تک کراہ رہا تھا۔ میں نے بے ہوش کانتی کو اٹھایا اور اسے بستر پر لٹا کر مراقبے کی ایک چھوٹی سی مشق کی۔

پھر میں نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا دماغ انگلیوں سے سہلانے لگا۔ اس طرح میں اس کے ذہن سے موجودہ واقعہ محو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انکا ہرچرن کے ساتھ بے بسی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے دروازے کی چٹخنی کھول دی اور انکا سے کہا۔

''اب اس کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور اس کے لئے کوئی نئی لڑکی فراہم کروتا کہ اس کے خون میں حرارت پیدا ہو۔''

میں راہداری میں آ گیا اور دیر تک کھڑا بیروں کو اپنی شناخت کراتا رہا۔ مجھے ہرچرن کے باہر نکلنے کا انتظار تھا۔ پھر میری آنکھوں نے یہ دلچسپ منظر دیکھا کہ ہرچرن لڑھکتا ہوا کانتی کے کمرے سے باہر نکلا۔ وہ ایک گٹھڑی کی شکل میں زمین پر لڑھک رہا تھا اور چیخ رہا تھا۔ میں دور کھڑا یہ کھیل دیکھتا رہا۔ مجھے احساس تھا کہ میرے عمل کے توڑ کے لئے ہرچرن کسی بڑے پجاری کے پاس انکا کو بھیجے گا اور یہی ہوا۔ جب ہوٹل کے بیروں نے مفلوج ہرچرن کو دیکھ کر اسے چادر کے بنائے ہوئے اسٹریچر پر لٹا دیا تو میں نے اس کے قریب جا کر دیکھا۔ انکا اس کے سر پر نہیں تھی۔ میں نے نہایت عجلت میں بیروں کو ہٹا کر ہرچرن کی نبض دیکھی۔ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آنے کی دیر تھی۔ اسے بجلی کی طرح ایک جھٹکا لگا اور بیروں نے چادر زمین پر رکھ دی اور اس کے منہ پر ایک اور چادر ڈال دی۔

بیروں کی چہ میگوئیوں اور چیخ پکار سے کمروں میں ٹھہرے ہوئے بعض مسافر باہر نکل آئے اور لاش کے گرد جمع ہو گئے۔ میں سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔ مجھے کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کسی قرض کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے۔ بمبئی کی سڑکوں کی وہی رونق تھی۔ زندگی بھاگ رہی تھی۔ عمارت سے میرے باہر نکلنے کی دیر تھی کہ میرا ہلکا سر بھاری ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ندامت تھی۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی شرم سار نظر آتی تھی۔ میں اس سے نہیں بولا۔ یوں ہی سڑکوں پر چلتا رہا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی پھر اس نے بڑی مشکل سے لب کھولے۔ ''سنو!'' وہ خوابیدہ آواز میں بولی۔ ''اے، کیا بہت ناراض ہو۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے بہت ہلکے سے میرے سر پر چپت لگائی۔ ''اے...... یہ کیا ہے؟''

میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور بمبئی سینٹرل اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہر چرن کی موت نے میرے کاندھے سے ایک وزنی بوجھ اتار دیا تھا۔ اب ہوٹل والے پولیس کو اطلاع دے رہے ہوں گے اور تھوڑی دیر میں پولیس پہنچ جائے گی۔ کانتی کا ذہن پلٹ دینے کے بعد ہر چرن کی موت کا کوئی عینی شاہد باقی نہیں تھا۔ البتہ انکا سب کچھ جانتی تھی لیکن اس وقت وہ میرے سر پر موجود تھی۔ ایک مدت بعد وہ پھر اسی انداز اور شوخی سے وہاں دراز تھی جیسے کوئی عرصے بعد اپنے گھر آیا ہو۔ میرا سر اس کا آشیانہ تھا لیکن خود میرا کوئی آشیانہ نہیں تھا۔ میں ٹیکسی کی نشست سے سر لگائے بمبئی کے بازاروں اور شہر کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرا خیال تھا ہر چرن مجھ سے مقابلے کی کوشش کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں نے کسی حقیر کیڑے کی طرح اسے مسل دیا تھا۔ پولیس کے بعد بمبئی کے مہان پنڈتوں کو خبر ہوگی کہ ہر چرن اس حالت میں مارا گیا اور اس کے سے سر انکا غائب ہے۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ یہ کام جمیل احمد خان نے کیا ہے تو ان کا اشتعال دیدنی ہوگا۔ گو میں وہاں نہیں ہوں گا۔ پریم کی دوشیزگی کا بدلہ ہر چرن کی موت نہیں تھی۔ مجھے نقصان کے اس سودے کا احساس تھا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟'' انکا نے آہستگی سے کہا۔

میں اپنے خیالوں میں ڈوبا رہا۔ ''کیا بہت خفا ہو؟ معاف نہیں کرو گے؟'' انکا نے خوشامد کی۔

''تم کون ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''میرا سر چھوڑ دو۔''

''تمہارا سر چھوڑ دوں تو کہاں جاؤں؟ تم نے ہر چرن کو مار دیا ہے، اب تمہارے سوا میرا کون ہے؟'' انکا نے شوخی سے کہا۔

''کوئی اور سر تلاش کرو، کسی نئے پنڈت کے سر پر جاؤ۔ انہیں تمہاری بڑی ضرورت ہے۔'' میں نے اکتاہٹ سے کہا۔

''جمیل!'' انکا بسور کر بولی۔ ''تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہے ہو۔ ہر چرن کی مدد کرنا میرا فرض تھا کیونکہ اس وقت وہ میرا آقا تھا۔''

''اسی لیے میں نے تبت میں نندا کے استھان پر سردی گرمی کا خیال کیے بغیر اپنی زندگی کے بہترین دن گزار دیئے تھے۔ مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے، میں تو ہر چرن سے پریم کا انتقام لینے آیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے، تم میری وجہ سے نہیں آئے تھے مگر مجھے دیکھو، میں سیدھی تمہارے پاس آئی ہوں۔'' انکا کے لہجے میں حسرت شامل ہوگئی تھی۔

''تم اس شخص کے پاس آئی ہو جسے تم نے قدم قدم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ تم نے پریم کو

نہیں چھوڑا، تم نے مجھے بہکانے کی کوشش کی، تم نے سید غوث سے مجھ پر حملہ کرایا۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میں برسوں سے مارا مارا پھر رہا ہوں۔ یہ سب کس کی وجہ سے ہوا ہے؟'' میں نے غصے سے کہا۔ ''اور تم شوخیاں کر رہی ہو؟''

''لیکن اس میں میری خطا کیا ہے؟'' انکا رقت بھری آواز میں بولی۔ ''جب میں تمہارے پاس تھی تو میں نے تمہارے کسی حکم کی تعمیل سے کبھی انکار کیا؟''

''لیکن جب تم چلی گئیں تو تم نے اپنے سابقہ احسانات کے بدلے گن گن کے لئے۔ تم بہت خطرناک عورت ہو۔ آدمی تم سے دور دور رہے تو بہتر ہے۔ اسے اس اذیت سے تو نجات مل جائے گی کہ جس نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے، اس سے ماضی میں کوئی آشنائی تھی۔''

''تمہاری باتیں درست ہیں اور میرے پاس ان کا کوئی جواب بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں تمہارے سر سے چمٹی رہوں۔ اگر تم مجھے کوئی حکم دینا نہیں چاہتے اور تمہیں میری ضرورت نہیں رہی تو ٹھیک ہے۔ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گی، خاموش بیٹھی رہوں گی لیکن کہیں اور بھٹکنے کے بجائے میں تمہارے سر پر رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے اتنی اجازت تو دو۔''

''تاوقتیکہ کوئی اور پنڈت تمہیں حاصل کرنے کی کوشش کرے، میں تو ایک کھلونا ہوگیا۔'' میں نے جھلا کر کہا۔

''اب شاید کوئی اور پنڈت عرصے تک یہ حماقت نہ کرے لیکن آنند لال...... آنند لال تو تمہارا دوست ہے؟'' انکا کے لبوں پر دوبارہ مسکراہٹ تیرنے لگی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ ''کیا آنند لال؟''

''ہاں وہ بے چارہ گلبرگہ میں میرے حصول کے لئے جاپ کرنے بیٹھ گیا ہے۔'' انکا نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''جب تم گلبرگہ سے چلے تھے تو اس نے سوچا تھا، اپنے دوست کو انکا کا تحفہ کیوں نہ پیش کیا جائے؟ اس نے خیال کیا ہوگا اگر ہر چرن تمہارے ہاتھ نہ پڑا تو یوں ہی اس کے پیچھے بھاگتے رہو گے، اس لیے وہ خود جاپ کرنے بیٹھ گیا۔ اب میں انتالیس دن تک تمہارے پاس رہوں گی۔ پھر آنند لال کے سر پر چلی جاؤں گی اور وہ مجھے طشتری میں سجا کر تمہاری خدمت میں پیش کرے گا۔''

''اوہ۔ وہ بے وقوف پنڈت۔ آنند لال کو معلوم نہیں تھا کہ ہر چرن مجھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟ اس نے یہ حماقت کیوں کی؟''

''وہ تمہیں زحمتوں سے بچانا چاہتا ہے۔ اس کے ارادے بدلے نہیں ہیں۔ وہ تمہارا دوست ہے۔''

''مگر میں اس کا تحفہ واپس کرنے اور ٹھکرانے کی قوت بھی رکھتا ہوں۔'' میں نے نفرت سے کہا۔

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''بہت ناراض ہو چکے مجھ پر۔ اب کوئی اچھی بات کرو۔ تم سے خوبصورت باتیں کیے ہوئے عرصہ گزر گیا۔''

''انکا! تم سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا۔''

''کیا کوئی صورت صلح صفائی کی نہیں ہو سکتی؟'' انکا نے اداسی سے کہا۔

''بس یہی کہ تم میرے سر سے دفع ہو جاؤ۔''

انکا خاموشی سے میرا سر کریدنے لگی۔ آنند لال کی خبر نے مجھے ایک اور تشویش سے دوچار کر دیا تھا۔ ٹیکسی اسٹیشن کے احاطے میں پہنچ کر رکی۔ میں نے کرایہ ادا کیا اور پلیٹ فارم پر آ گیا لیکن ابھی تک میں کسی فیصلے نہیں پہنچ سکا تھا۔ اب صرف بدری نرائن رہ جاتا تھا جس کا ناپاک وجود جلد از جلد ختم کر کے ہی اطمینان کے موسم کی توقع کی جا سکتی تھی۔ کلدیپ ابھی تک جاپ میں مصروف تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تزئین کو پریم لال کے استھان سے لا کر رکن الدین کی حویلی میں منتقل کر دوں کیونکہ وہ کلدیپ کے طویل جاپ سے شدید تنہائی اور مایوسی محسوس کر رہی ہو گی۔ ادھر گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی میں پریم، ناہید، مالا اور سید غوث میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ انکا بدستور میرے سر پر موجود تھی اور اس کی نظریں میرے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان نظروں کی چبھن مجھے بوکھلا دیا کرتی تھی لیکن اب میں ان باتوں سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

''کیا میں کوئی بات کر سکتی ہوں؟'' انکا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''تم اپنے آپ کو پریشان کر رہی ہو؟''

''میں کلدیپ اور تزئین کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں ان دونوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔''

''ارے تم تو پتھر بن گئے ہو۔''

''تمہاری موجودگی میرے اہم فیصلوں میں مخل ہو رہی ہے۔''

''تم کیا فیصلے کر رہے ہو؟'' انکا نے حجت کی۔ ''کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔ ہمیں بھی اپنی پریشانی میں شامل کر لو۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔''

''ہونہہ!'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''اب مجھے سہاروں پر اعتماد نہیں رہا۔ یہاں کوئی کسی کا دوست نہیں۔''

پلیٹ فارم پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ انکا بے بسی سے تلملانے لگی۔ میں کبھی کبھی عالم تصور میں نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرتا تھا۔ اس کی کیفیت مجھ سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ میں اپنے خیالوں میں محو تھا۔ انکا میرے سر پر پہلو بدل رہی تھی۔ اس نے مجھے منانے کی بہت کوشش کی۔ میں تھوڑی دیر تک چپ ...

ارادے سے ٹکٹ گھر کی جانب بڑھا اور میں نے ٹکٹ بابو سے سورت کا ایک ٹکٹ مانگا۔

''جمیل! کیا واقعی تم اتنے غصے میں ہو کہ تمہاری نظروں نے دور تک دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ہرچرن نے تم سے بدری نرائن کے بارے میں ٹھیک کہا تھا لیکن اب وہ سورت میں نہ ہے' ہرچرن کا انجام معلوم ہو جانے کے بعد وہ سورت سے چل پڑا ہے' جنوب کی طرف۔''

''میں تمہاری دخل اندازی پسند نہیں کرتا۔''

''میری بات مان لو۔ تم کہاں تک بدری نرائن کا تعاقب کرو گے؟ وہ بھاگتا رہے گا۔ پہلے تمہیں کلدیپ اور تزئین کا خیال کرنا چاہیے۔ کلدیپ' بدری نرائن کے سلسلے میں زیادہ سودمند ثابت ہو گی۔ کلدیپ کے استھان پر پنڈت' پجاری دھونی رمائے بیٹھے ہیں۔ انہیں یقین ہے کسی نہ کسی دن تم وہاں ضرور پہنچوں گے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم بہت تھک چکے ہو۔ تھکن تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔ جمیل احمد خان! میرے پیارے' بدری نرائن فرار ہے تو اسے فرار ہی رہنے دو۔ یہ کتنے لطف کی بات ہے کہ اب وہ تم سے دامن بچاتا پھر رہا ہے۔ کبھی کسی مندر میں' کبھی کسی پہاڑ پر' کبھی کسی مہان پنڈت کے استھان میں۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر تم تزئین' ناہید اور کلدیپ کا ٹھکانہ پیدا کر لو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''نہیں' آپ بہت سچ کہہ رہی ہیں۔ آپ اپنے چہیتے بدری نرائن کو معاف کرنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔'' میں نے طنزیہ کہا۔ ''آپ کا تو کوئی جواب ہی نہیں۔ اب اپنا منہ بند رکھیے اور شرافت سے اتر جائیے۔ مجھے آپ کا کوئی مشورہ قبول نہیں۔''

''کیا میں اتنی بری لگتی ہوں، اب میرے لیے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی؟'' انکا میرے تلخ رویے سے روہانسی ہو گئی۔

''تم تکرار کر رہی ہو اور خواہ مخواہ بات کو طول دے رہی ہو۔''

''مجھے شبہ ہے کہ تم یہ باتیں دل سے نہیں کہہ رہے ہو۔''

''تم تو دلوں کا حال جانتی ہو۔''

''جانتی تو ہوں۔ پر تمہارے دل کا یقین نہیں آتا۔''

''میرا دل بہت صاف ہے۔ پہلے کی طرح گندا نہیں ہے۔''

''تو کیا میں چلی جاؤں؟'' انکا نے تلخی سے کہا۔

''میں تمہارا یہ آخری احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

''ٹھیک ہے جمیل!'' انکا سرد آہ بھر کر بولی۔ ''ٹھیک ہے، تم واقعی مجھ سے اکتا چکے ہو، میں جا رہی ہوں۔'' میں نے جواب نہیں دیا۔ انکا کچھ دیر تک گومگو کی کیفیت میں بیٹھی رہی پھر بہت آہستگی اور خاموشی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

کے ساتھ میرے سر سے رینگ گئی۔

وہ چلی گئی اور میں نے اسے نہیں روکا۔ سورت جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ میں ڈبے میں بیٹھ گیا۔ مجھے بیٹھے ہوئے ابھی چند منٹ ہوئے ہوں گے کہ انکا کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ میں نے اسے دھتکار دیا تھا۔ انکا جا چکی تھی اور میں سوچ رہا تھا، میں نے اسے کیوں جانے دیا؟ وہ اپنے آقا ہر چرن کے اشاروں پر ناچنے کے لئے مجبور تھی۔ وہ جب بھی آزاد ہوتی تھی، کسی جاپ کے بغیر میرے سر پر آجاتی تھی۔ بدری نرائن کے بارے میں اس کی معلومات یقیناً درست ہوں گی۔ اب میرا سورت جانا بے کار ہے۔ تو کیا میں کلدیپ کے ٹھکانے پر جاؤں اور تزئین کو وہاں سے لے آؤں؟ لیکن اس سے پہلے مجھے گلبرگہ جانا چاہئے جہاں رکن الدین کی حویلی میں ٹھہرے ہوئے میرے بہی خواہ کشمکش سے دوچار ہوں گے، میں ڈبے سے اٹھ آیا اور میں نے ٹکٹ گھر جا کر اپنا ٹکٹ بدلوالیا۔

گلبرگہ جاتے وقت مجھے سکون سے ارتکاز کی مشقیں کرنے کا موقع مل گیا۔ اوپر سیٹ پر لیٹ کر میں نے اپنے آپ کو تفکرات سے آزاد کر کے کچھ وقت عدم میں گزار دیا۔ مراقبہ عدم ہی کی ایک حالت ہے جہاں سے واپس آکر توانائیاں بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مراقبہ، برداشت کا سب سے مفید عمل ہے۔ وہ زندگی میں موت کا ذائقہ چکھنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ موت جو عام انسانوں کی نظر میں زندگی کی بیخ کنی ہے اور جو ذہن رسا کے لئے زندگی کی ایک دوسری کیفیت سمجھی جاتی ہے۔ موت ایک مکمل انقطاع ہے لیکن خاتمہ نہیں۔ مراقبہ زندگی سے ایک عارضی انقطاع ہے مگر یہ باتیں چھوڑیئے۔ میں اپنے عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ ملاتا ہوں۔

گلبرگہ میں رکن الدین کی حویلی میں اس وقت سید غوث، مالا، پریم اور اس کا باپ موجود تھے۔ اس گھر میں اتنے افراد کی موجودگی سے بڑی رونق ہوگئی تھی۔ میں جب وہاں پہنچا تو عید سی ہوگئی۔ رکن الدین اور ناہید نے میری خاطر مدارت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ دوسرے روز گھر کے ہنگاموں سے فارغ ہو کے میں سید غوث کے ہمراہ گلبرگہ کے سنہرے علاقے سے دور آنند لال کی کٹیا تک گیا۔ یہیں آنند لال سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ آنند لال کو منڈل میں بیٹھ کے انکا کے حصول کا سخت جاپ کرتے دیکھ کر مجھے بڑا تاسف ہوا۔ میں اسے منڈل سے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ جس انکا کے لئے جاپ کر رہا تھا، اسے میں نے خود دھتکار کر جدا کر دیا تھا۔ آنند لال کے جاپ میں ۴۷ روز رہ گئے تھے اور یہ ۴۷ روز اسے ہر حالت میں منڈل میں بیٹھ کر گزارنے تھے اور کامیاب واپس آنا تھا۔ اگر اس عرصے میں وہ اپنے جاپ میں ناکام ہو جاتا یا کوئی باہر کی طاقت اس کا استغراق توڑنے میں کامیاب ہو جاتی تو آنند لال بڑی عبرت ناک موت مارا جاتا۔ مجھے اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ کوئی پنڈت آنند لال اور مجھ سے انتقام لینے کے لئے منڈل میں رخنہ انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ آنند لال نے

اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے میں عجلت کی۔ اس سے کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اور سید غوث اسے دیکھ کر چلے آئے۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سب لوگ بیٹھک میں اکٹھے ہوئے تو بڑی دلچسپ باتیں چل نکلیں، رکن الدین کی بیوی اور ناہید کی چھوٹی بہن۔ ناہید (مجھے اس کا نام ناہید ہی یاد آتا تھا حالانکہ اس کا اصل نام جمیلہ تھا چنانچہ جہاں میں ناہید کہوں تو جمیلہ، جمیلہ کہوں تو ناہید سمجھ لیا جائے) پریم، مالا، ڈاکٹر سکینہ، سید غوث اور رکن الدین۔ میں درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہم سب اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھے، اس بھرے گھر میں مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی تھی، رکن الدین کی بیوی گلوریاں بنا رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"ذرا، میری سنو، میرے عزیزو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تم سب کو یہاں دیکھ کر مجھے جو مسرت ہو رہی ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ ایک بڑا سا خاندان نظر آتا ہے۔ یہ چمکتے ہوئے مسکراتے ہوئے پُرامید چہرے میرا خون بڑھا رہے ہیں لیکن اس موقع پر مجھے تزئین اور کلدیپ کی کمی محسوس ہوتی ہے، اب تم سے کچھ چھپانا بے سود ہے۔ میری زندگی کے بعض عجیب واقعات تمہارے علم میں آگئے ہیں۔ کلدیپ میسور کی پہاڑیوں پر موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ لڑکی بھی ہے جو میری بیٹی ہے۔ شاید تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ میں اس وقت اپنے حالات کی تفصیل نہیں بتاؤں گا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ دنیا میں بہت کم لوگوں کو ان حالات سے سابقہ پڑا ہوگا جو میرے ساتھ تواتر سے پیش آئے۔"

"خان صاحب!" رکن الدین بڑی عقیدت سے بولا۔ "کیا آپ ہمیں تفصیل سے نہیں بتائیں گے؟ اس وقت سب لوگ موجود ہیں۔ رات اپنی ہے، ہم آپ کی عبرت ناک سرگزشت سننے کے منتظر ہیں۔"

"رکن الدین خان!" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معاف کیجئے کہ میں سب کو تم سے مخاطب کر رہا ہوں لیکن میرے مخاطب سبھی لوگ ہیں۔" پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میری سرگزشت اتنی عجیب ہے کہ بعض واقعات پر خود مجھے یقین نہیں آتا مگر یہ انہیں سنانے کا موقع نہیں ہے۔ ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے۔ ابھی مجھے کلدیپ کو میسور کی پہاڑیوں سے اتارنا اور بدری نرائن ایک پنڈت سے حساب چکانا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں کلدیپ اور تزئین کو وہاں سے لانے کے لئے میسور جا رہا ہوں۔ اس محفل میں، جب وہ دونوں یہاں آجائیں گی تو میرے سینے پر جو ایک غبار ہے، وہ دور ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے میں بعض معاملات میں دخل دے سکتا ہوں۔ میرا دوست آنند لال، بدقسمتی سے ان دنوں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ کوئی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ایک ماہ بعد فارغ ہو جائے گا۔ اس وقت تک میں تم لوگوں سے درخواست کروں گا کہ سب اسی جگہ مل جل کر رہیں اور مجھے اجازت دیں کہ میں یہاں آ کر اپنے سانسوں کا بوجھ اتار سکوں۔''

''آپ پھر جا رہے ہیں؟'' پریم درمیان میں بول اٹھی۔

''ہاں پریم!'' میں نے شفقت کے انداز میں کہا۔ ''مجھے اب تزئین کو لانا ہوگا چاہے کلدیپ نہ آ سکے لیکن اطمینان رکھو، میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔ میری وجہ سے تم سب نے بڑی پریشانیاں اٹھائی ہیں۔''

''آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔ میرے خیال ہے ہم سب بے حد خوش ہیں۔ مجھے دو بیٹیاں اور مل گئیں اور ایک بیٹا بھی۔ اتنے اچھے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں تو گھر میں بہار آ جاتی ہیں۔ جمیلہ کے آنے سے پہلے یہ گھر بہت اداس تھا۔ آپ نے بڑا احسان کیا ہے۔'' رکن الدین نے سید غوث، پریم اور مالا کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا۔

''ابھی دو بیٹیاں باقی رہ گئی ہیں'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم ان کا عمر بھر انتظار کریں گے۔'' رکن الدین نے عزم سے کہا۔

رات گئے تک یہ محفل جمی رہی، کسی کا سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ چائے بنتی رہی اور پان تیار ہوتے رہے۔ مالا کی اجنبیت دور کرنے کے لئے سید غوث اسے چھیڑتا رہا۔ وہ جھینپتی رہی اور ہنستی رہی۔

چار روز تک گلبرگہ میں قیام کے بعد میں نے میسور جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران گھر کی رونقوں، دعوتوں اور ہنگاموں میں انکا مجھے کئی بار یاد آئی۔ یہی گھر تھا جہاں انکا اِدھر سے اُدھر کودتی پھرا کرتی تھی۔ مالا میرے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ نالکھ آشرم کی بات اور تھی، یہ رکن الدین کی حویلی تھی۔ میں اس سے کھنچا کھنچا رہا۔ میری روانگی کی اطلاع سے وہ بڑی مایوس ہو گئی تھی۔ گلبرگہ میں آخری رات رکن الدین نے نہ جانے کس منشا سے محفل سماع منعقد کرا لی۔ میں ایک ایسا شخص جو عرصے تک ہندو پنڈتوں، پجاریوں، مندروں، دیوداسیوں اور انکا کے ساتھ رہا ہوں، اس کے لئے یہ انوکھی بات تھی۔ محفل سماع شروع ہوئی تو میرے اندر بہت سے احساسات جاگ اٹھے اور مجھے اپنے اعصاب پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ میرے جسم پر رعشہ سا طاری ہو گیا اور حالت اتنی بگڑی کہ رکن الدین کو مجبوراً قوالی بند کرانا پڑی۔ میرے جسم پر موجود ململ کا کرتہ پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ قوالی کے خاتمے کا اعلان ہوا تو سید لاٹھی ٹیکتا ہوا دیوان خانے میں نمودار ہوا اور اس نے رکن الدین کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ محفل سماع درمیان میں کیوں بند کر دی گئی؟ مجھے ہوش نہیں تھا لیکن میں نے سید کو دیکھ لیا، میں اس سے چمٹ گیا۔ وہ مجھے دھکا دے کر دیوان خانے سے چلا گیا۔ دوبارہ جب قوالوں نے اسی طرح کی گردان کی تو میرا حال دگرگوں ہو گیا۔ قوالی کے اختتام پر رکن الدین اور سید غوث نے مجھے میرے بستر پر ڈال دیا۔ میں رات

بھر نزع کی کیفیت میں مبتلا رہا اور جب صبح مجھے ہوش آیا تو میرا سر بھاری تھا اور دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ بہت دنوں بعد میری یہ حالت ہوئی تھی کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو جاؤں۔ مجھ میں ضبط اور برداشت کے لئے مثالی جوہر پیدا ہو چکے تھے لیکن رات نہ جانے کیا ہوا۔ جیسے ہی قوال نے تان اٹھائی اور تکرار کی، میں اپنے آپ میں نہیں رہا۔ ہفتوں، مہینوں، برسوں ارتکاز اور مراقبے کی مشق کرنے والا شخص ہاتھ پاؤں چلاتا رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قوال کی لے میرے دل پر ضرب لگا رہی ہے اور میرے دور افتادہ خوابیدہ احساسات جھنجوڑ رہی ہے۔ پھر پریشانی کا ایک دورہ پڑا اور میں نے خود کو ملامت کی لیکن میں کیوں نادم تھا؟ اور کیوں اپنے آپ سے شکایت کر رہا تھا؟ اس کی وجہ خود میرے ذہن میں واضح نہیں تھی۔ بستر سے اٹھ کر میں نے غسل کیا اور ذہن پُرسکون کرنے کے لئے ارتکاز میں ڈوب گیا۔ ارتکاز کرنے میں مجھے شروع شروع میں دشواری ہوئی لیکن ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے ایک جانب مائل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

گلبرگہ سے میری روانگی کے وقت مجھے رقت انگیزی، گداز اور جذبہ خیزی کے ایک اور مرحلے سے گزرنا پڑا۔ وہ سب اسٹیشن تک آنا چاہتے تھے لیکن میں نے سید غوث کے سوا کسی کو ساتھ نہیں لیا۔ سید غوث میسور تک میرے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگا۔ مجھے اسے سمجھانے بجھانے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ خلاف توقع وہ کچھ خاموش اور سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے کریدنے کے لئے پوچھا۔ ''کیا بات ہے سید غوث؟ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟''

''مجھے اپنے ساتھ لے جانے میں آپ کو کیا عذر ہے؟''

''ضد مت کرو۔'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''کلدیپ کے استھان پر جانے کے لئے مجھے پنڈتوں کی ایک ٹولی سے نبرد آزما ہونا پڑے گا، پتا نہیں کیا حالات پیش آئیں۔ بدری نرائن ابھی تک زندہ ہے اور اسے پنڈتوں کی اعانت حاصل ہے، وہ انتہائی کمینہ خصلت ہے۔ مجھے یقین ہے پریتم لال کی پہاڑی پر میرا چڑھنا اور کلدیپ سے ملنا وہ برداشت نہیں کرے گا اور میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کرے گا۔ میں خواہ مخواہ تمہیں ساتھ رکھ کر پریشانیوں میں الجھانا نہیں چاہتا، جب کہ رکن الدین کی حویلی میں تمہارا ٹھہرنا ضروری ہے۔ وہاں صرف ایک مرد ہے، یوں بھی اپنے ساتھ تمہاری موجودگی کی وجہ سے میرا ذہن تقسیم ہو جائے گا۔''

وہ کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں بولا۔ ''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں۔''

''سید غوث!'' میں نے اس کے چہرے پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری رفاقت میرے لیے مسرت کا باعث ہوگی، میں تمہارا خلوص کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔''

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

"میں کچھ اور چاہتا ہوں۔" سید غوث نے آہستگی سے کہا۔

"جو کہنا چاہتے ہو، صاف صاف کہو۔"

"آپ نے ایک بار تزئین کے بارے میں مجھ سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تھا۔" سید غوث نے نظریں جھکا کر کہا۔ "میں نے اس وقت آپ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں میری جسارت آپ کو ناگوار نہ گزرے۔"

"میں سمجھا نہیں سید غوث؟" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں اب آپ کے ساتھ ہی رہوں۔" وہ اب بھی اشاروں میں عندیہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوہ تم تزئین کے سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو؟" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "مگر تمہیں تو یہ علم بھی نہیں کہ وہ کون ہے اور تم نے اس کی جھلک بھی نہیں دیکھی۔"

"میرے لیے یہی کافی ہے کہ آپ اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ میری درخواست ہے۔"

رکن الدین کی حویلی میں سید غوث اور پریم کی بے تکلفی اور چھیڑ چھاڑ دیکھ کر میں نے سوچا کہ پریم اور سید غوث کی جوڑی خوب رہے گی حال میں پریم ایک پارسی لڑکے سے محبت کرتی تھی مگر اب اس سے شادی پر آمادہ نہیں تھی۔ ہرچرن کے شرمناک واقعے کے بعد اس نے اپنے محبوب سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سمجھتی تھی کہ اب وہ اس کے لائق نہیں ہے، وہ اپنے محبوب کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے پریم کو کئی بار ٹٹولا تھا اور اس نے سرے سے شادی کرنے ہی سے انکار کر دیا تھا۔ سید غوث نے مجھے ایک اور طرح سوچنے پر مائل کر دیا تھا۔ تزئین کے لئے اس سے بہتر انتخاب فی الحال میری نظر میں نہیں تھا۔ اس نے تزئین کا ہاتھ تھامنے کا اظہار کر کے میرے سر سے وزن اتارنے کی پیشکش کی تھی۔ میں نے اس سے کوئی وعدہ نہیں کیا گو مجھے یقین تھا کہ تزئین میرے کسی فیصلے سے انکار نہیں کرے گی لیکن اس کی مرضی اور کلدیپ کا مشورہ میرے لیے ضروری تھا۔

میں نے سید غوث کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری جان! تم سے زیادہ قریب میرے لیے کون ہوگا لیکن میں تمہیں آخری جواب نہیں دے سکتا۔ میری واپسی کا انتظار کرو۔ کلدیپ کا بھی تزئین پر اتنا ہی حق ہے جتنا میرا۔ میں اس سے تمہارے سلسلے میں مشورہ کروں گا۔"

"مجھے اعتماد ہے، آپ کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔" سید غوث نے بڑے اعتماد سے جواب دیا پھر وہ اس وقت تک میرے ساتھ رہا جب تک گاڑی اسٹیشن سے روانہ نہ ہوگئی۔ نظام شاہی پولیس کا ایک جوان العمر انسپکٹر سید غوث جو کبھی مجھے گرفتار کرنے آیا تھا، آج مجھ سے کسی قسم کی رفاقت کا طالب تھا؟ وقت بھی کیسے کیسے چولے بدلتا ہے۔

گلبرگہ کی جانب سے مطمئن ہو جانے کے بعد ریل میں مجھے پریتم لال کے استھان کی رکاوٹوں کا جائزہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔ اب تک متعدد پنڈت پجاری میرے عتاب کا نشانہ بن چکے تھے اور ان کا ہر وار سہہ کر میں بار بار ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا تھا لیکن وہ اس آنکھ مچولی سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کی شدت میں خاصی کمی ہوگئی تھی۔ پولیس کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ آنند لال بھی اب ان کے قبضے میں نہیں رہا تھا۔ انکا بھی ان کے پاس نہیں تھی۔ میں شیو شنکر پاڑ تک پہنچ گیا تھا اور میں نے ان کے ایک سادھو شنکر کو ہلاک کر دیا تھا۔ دوسرے پجاری کو شیو شنکر پاڑ کا پتا بتانے کی سزا مل چکی تھی۔ میرے پاس وقت کی کمی نہیں تھی۔ آنند لال کا جاپ ختم ہونے میں بہت دن باقی تھے۔ پہاڑی پر جانے سے پہلے میں نے میسور کے ویران علاقوں میں دو تین روز تک غیر معمولی مشقیں جاری رکھیں پھر میں دیکھے بھالے راستوں کی طرف چل پڑا۔ کلدیپ سے ملاقات کا تصور حوصلے بڑھاتا تھا۔ نندا کی نصیحت کے مطابق میں بدری نرائن سے پہلے کلدیپ کو اپنانے جا رہا تھا۔ مجھ جیسے مضبوط اعصاب کے شخص کے دل میں میٹھی میٹھی کسک پیدا ہو رہی تھی۔ میں جب پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا تو مجھے دور سے وہ پجاری نظر آئے جو یکساں فاصلوں پر پہاڑی کے اردگرد بیٹھے تھے۔ میں اس وسیع پہاڑ کا چکر کاٹنے کے بعد ایک جگہ رک گیا اور کسی طویل ہنگامے سے بچنے کے لئے محفوظ راستے تلاش کرنے لگا۔ اس وقت میرے سر پر دھما کا ہوا وہ پھر آ گئی تھی۔ میں نے عالم تصور میں نظریں اٹھائیں تو وہ بڑی شکستہ اور اعصاب باختہ نظر آئی۔ "تم! میں نے ناگواری سے کہا۔ "تم پھر آ گئیں؟"

"ہاں۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"مگر مجھے تمہارے بغیر ہی سکون ملتا ہے۔"

"مجبوری کی بات اور ہے لیکن میں تم سے جدا ہونے کا تصور تک نہیں کر سکتی۔ تم ایک بڑے جادوگر ہو۔"

"کوئی نیا تیور اختیار کرو۔"

"تزئین کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا تمہارے سر پر نہ ہوں گی تو اوپر چلی جاؤں گی۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم نے سید غوث کو منتخب کر لیا ہے۔"

"انکا!" میں نے کچھ سمجھتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "اگر تم نے غوث اور تزئین کے درمیان آنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔ میری بات......"

"جمیل!" انکا نے میرا جملہ کاٹ کر مغموم آواز میں کہا۔ "میں تمہاری دشمن کبھی نہیں ۔۔۔ سے مجھے اتنا ہی لگاؤ ہے جتنا تم سے۔"

"[illegible] لیکن کا [illegible] مجھے پریم کا حشر [illegible]

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جانے کل تم سید غوث اور تزئین کے سلسلے میں بھی خطرناک بن جاؤ۔ ہوسکتا ہے کوئی پنڈت پھر تمہیں قبضے میں کرے اور تم لیکن یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ مجھے تمہارے وجود کے خلاف جنگ کرنی ہوگی اور یہ میں کرسکتا ہوں۔ تم میرے ارادوں سے بخوبی واقف ہو۔"

"ہاں جمیل تم درست کہتے ہو، لیکن اگر تم نے مجھ سے بہت نفرت کی تو میں خود کو سمندر یا آگ کی نذر کردوں گی۔"

انکا کے لہجے اور اس کی ڈبڈبائی آنکھوں نے مجھے اپنی جانب کھینچنا شروع کردیا۔ میں نے کسی قدر نرمی سے کہا۔ "تم بڑی حرافہ ہو، تم کتنی ہو۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں، تمہاری ہوں۔"

"کیا تم گلبرگہ گئی تھیں؟"

"ہاں میں وہیں تھی۔ تمہاری نظروں سے دور دور رہتی تھی لیکن میں کئی بار سید غوث اور پریم کے سر پر گئی ہوں اور تمہیں معلوم ہے...... میری ان سے خوب باتیں ہوئیں۔"

"لیکن انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔"

"وہ تمہیں بتا کر تمہاری ناراضی مول لیتے۔"

"اوہ جبھی پریم اور سید غوث نے تمہارا ذکر دلچسپی سے نہیں کیا۔"

"وہ کیسے بتاتے، میں نے انہیں منع کردیا تھا۔"

"تم نے سید غوث سے کیا بات کی؟" میں نے تجسس سے پوچھا۔

"میں نے سید غوث کو تزئین کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ وہ تو اسی دن تم سے بات کرنا چاہتا تھا جب تم نے تفصیل بتائی تھی، مجھے اسے ہموار کرنے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔ وہ تم سے بے حد مخلص ہے۔ وہ خود ہی آمادہ ہوگیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا، جب وہ تم سے بات کر رہا تھا، میں اس کے سر پہ نہیں تھی۔"

"گویا تمہی نے اسے منہ کھولنے پر اکسایا؟"

"کیوں کیا تزئین پر میرا حق نہیں ہے؟" وہ بسورتے ہوئے بولی۔ "کیا اسے گندے ماحول سے نکالنے میں، میں نے تمہاری مدد نہیں کی تھی؟"

انکا بہت جذباتی باتیں کرنے لگی۔ میری خاموشی دیکھ کر اسے اور شہ ملی، پھر وہ تزئین کا سارا واقعہ دہرانے لگی جیسے میں تو اس میں شامل ہی نہیں تھا۔ انکا نے مجھے موم کرنے کے لئے ماضی کے کئی حوالے دیے۔ جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ "اچھا اچھا۔ اب چپ رہو۔ سیدھی طرح بیٹھی رہو۔"

"یعنی یہ کہ...... میں تمہارے پاس...... میں......"

"ہاں ہاں، مجھے معلوم ہے تم کہیں نہیں ٹلو گی۔"

انکا نے میرے سر پر ناچنا شروع کردیا۔ اس کے زرد چہرے پر بہار آگئی پھر وہ کہنے لگی۔ "تمہیں معلوم ہے کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا نہیں ہوا؟ ارے میں پنڈتوں، پجاریوں کے ساتھ تھی نا۔ میرے سامنے انہوں نے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے۔ ہرچرن ان کا آلہ کار تھا لیکن مجھے حاصل کرنے کے بعد وہ آرام و آسائش میں پڑگیا۔ اسے لڑکیوں اور گانجے کی ایسی عادت پڑی کہ مجھے اس کے لئے روز ایک لڑکی فراہم کرنا پڑتی تھی۔ وہ اپنے محسن پنڈتوں، پجاریوں سے کترانے لگا تھا اور مجھے لیے لیے آوارہ گردی کرتا رہتا تھا۔ جب وہ مرگیا تو پولیس آئی۔ کانتی کو چونکہ تم نے مفلوج کردیا اس لیے وہ کچھ نہیں بتا سکی مگر پولیس نے اسے گرفتار کر ہی لیا اس لیے کہ ہرچرن کی لاش اس کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔"

"کیا کانتی قید میں ہے؟" مجھے اس خبر سے صدمہ پہنچا۔

"ہاں۔ حالانکہ وہ انہیں قسمیں کھا کر یقین دلاتی رہی ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔" انکا نے افسوس سے کہا۔

"تم نے اس غریب کے لئے کچھ نہیں کیا۔"

"میں تمہارے چکر میں پھنسی رہی، مجھے فرصت ہی کہاں ملی؟ لیکن وہ کانتی کو آخر چھوڑ دیں گے۔"

"اگر نہ چھوڑا تو مجھے پھر بمبئی جانا پڑے گا۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ہاں جمیل! یہ تو بتاؤ کہ تم نے مالا کو کہاں سے حاصل کیا؟ کتنی سندر ہے۔ اس کے بارے میں تمہارا ذہن خراب معلوم ہوتا ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"بکواس کرتی ہو۔ عجیب احمق چیز ہو۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"مگر اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" انکا شرارت سے بولی۔

"آنند لال کا جاپ ختم ہونے کا انتظار ہے۔"

"میں خود تم سے یہی کہنے والی تھی۔"

"اچھا آگے بڑھو۔ آگے مجھے کوئی اچھی صورت نظر نہیں آتی۔"

اس وقت جب میں کلدیپ کی پہاڑی پر چڑھنے کی جستجو میں لگا ہوا تھا، انکا کی دوبارہ آمد نے مجھے بڑی تقویت بخشی تھی۔ حالانکہ میں کسی طاقت کی حمایت کے بغیر ان کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا تھا۔ بظاہر وہ ایک خوب صورت [illegible] حساس تھیں۔ میں نے اس

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

سے بدری نرائن کے بارے میں پوچھا تو انکا نے مجھے بتایا کہ وہ میرے سائے سے بھاگتا ہے، اسے کالی کی شکتی اور بڑے پجاریوں کا تعاون حاصل تھا جو اسے بروقت میرے ارادوں سے آگاہ کر دیتے تھے۔ کلدیپ نے کالی شیوشنکر اور دوسرے دیوتاؤں کے لئے بڑے کٹھن جاپ کیے تھے۔ انکا کا خیال تھا کہ اگر کلدیپ میرے ساتھ مل کر بدری نرائن کی سرکوبی کی سعی کرے تو کالی کی شکتی درمیان سے ہٹ سکتی ہے۔ میں انکا کے ساتھ بدری نرائن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک انکا میرے سر سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں دور کچھ دیکھ رہی تھیں۔ میں نے اس کے تیور بدلتے ہوئے دیکھے۔

"ادھر کیا دیکھ رہی ہو؟"

"اور انہیں خبر ہو گئی ہے کہ تم یہاں آ گئے ہو اور وہ تمہارے آگے بڑھنے پر ایک ساتھ حملہ آور ہوں گے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"میں جانتی ہوں، تم کس زور پر یہ بات کہہ رہے ہو لیکن وہ تعداد میں کئی ہیں، تمہاری ذرا سی غفلت بنا بنایا کام بگاڑ دے گی۔ وہ اول و آخر تمہارے دشمن ہیں۔ ان میں گیانی دھیانی لوگ بھی ہیں۔ تم نے نندا کے استھان سے آنے کے بعد انہی پنڈتوں کے ہاتھوں صدمے اٹھائے ہیں۔"

انکا نے جس خطرے کا اظہار کیا تھا، وہ ٹھیک ثابت ہوا۔ ابھی ہم کچھ ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ ان پنڈتوں اور پجاریوں کا جتھا صاف نظر آنے لگا جو وہاں تعینات کیے گئے تھے۔ ان کی تعداد غالباً آٹھ تھی اور وہ سب خوف ناک نظروں سے میری سمت دیکھ رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھیں ان پر جما دیں۔ ایک بوڑھے پنڈت کے سوا ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو میرے سامنے قدم جمانے کی ہمت کر سکتا۔ انکا محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اپنی چھاتی پھلا کر ان کی طرف بڑھا۔ میرے ان کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

"جمیل! سنو، میں اس بوڑھے کے سر پر جا رہی ہوں جو سب سے آگے کھڑا ہے۔ اس کا نام وشنوداس ہے۔ اس نے اپنا وقت فضول باتوں میں نہیں گنوایا ہے۔ بدری نرائن نے سوچ سمجھ کر اسے یہاں بٹھایا ہے۔ کہو تو میں اس کے سر پر چلی جاؤں، کم از کم کچھ توجہ ہٹانے میں تو کامیاب ہو ہی جاؤں گی۔"

"تم زحمت نہ کرو انکا رانی!" میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ "بس خاموشی سے میرے سر پر بیٹھی شعبدے دیکھتی رہو۔ میری آنکھیں وشنوداس کے جسم کے اندر ہیں۔ یہ بوڑھا شخص مجھے برا نہیں لگتا۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ زندہ رہے لیکن اگر اس نے میرا راستہ آسانی سے نہ چھوڑا تو مجھے مجبوراً اسے موت کا جام پلانا ہوگا۔ اس کے باقی ساتھی تو مجھے مشکل نظر نہیں آتے۔"

Downloaded from Paksociety.com

"میں یوں ہی بیکار بیٹھے بیٹھے اکتا جاؤں گی۔ اس کے باقی ساتھیوں کے سروں پر تو مجھے جانے دو۔" انکا نے اصرار کیا۔

"ابھی ٹھہری رہو، دیکھتی رہو کہ آگے کیا ہوتا ہے؟"

"تمہاری مرضی۔" انکا ناراضی سے بولی۔ اس کی سرخ، شعلہ بار نظریں گھوم رہی تھیں۔ میں فاصلہ گھٹاتا رہا۔ پھر میں کچھ آگے جا کر ایک لمحاتی مراقبے میں ڈوب گیا۔ ہر طرف شیطانی قوتیں موجود تھیں۔ دوسری طرف وشنوداس اور اس کے ساتھی خندہ پیشانی سے مجھے تہ تیغ کرنے کی فکر میں سرگرداں نظر آتے تھے۔ جس دن کا انہیں انتظار تھا، وہ آ گیا تھا۔ ان کے تیوروں میں نفرت اور غضب کے دریا موج زن تھے۔ ان سب کے جسموں پر بھبھوت ملا ہوا تھا۔ ،خاص طور پر وشنوداس' کی پیشانی پر مجھے ماورائی قوتوں کا جال سا نظر آ رہا تھا۔ میں اس کے قریب ہو کر اس سے متاثر ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گیان دھیان میں یکتا معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے درمیان فاصلہ بہت مختصر رہ گیا۔ میں دیدہ دانستہ رک گیا۔۔ وہ پہل کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

"رک کیوں گئے جمیل احمد خان!" وشنوداس سرد آواز میں بولا۔

"تم پر ترس آتا ہے۔" میں نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں میں نے بدری نرائن سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ ہر مہاپُرش کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔" وشنوداس نے طنزاً کہا۔

"تم مجھے گیانی دھیانی دکھائی دیتے ہو وشنوداس، میرے بارے میں تمہارا کیا وچار ہے؟"

"بالک ہو۔" وہ بڑے ٹھوس لہجے میں بولا۔ "دو چار جنتر منتر آتے ہیں، ابھی کٹھن تپسیا کی ضرورت ہے۔"

"اسی کارن دور سے چل کر تمہارے پاس آیا ہوں مہاراج! کیا مجھے ایک چیلے کی طرح سوئیکار نہیں کرو گے؟"

"مورکھ!" وہ حقارت سے بولا۔ "کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہم کس کارن بیٹھک لگائے بیٹھے ہیں؟"

"پہاڑوں کی گپھاؤں میں دیوی دیوتاؤں کی اور (طرف) لو لگانے اور جاپ کرنے سے منش جیون کے جھمیلوں سے دور رہتا ہے۔ تم کس چکر میں پڑ گئے وشنوداس مہاراج!" میں نے سادگی سے کہا۔

"مکتی چاہتے ہو تو الٹے قدموں لوٹ جاؤ۔" وشنوداس نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں نے بدری نرائن کو [illegible] سے آگے نہیں جا سکتے۔"

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

''دھرماتماؤں کو سنسار کے ان وچاروں میں دیکھ کے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ کیا تمہارے لیے یہی بات کافی ہے کہ تم نے بدری نرائن کو وچن دیا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ بدری نرائن کتنا بڑا پاپی ہے؟ کوئی وچن ہمیں بھی دو...... میں بھی اس سے کم پاپی نہیں ہوں۔''

''تو کیول پاپی نہیں، تیرے اندر راون کی آتما موجود ہے، تو دشٹ ہے۔ مہاپرشوں سے مسخری کرتا ہے؟'' وہ تیز لہجے میں بولا۔ ''ناریوں سے لو لگانا بالکوں کا کام ہے مورکھ! اس ناری کے پریم نے تجھے دیوانہ کر رکھا ہے جو اوپر دھونی رمائے بیٹھی ہے، پر تیرا اس کا سنگم نہیں ہو سکتا۔''

''وشنوداس مہاراج! تم سب کچھ جانتے ہو۔ وہی سندر نار فساد کی جڑ ہے۔ تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا ہے؟ جاؤ اسے نرک میں جھونک دو۔ میں وچن دیتا ہوں۔ اگر تم اسے راستے سے ہٹا دو تو سارا جیون تمہارے چرنوں میں بتا دوں گا۔''

''اپرادھی......'' وشنوداس غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔ ''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں اپنے دھرم کی ایک مہان نار کو مار ڈالوں؟''

''تو پھر مجھے مار ڈالو۔ مجھے اس ناری کے بغیر چین نہیں۔ مہاراج! مجھے اوپر جانے دو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''جا تو یہاں سے چلا جا۔ دھرماتماؤں کا کام یہ نہیں ہے کہ خون بہاتے پھریں۔ میں تجھے شما کرتا ہوں۔ اپنا راستہ لے اور پھر کبھی ادھر آنے کا وچار نہ کرنا۔''

''جان پڑتا ہے، میرے بارے میں تم نے بہت کم سنا ہے مہاراج!''

''تو اس بات پر گھمنڈ کرتا ہے کہ کالی کے تہ خانے سے کیسے واپس آ گیا؟ نالکھ آشرم اور شیوشنکر پار کس طرح چلا گیا؟ تو نے ہر چرن کو مار دیا ہے، پر دیوی دیوتا تجھے کب تک چھوٹ دیتے رہیں گے؟''

وہ کہنا چاہتا تھا کہ میری نجات میں یقیناً دیوی دیوتاؤں کی کوئی مصلحت ہوگی۔ میں اس کا مفہوم سمجھ گیا۔ ''ممکن ہے وہ اس بار پھر چھوٹ دے دیں اور میں اپنی نار کے پاس چلا جاؤں۔ سچے پریم سے تو بھگوان بھی پرسن ہوتا ہے مہاراج!'' میں نے چٹکی لی۔

''تو اس طرح جاتا دکھائی نہیں پڑتا۔'' وشنوداس کرخت لہجے میں بولا۔ ''میری نظریں اس چھوکری کو دیکھ رہی ہیں جو تیرے سر پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہے۔ پرنتو یہ بھی تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔''

''وشنوداس! تم نے اپنی شکتی کے بل پر انکا کو دیکھ لیا لیکن ابھی تک تم نے میرے بارے میں جو رائے قائم کی ہے، وہ غلط ہے۔ تمہارے مہان پنڈتوں، پجاریوں کے اندازے ہمیشہ غلط ثابت ہوئے ہیں۔ وہ بھی اپنے پریے (بدری نرائن) کے اکسانے پر میرے راستے میں حائل ہوئے تھے۔ اسی جگہ پریتم لال کے استھان پر، اسی جگہ پہلے بھی ایک گھمسان کا رن پڑ چکا ہے۔''

''سمے برباد مت کر۔ جیون سے زیادہ سندر کوئی چیز نہیں ہے، میری مان اور الٹے قدموں واپس چلا جا۔ اس کٹیا کا دھیان من سے نکال دے۔''

''تم اتنے دیالو (مہربان) کیسے بن گئے مہاراج!''

''تو بڑا ہٹی ہے۔ کیا میں اپنے کسی پجاری کو اشارہ کروں کہ وہ تیری بدھی (عقل) ٹھکانے پر لائے۔''

''تم کیا کرو گے؟''

''میں تجھے بتاؤں کہ میں کیا کروں گا؟'' یہ کہہ کر وشنوداس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے پجاریوں میں سے ایک کو اشارہ کیا۔ ''اس سے نمٹ لے۔'' وہ بے پروائی سے مخاطب ہوا۔

وشنوداس کا ساتھی جھجکتے ہوئے تن کر کھڑا ہوا۔ اس نے ایک بار ڈنڈوت کیا۔ اس کے سارے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے گمبھیر انداز میں کوئی چٹکی سی میری طرف پھینکی۔ میں اپنی جگہ جما رہا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح چٹکیاں بجاتا اور میری طرف پھینکتا رہا۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ تیرے دن کم کر رہا ہے۔'' وشنوداس نے حقارت سے جواب دیا۔

''بڑا نٹ کھٹ ہے۔ یہ کوئی مداری معلوم ہوتا ہے۔ سمے برباد کر رہا ہے۔'' میں نے وشنوداس کا جملہ دہرایا۔ وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

''یہ لوگ کئی ہیں جمیل صاحب!'' انکا نے مجھے ٹہوکا دیا۔

پجاری اب تک چٹکیاں بجا رہا تھا۔ وشنوداس غصے سے اس پر دہاڑا اور اس کے ہاتھ پر تھوک دیا۔ پجاری سہم کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وشنوداس نے قہر کی ایک نگاہ میرے جسم پر ڈالی۔

''کیا اب بھی تم مجھے روکو گے؟'' میں نے سنجیدگی اختیار کی۔

وشنوداس نے بے زاری سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''کیا میں اسے اوپر جانے دوں؟''

''نہیں وشنوداس مہاراج!'' وہ ایک ساتھ بولے۔ ''ہم جیون دان کر دیں گے۔ پہاڑی سے قریب ہی پجاریوں کا ایک جتھہ موجود ہے۔ تم نے اسے شما کرنا چاہا، پر یہ پاپی شما کے یوگ نہیں ہے۔'' ان کے لہجے سے کمزوری اور خوف عیاں تھا۔

''جمیل! مذاق چھوڑو، جلدی کرو۔ اگر انہیں موقع مل گیا تو یہ کھیل خطرناک ہو سکتا ہے۔''

وشنوداس کے بوڑھے جسم میں کوئی بجلی سی کوندی۔ میں اس گیان دھیانی پجاری کی شکتیاں تول چکا

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

تھا لیکن وشنوداس اب اپنا عمل شروع کر چکا تھا۔ اس کا جسم پارے کی طرح لرز رہا تھا۔ میں نے یکبارگی آنکھیں موند کر اپنے آپ کو سمیٹا اور وشنوداس کو تنبیہہ کی کہ وہ میرے راستے کا پتھر بننے کی کوشش نہ کرے۔ وشنوداس کا چہرہ آگ بنا ہوا تھا۔ اسے میری شکتی کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ نندا کی بخشی ہوئی مہان شکتیاں ابھی تک اس کی نظروں سے اوجھل تھیں۔ یہی ان پجاریوں کی غلطی تھی کہ وہ میری تبت میں گزاری ہوئی مدت سے بے خبر تھے۔ وشنوداس کے تمام ساتھی مجھے سفاکی سے کچل ڈالنے پر آمادہ نظر آتے تھے لیکن کوئی بات انہیں روکے ہوئے تھی۔ وہ بات میرا اصرار تھی، وہ بات میری شکتی کی چکاچوند تھی۔ استقامت کے ساتھ میرے کھڑے ہونے کا انداز تھا اور یہاں تک بے دھڑک چلے آنے اور اوپر جانے کا اصرار کرنے کی جرأت تھی۔ میں نے درمیان کے اشتعال انگیز جملے حذف کر دیے ہیں۔ وشنوداس میری بصارت چھیننے کا کوئی مہلک جاپ کر چکا تھا۔ بظاہر اس کے لئے یہ بڑا آسان کام تھا۔ انکا اضطراب سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پریتم لال کے استھان پر پنڈتوں، پجاریوں سے ایک معرکہ قرض تھا۔ کئی پنڈت تو میرے انتظار سے تھک کر اپنے اپنے استھان لوٹ چکے تھے۔ اب وشنوداس اور اس کے چیلوں اور ساتھیوں کی ٹولی رہ گئی تھی۔ نالکھ آشرم میں سادھوشنکر کی تباہی کے بعد مجھے اپنی شکتی پر کچھ اور اعتماد ہو گیا تھا۔ اچانک وشنوداس نے ''ہری اوم'' کئی بار تیزی سے دہرایا اور گلے میں پڑی ہوئی جنیوکی ڈوری کو چکر دے کر میرے پیروں میں ڈال دیا۔ میں نے اپنے پیر آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے محسوس ہوا جیسے وہ سوت کی ڈور نہ ہو بلکہ کوئی مضبوط تار ہو جس نے میرے پیر جکڑ لیے ہیں پھر بھی میں مطمئن کھڑا رہا۔ یہ کھیل تماشے میرے لیے پرانے ہو چکے تھے۔ میرے پیر ایک سوتی ڈوری سے الجھے ہوئے تھے۔ میرے بندھے پیروں سے وشنوداس کے ساتھ کھڑے ہوئے پجاریوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے ستائش کی نظروں سے اسے دیکھا۔ وشنوداس گھبرایا ہوا تھا، اپنے عمل کا تماشا دیکھنے کے بجائے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر اتنی زور سے اپنا ناخن مارا کہ اس سے خون رسنے لگا۔ وہ چند لمحوں تک اس کے قطرے زمین پر ٹپکاتا رہا۔ خون کے قطرے زمین پر گرنے کے پہلے اور دوسرے لمحے کے درمیان کوڑیالے ناگ کی سرسراہٹ مجھے اپنے گردوپیش محسوس ہوئی۔ انکا نے میرے سر پر ہاتھ مارا۔ میں نے اپنی پشت پر دیکھا، آگے دیکھا، بائیں دیکھا۔ میری مستعدی اور ہٹ دھرمی سے وشنوداس کسی قدر سنبھل چکا تھا۔ اس نے پہلے بہت ہلکا سا وار کیا تھا لیکن میں اپنی جگہ کھڑا رہا اور میں نے پیروں کی بندش پر کسی تردد کا اظہار نہیں کیا تو وہ چھوٹے موٹے منتروں کے بجائے ایک بڑا منتر پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا خیال تھا، اس طرح مجھے کوئی ردِعمل ظاہر کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔ مجھے ان منتروں کی تفصیل کہاں تک یاد ہوگی؟ نہ جانے ایسے کتنے مرحلے گزر چکے تھے۔ کوڑیالے ناگوں نے میرے اردگرد لہرانا شروع کر دیا تھا، میں نے انہیں ایک خاص

فاصلے پر ٹھہرا دیا تھا۔

وشنوداس نے ناگ میرے جسم سے ایک فاصلے پر ٹھہرے دیکھ کر اپنی رستی ہوئی انگلی کا خون انگوٹھے کے جھٹکے سے میرے جسم پر پھینکنا شروع کیا۔ مجھے پہلے قطرے پر یہ محسوس ہوا جیسے کسی نے تیزاب کے چھینٹے پھینک دیے ہوں یا کانٹا چبھو دیا ہو۔ خون کے چھینٹے میرے لباس پر پڑے تو وہ سلگنے لگا۔ قریب تھا کہ میرے جسم میں آگ لگ جاتی۔ وشنوداس ...... غصے سے سرتاپا لرز رہا تھا اور یکے بعد دیگرے کوئی سانس لیے بغیر اپنے پہلے منتر کا اثر دیکھے بغیر منتر پر منتر پڑھ رہا تھا اور وار پر وار کر رہا تھا۔

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟'' انکا نے متوحش نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

میرا لباس جلنے لگا تھا اور میرے چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے کھلے حصوں پر داغ پڑ گئے تھے، میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں کسی معمول کی طرح، خود کو تختہ مشق بنائے وشنوداس کے تمام ستم، تمام ستم ظریفیاں سہتا اور دیکھتا رہا۔ میں کوئی نیا منتر دیکھنا چاہتا تھا، جیسے سادھوشنکر نے نالکھ آشرم میں کیا تھا۔ میرے اطمینان کا سبب یہی تھا کہ اب تک کیے جانے والے منتر میری رسائی کی حد میں تھے اور میں نے ایک ذرا سی اذیت برداشت کر کے انہیں کارگر رکھا تھا تاکہ پنڈت اور پجاری مجھ سے مڈھ بھیڑ کی دوبارہ ہمت نہ کر سکیں اور مجھ سے بخوبی واقف ہو سکیں۔ میں انہیں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ وشنوداس کسی نوجوان کی طرح پھرتی سے اپنی تمام شکتیاں آزماتا رہا۔ وہ کبھی اپنی مالا زمین پر پھینکتا کبھی اپنے جسم کی میلی تہ اٹھا کر میرے جسم پر پھینکتا۔ خاصی دیر بعد میں نے وشنوداس کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج! اب بھی میرے بارے میں کوئی وچار کیا؟ یہ چمتکار میں پہلے بھی کئی بار دیکھ چکا ہوں، کوئی ایسا وار کرو جو یہ پاپی بھی جانے کے ہاں وشنوداس مہاراج کی شکتی ان کی عمر کے مطابق ہے اور وشنوداس نے بیتے دنوں میں کسی دوسری اور جی نہیں لگایا، سوائے تپیا کے۔''

وشنوداس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ سکتے کی حالت سے دوچار تھا۔ اس نے جھلاہٹ میں پھر پے در پے وار کیے اور اپنی کئی انگلیاں ناخن سے زخمی کر لیں۔ جب وشنوداس کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہونے لگا تو اس کے ساتھی اور چیلے بھی آگے بڑھے۔ یہ میرے لیے کوئی اچھی صورت نہیں تھی۔ انہوں نے اپنے منتر کے بیروں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ان کی کثیر تعداد کے سبب بیروں کی یلغار بھی خاصی شدید ہو سکتی تھی۔ ماورائی شکتی والوں کا بڑا دارومدار بیروں کے زیادہ سے زیادہ تصرف پر ہوتا ہے۔ یہ بلائیں عجب عجب طرح شور مچاتی، قہقہے لگاتی اور چیختی پھنکارتی، دھماکے کرتی اور دل دہلاتی ہوئی نشانہ بناتی ہیں۔ بیروں کے مختلف روپ ہوتے ہیں اور وہ روپ بدلنے پر قادر بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنے اردگرد ہر طرف بیر دیکھے، کوڑیالے ناگ ایک سمت لہرا رہے تھے، ادھر میرے چہرے کے داغوں میں سوزش تھی۔ ادھر میرے کپڑے جل کر راکھ بن چکے تھے۔ میں برہنہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔ انکا کی

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

استقامت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور وہ مجھے بار بار ٹہو کے دے رہی تھی۔ میں نے اسے روکے رکھا تھا اور خود ساکت و صامت کھڑا تھا۔ خطرناک معرکہ توقع کے مطابق تھا۔ وہ سب ایک ساتھ منہ چلا رہے تھے اور منتر کا جاپ کر رہے تھے۔ جب وہ اپنے کسی حربے سے مجھے نقصان نہ پہنچا سکے تو دست بدست لڑائی پر اتر آئے۔ ان کی نیت بھانپ کر مجھے مجبوراً اپنی قوتیں یکجا کرنی پڑیں اور میں نے اپنی انگلی کو جنبش دی۔ میری نگاہ، وہ شعلہ بار تیز نگاہ، جو دیواروں کے آر پار ہو جائے، جو نیزے کی انی کی طرح چبھے اور شعلے کی طرح لپکے۔ ایک ثانیے میں وہ کسی جھٹکے کے ساتھ پیچھے ہٹے اور ایک پجاری زمین پر گر گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی سہم کر اور پیچھے ہٹ گئے۔ میں اپنی نگاہوں اور انگلیوں سے انہیں اور پیچھے اور پیچھے ہٹاتا رہا۔ جس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ وہ میری نگاہ کی زد میں آ گیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ سنبھلتے، ان پر فضا سے خس و خاشاک اور پتھروں کی بارش ہوئی۔ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن کچھ دور جا کر وشنو داس کی دھمکی نے ان کے قدم پکڑ لیے۔ وشنو داس تیزی سے پلٹا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو للکارا۔ اگرچہ کئی کے سر لہولہان ہو چکے تھے اور وہ ایک لمحے کے لئے وشنو داس کی دھمکی سے خوف زدہ ہوئے پھر منتشر ہو گئے۔ ان میں سے تین کا کام وہیں تمام ہو گیا تھا۔ اب میرے مقابلے میں صرف وشنو داس باقی رہ گیا تھا۔ مجھ پر دیوانگی طاری تھی۔ ایک بار پھر میرا وحشی گھوڑا میرے جسم میں طیش سے ہنہنانے لگا۔ میں ان سب کو جہنم رسید کرنے کی فکر میں تھا کہ وشنو داس اپنے ساتھیوں کی طرف تھوک کر میری طرف بڑھا۔ مجھے جلال و غضب کی اس کیفیت میں بھی وشنو داس کی ضعیفی پر ترس آ رہا تھا۔ میں نے اسے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔ ”سنو مہاراج! بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔“

”نہیں۔“ اس کی آواز میں پہلے جیسا دبدبہ نہیں رہا تھا۔ ”نہیں۔ میں نے بدری نرائن کو کالی کے سامنے وچن دیا تھا کہ تجھے کلدیپ کے استھان جانے سے اوش روک لوں گا۔“

”پاگل مت بنو مہاراج!“ میں نے نرمی سے کہا۔ ”میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں۔ میرے اندر دیکھنے کی کوشش کرو۔“

میرا خیال تھا کہ وشنو داس اپنے ساتھیوں کا بھیانک انجام دیکھ کر یہاں سے فرار ہو جائے گا لیکن وہ اپنی دھن کا پکا اور ارادے کا سچا تھا۔ میری بات کے جواب میں اس نے دیوتاؤں کے نام کے ساتھ ایک بار پھر حملے شروع کیے، میں نے خود کو بچا لیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ اس کے ساتھ کوئی افسوس ناک واقعہ پیش نہ آئے۔ وہ باز نہ آیا۔ وشنو داس کے منتر کے بیروں نے میرا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ میں اس کے حملوں کا توڑ کرتا ہوا تیزی سے اس کے قریب آ گیا اور میں نے اس کی نحیف کلائی تھام لی۔ اس کی کلائی کا میری گرفت میں آنا تھا کہ اس کے جسم کو شدید جھٹکے لگنے شروع ہو گئے جیسے بجلی کے ننگے تاروں نے اسے جکڑ لیا ہو۔ اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا بلکہ غیر معمولی قوت برداشت کا ثبوت دیا، میں نے

اسے دو چار جھٹکے دیے، پھر ایک طرف دھکیل دیا، اس کا جسم سیاہ پڑ گیا تھا، میرے پاس اسے دوبارہ دیکھنے کی فرصت نہیں تھی اور یہ کوئی پُر لطف منظر بھی نہیں تھا۔ مجھے بہت افسوس تھا مگر میں کیا کرتا؟ وہ پہلے بھی اس استھان پر میرے آڑے آئے تھے اور میں اوپر چلا گیا تھا۔ ان پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ انہوں نے ایک ٹولی وہاں بٹھا دی تھی کہ کلدیپ نیچے نہ اتر سکے اور میں اوپر نہ جا سکوں۔ یہ پریتم لال کے استھان کا آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد نہ انہیں جرأت ہو گی۔ نہ مجھے فرصت ہو گی۔ اب جتنے پجاری روز مر رہے تھے، میرے لیے آزادی اور سکون کا سانس لینے کے مواقع بڑھ رہے تھے۔ میں پہلے ہی یہاں آ کر انہیں پہاڑی کے اطراف سے ہٹا سکتا تھا مگر شاید وہ وقت نہیں آیا تھا۔

انکا میرے سر پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے اوپر کی جانب دیکھا۔ پہاڑی سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی اور پگڈنڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک پگڈنڈی پر مستانہ انداز سے چلا۔ رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا تھا۔ کلدیپ کا استھان قریب تھا اور کوئی رکاوٹ سامنے نہیں تھی۔ میں لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا اوپر چڑھتا گیا۔ انکا نے حسب عادت میرے سر پر اچھل کود شروع کر دی تھی۔ کلدیپ کی کٹیا آئی تو میرا سانس چڑھ گیا تھا لیکن دم مارنے کا یارا کسے تھا؟ انکا میرے سر سے اتر گئی۔ وہ کلدیپ کی کٹیا میں جانے سے گریز کرتی تھی۔

☆......☆......☆

میں اپنے اس لمحے کے جذبات کا حال محفوظ رکھتا ہوں۔ یہ کلدیپ کی کٹیا تھی اور کلدیپ کون تھی؟ میں نے دھڑکتے دل سے کلدیپ کی کٹیا کے اندر قدم رکھا۔ میری نظر سب سے پہلے تزئین پر پڑی اور دل سے ایک آہ نکل گئی۔ اس حسین لڑکی کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور گردش زمانہ کی سیاہ پرچھائیاں اس کے چہرے پر لرز رہی تھیں۔ میرا گلاب مرجھا چکا تھا۔ میرے آنگن میں خزاں آ گئی تھی۔ جلد کی رنگت جھلسی ہوئی تھی، چہرہ زرد، بال بکھرے ہوئے، لباس بے ترتیب۔ وہ کسی زندہ لاش کے مانند چٹائی پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ میں نے کانپتی آواز میں اسے پکارا۔ وہ سہم کر ایک جھٹکے سے پلٹی۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے چیخ پڑی۔ پھر تیزی سے اٹھی اور دوڑ کر میرے سینے سے لگ گئی۔ اس کی دھڑکنیں مجھے ایسی داستان سنا رہی تھیں جسے سننے کی مجھ میں تاب نہیں تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ میں نے اس کے خشک بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ میرے آنسو اس کے بالوں میں گر رہے تھے جیسے بارش ہو رہی ہو۔ وہ میرے سینے سے لپٹی رہی۔ پھر اس نے ڈبڈبائی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میرا دل پاش پاش ہو گیا۔ ”تزئین! میری گڑیا!“ میرا گلا رندھ گیا۔ ”کچھ مت کہنا۔ مجھ میں کچھ اور سننے کی سکت نہیں ہے لیکن اب دکھ کے بادل چھٹ چکے ہیں۔ تو نے میری خاطر بڑے مصائب جھیلے ہیں، تیرا گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کر دے میری بچی! میری

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

جان! میں اب تجھے اس ویرانے میں نہیں چھوڑوں گا۔ تجھے ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں، سمجھی اس بار میں تنہا واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔ تیرے تمام دکھوں کی تلافی ہو جائے گی۔"

ترئین کی ہچکی بندھ گئی۔ وہ میرے سینے پر سر رکھ کے پھٹ پڑی۔ ہم دونوں دیر تک زار و قطار روتے رہے۔ "تو بڑی بہادر ہے ترئین!" میں نے کہا۔

وہ بڑی بہادر تھی۔ پریتم لال کی پہاڑی پر نیچے کا کوئی شخص اوپر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں نہ روشنی تھی، نہ زندگی کی کوئی چہل پہل۔ کلدیپ ایک عرصے سے جاپ میں مصروف تھی۔ ترئین تنہا ان پہاڑوں پر گھومتی رہتی، راتوں میں سیاہ راتوں میں، دوپہروں میں، دھوپ میں، برسات میں۔ وہ خود اپنا کھانا تلاش کرتی، جھرنے پر مالا کی طرح نہاتی اور درختوں سے پھل توڑتی۔ جن چیزوں کی اسے ضرورت ہوتی وہ کٹیا میں مل جاتی تھیں۔

کلدیپ کٹیا میں اپنے جاپ میں مستغرق تھی۔ میں نے ترئین کو گیارہ روز تک اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا، اپنے سینے سے قریب رکھا اور ہم دونوں انکا کے ساتھ پہاڑی پر روزانہ سیر سپاٹے کرتے رہے۔ میری رفاقت اور نگہداشت سے ترئین کی صحت پر خوش گوار اثر پڑا تھا۔

پہاڑی پر ترئین کی اداس آنکھیں اور کلدیپ کی مشقت دیکھ کر میرے دل میں پنڈتوں پجاریوں کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ مجھے افسوس ہوا کہ وشنو داس کی ٹولی سے، چند سیاہ دل افراد موت کے منہ میں جاتے جاتے رہ گئے۔ گیارہویں روز میں اور ترئین کٹیا سے باہر ایک درخت کے نیچے چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ترئین کو لندن کے واقعات سنا رہا تھا کہ ترئین ایک دم مسرت سے چیخ اٹھی۔ میں نے مڑ کر دیکھا، کٹیا کے دروازے سے زرد ساڑھی میں ملبوس کلدیپ ایک طویل جاپ سے فارغ ہو کر ہماری طرف آ رہی تھی۔ اتنی کڑی تپسیا کے بعد بھی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں تھے۔ وہ شاداب اور شگفتہ نظر آ رہی تھی۔ امتداد زمانہ نے اس کی رعنائی چھیننے کے بجائے اسے برقرار رکھا تھا بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ کر دیا تھا۔ وہی حسین چاند سا چہرہ۔ مگر پونا کے کلب میں ملنے والی اس فیشن ایبل لڑکی کی نظروں میں شوخی نہیں تھی، وقار تھا، سنجیدگی تھی، ایک معنی خیز پُراسرار مسکراہٹ تھی۔ ہم دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور ایک دوسرے سے نہ جانے کتنے کرب کہہ گئیں۔ میرے سامنے میرا مستقبل تھا۔ میرے سامنے میرا ماضی تھا، کلدیپ سے میری زندگی کے کتنے عجیب واقعات وابستہ تھے۔ میں اس کے ایثار کا قرض کبھی اتار نہیں سکتا تھا۔ ترئین چٹائی سے اٹھ کر بے تحاشا اس سے لپٹ گئی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں ہو گیا۔ ترئین اسے چمٹائے ہوئے میرے پاس آئی۔ میری حالت بھی متغیر تھی مگر میں ترئین کے سامنے اس طرح کا بے تابانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اسے ان نگاہوں سے دیکھا جن میں کرب، ندامت، مجبوری اور امید کی جھلک تھی۔ ہمارے پاس ایک

Downloaded from Paksociety.com

دوسرے کے سامنے کچھ کہنے کے لئے الفاظ بھی نہیں تھے، بات الفاظ کی دسترس سے نکل گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میرے اندر سمائی ہوئی ہے اور میں اس میں جاگزیں ہوں۔ "میں آ گیا ہوں۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" اس نے دردناک لہجے میں کہا۔ "تم آ ہی گئے۔"

"اور میں کیوں آیا ہوں؟" میں نے کہا اور کچھ توقف کے بعد بولا۔ "مجھ سے اب تنہا چلا نہیں جاتا۔" کلدیپ نے اداسی سے میری طرف دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں بہت دور سے آیا ہوں۔ تمہاری نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

"ہاں، میں دیکھ رہی ہوں" اس نے غیر جذباتی انداز میں کہا۔ ترئین ہم دونوں کے درمیان کھڑی تھی اور مسرت سے کھلی جا رہی تھی۔ مجھے صرف ایک لمحے میں کلدیپ کے رویے کی تبدیلی محسوس ہو گئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر کے تذکرے شروع کر دیے۔ کلدیپ خاموشی سے سنتی رہی اور ہمارے ساتھ پہاڑی کا ایک لمبا چکر کاٹ کر واپس آئی۔ بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور اس کی نگاہوں میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر ان آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی۔ دو روز تک تخلئے کا موقع نہیں مل سکا کیوں کہ ترئین ہر وقت سائے کی طرح ساتھ لگی رہتی تھی۔ ترئین کی شوخیوں نے کئی بار کلدیپ کے گمبھیر چہرہ کو مسکرانے اور ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کلدیپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ میں اس وقت ایک دوری سی محسوس کر رہا تھا۔ آخر دو روز بعد جب ترئین آبشار پر نہانے گئی تو میں کلدیپ کی کٹیا میں جا گھسا اور میں نے جاتے ہی تیزی سے کہا۔ "کلدیپ! کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے اب اپنا تعارف کرانے کی ضرورت پڑے گی، میں جمیل ہوں۔"

کلدیپ چند لمحے خالی خالی نظروں سے مجھے تکتی رہی۔ "ہاں میں دیکھ رہی ہوں، یہ تمہی ہو۔"

"اور تم کلدیپ ہو، وہ کلدیپ جو جمیل احمد خان کے لئے پیدا کی گئی تھی، تمہیں کچھ یاد ہے؟" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"یاد؟" وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ "سمے بہت گزر گیا ہے۔"

"میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" میں نے بے چینی سے کہا۔

"کیا مجھے یہاں سے جانا چاہئے؟" اس نے اداسی سے پوچھا۔

"نہیں جاؤ گی تو میں ادھورا ہی رہوں گا، تم نے اب تک ایثار ہی کیا ہے، اب تم یہ ظلم کیوں کرو گی؟"

"جمیل!" کلدیپ نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے یہیں رہنے دو۔ میرے جانے پر پریتم

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

لال مہاراج کی آتما بیاکل ہو گی۔ میں یہاں رہ کر تمہارے من کی شانتی کے لئے برابر پرارتھنا کرتی رہوں گی۔"

میں ایک آتش فشاں تھا جو ابل پڑا۔ میں نے قریب جا کے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے جب اپنی طرف کھینچا تو سوتے پھوٹ پڑے۔ اس کا سینہ تر ہو گیا تھا، میں کسی بچے، کسی یتیم بچے کی طرح اسے اپنے وہ ہولناک واقعات سنا رہا تھا جو پہلے سے اس کے علم میں تھے۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے سامنے انڈیل دیا اور اس کے سینے سے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ چھت کی طرف تک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ "میں کہاں کہاں ہوتا ہوا آخر تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ میرے عظیم گرو نندا نے تبت کے استھان پر مجھے ہدایت کی تھی کہ میں تمہیں پریتم لال کے استھان سے نیچے اتار کر اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اگر تم نے انکار کیا تو شاید میں زندہ نہیں رہوں گا۔"

"اب تم ایک قد آور شخص ہو۔" وہ دھیرے دھیرے بولی۔ "تمہیں نندا نے بہت کچھ دیا ہے۔ تمہارے پاس انکا ہے۔ میں پریتم لال کی اچھا پر جیون تیاگ چکی ہوں۔ میرے بھاگیہ میں جو لکھا تھا وہ پورا ہو چکا ہے۔ یہ کٹی میرا اسنسار ہے۔ مجھے یہاں منڈل میں تنہا رہنے اور جاپ کرنے میں سکون ملتا ہے۔"

میں اس کا درد پنہاں محسوس کر سکتا تھا۔ "تم خود کو فریب دے رہی ہو کلدیپ! تم نے میرے سوا کچھ نہیں سوچا ہے۔ تم میرے بغیر یہاں نہیں رہ سکتیں۔"

"تمہی نے میرے ساتھ یہ حسن سلوک کیا ہے کہ مجھے بھگتی...... تپسیا اور راستی کا راستہ دکھایا۔ اب تم خود مجھے پتھروں اور کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔ اصل زندگی کیا ہے، یہاں آ کر مجھے پتا چلا۔ کیا تم ایک احسان نہیں کر سکتے کہ مجھے یہاں چھوڑ جاؤ؟" کلدیپ نے ہیجانی انداز میں کہا۔

"میں تمہارے ساتھ کچھ دن زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ زندگی کا جو فلسفہ تم مجھے سمجھا رہی ہو، اسے میں بھی جانتا ہوں۔ مجھے تپسیا، مراقبے اور ارتکاز کا لطف معلوم ہے لیکن اس لطف کے باوجود میں تمہیں یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں کیونکہ تزئین اور دوسرے بہت سے لوگ، ہم سے متعلق ہیں اور میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو میرے دل میں زندگی کی تمنا کروٹیں لینے لگتی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ ہم کسی پُرسکون جگہ ایک ساتھ ایک دوسرے کی بانہوں میں رہیں۔ زندگی صرف علیحدہ رہ کر، ساری دنیا سے کنارہ کشی کر کے، اپنی ذات میں گم ہو جانے کو نہیں کہتے۔ یہ خود غرضی ہے، یہ فرار ہے۔ میں جب تمہاری صورت دیکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ تم نے مجھے میری خامیوں اور لغزشوں کے باوجود قبول کیا لیکن میں نے تمہیں کیا دیا؟ یہ ویرانہ، یہ بھیانک خاموشی، یہ کرب ناک تنہائی۔ تمہارے سہانے دن میری تیرہ بختیوں کی نذر ہو گئے۔ میں

ہوں، میرے دل و دماغ پر بوجھ سوار ہے۔"

میری باتوں نے اسے مضطرب کر دیا لیکن میرے پیہم اصرار اور منتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم تو بالکل سرد ہو گئی ہو۔"

اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ "جمیل! بھگوان کے لئے زیادہ باتیں نہ کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"میں تمہارا بھگوان ہوں۔" میں نے اس کے رخسار چومتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شوہر ہوں، میں تمہارا محبوب ہوں، میں جمیل ہوں۔ میری طرف دیکھو۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑا لی۔ "نہیں۔ میں تو خود کو سونپ چکی ہوں۔" وہ اضطراب سے بولی۔

میں نے اسے چھوڑ دیا اور تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تزئین کے سلسلے میں ایک پیام ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟"

وہ دل گرفتہ سی ایک طرف سمٹ گئی۔ "وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔ تزئین اس کے ساتھ خوش رہے گی۔"

"اور تم اپنی بیٹی کی شادی میں نہیں جاؤ گی؟ اسے چوڑیاں نہیں پہناؤ گی؟ اس کی مانگ میں افشاں نہیں بھرو گی؟ تم اسے رخصت بھی نہیں کرو گی؟" میں نے جذباتی ہو کے کہا۔

"میں یہاں بیٹھ کر اس کے ساتھ رہوں گی۔" کلدیپ نے حسرت سے کہا۔

میں مزید ایک ہفتے تک کلدیپ کو ساتھ لے جانے اور اس کی ضد توڑنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ میں نے اسے بہت حوالے دیے۔ میں ایک رات تزئین کی موجودگی میں اس کی کٹیا میں گھس گیا۔ مجھے مجبوراً تزئین کا ذہن معطل کرنا پڑتا کہ وہ ہماری گفتگو نہ سن سکے۔ میں نے کلدیپ کے سرد خانے میں حرارت پیدا کرنے کی بڑی جد و جہد کی۔ بدری نرائن اور پنڈتوں، پجاریوں کی ایذا رسانی کا ذکر کیا۔ میں نے دنیا کا ایک مثبت نقطہ نظر پیش کیا اور زور بیان سے گلیوں، بازاروں، عمارتوں اور کلبوں کے رنگین مناظر اسے دکھائے۔ میں نے اسے سوز و گداز کے قصے سنائے لیکن وہ اپنی جگہ جمی رہی۔ اس نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی لیکن اس کا سرد رویہ اور اجنبی انداز ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ کبھی اس کی مسکراہٹ سے گمان ہوتا تھا کہ اس نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لی ہے۔ میں اسے جھنجوڑ جھنجوڑ دیتا۔ تزئین اسے ساتھ لے چلنے کے لئے مصر تھی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بار بار اسے آمادہ کرتی تھی۔ میں جب کٹیا سے باہر آ جاتا تو انکا میرے سر پر آ جاتی اور مایوسی سے سر ہلانے لگتی۔

ایک ایک دن وحشت میں گزر رہا تھا۔ میں کلدیپ کی رائے نہیں بدل سکتا تھا۔ وہ اب ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی تھی جہاں سے اس کی واپسی ناممکن تھی۔ اس کے قلب میں انقلاب آ چکا تھا۔ میں پہلی مرتبہ

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com

® Scanned PDF By HAMEEDI

ہی مایوس ہو جاتا لیکن نیچے اترنے سے انکار کے باوجود اس نے میری پذیرائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یوں وہ وہی تھی، جسے میں پہلے چھوڑ گیا تھا۔ وہی انداز، وہی وارفتگی، وہی میرا خیال، وہی میرا تذکرہ لیکن اگر وہ میرے ساتھ جانے پر رضامند ہو جاتی تو یہ تمام محبتیں اس وقت اپنا اثر کھو دیتیں۔ میری بے تابیوں پر وہ مسکرا کے خاموش ہو جاتی یا مجھے دوش دینے لگتی۔ ایک دن میں قطعی مایوس ہو گیا۔ آخری بار میں نے اس سے کہا۔ ”میرا خیال ہے، اب مجھے یہاں سے واپس جانا چاہئے۔“

”نہیں تم یہاں ٹھہرو۔“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”کیا فائدہ! مجھے بدری نرائن کو تلاش کرنا ہے اور اس کی موت کے بعد خود کہیں منہ چھپانا ہے۔ تزئین کی شادی ہو جائے گی پھر میرا پرسان حال کون ہوگا؟“

”میں تمہاری خبر رکھوں گی۔“

”تم!“ میں نے ایک بار اور کوشش کی۔ ”کلدیپ! چلو نا، ذرا نیچے اتر کے تو دیکھو۔“

”جمیل...... اس وقت تم یہاں سے چلے جاؤ اور تزئین کی شادی کے فرض سے جلد از جلد سبک دوش ہو جاؤ پھر تم سکون قلب سے کوئی فیصلہ کر سکو گے۔ تزئین کی شادی سے پہلے بدری نرائن کے تعاقب میں مت روانہ ہونا۔“

”پتا نہیں کیا ہو؟“ میں نے مایوسی سے کہا۔

میں نے کلدیپ کے ساتھ بہت سر پھوڑا پھر تھک کر اپنے ہونٹ سی لیے اور کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا۔ میرے اس رویے پر اس نے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اسی طرح میری پرستش کرتی رہی۔ پھر میں نے طے کر لیا کہ میں تزئین کا پہاڑ سر سے اتار دوں اور کلدیپ کی جدائی کا پہاڑ دل پر رکھوں۔ میں نے تزئین کو ساتھ لے کر واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

رخصت ہوتے وقت تزئین، کلدیپ سے لپٹ لپٹ کے رو رہی تھی۔ میں دور کھڑا رہا۔ میری کیفیت صرف انکا محسوس کر رہی تھی۔ وہ میرے شانوں پر بیٹھی رخصتی کے اس منظر سے بری طرح متاثر تھی۔ میں نے پہلی بار مہان شکتی کی مالک، پریتم لال کے استھان کی جانشین کلدیپ کی آنکھوں میں آنسو لرزتے دیکھے، مجھے معلوم نہیں کہ اس کا پیمانہ صبر تزئین کی جدائی پر چھلک پڑا تھا یا اسے مجھ سے کسی ربط کا خیال آ گیا تھا۔

میں نے آخری وقت اسے نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں۔ اب دیکھنے کو کیا رہ گیا تھا؟

☆.....☆.....☆.....☆

گلبرگے میں رکن الدین کی حویلی تزئین کے اضافے کے بعد اور پُر رونق بن گئی۔ تزئین نے تہذیب و شائستگی کی تعلیم وہاں سیکھی تھی جہاں ایک زمانے میں شرفا اپنی اولاد کو نشست و برخاست کے

آداب سکھانے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ سید غوث کو تزئین کے حسن و جمال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ رکن الدین کی حویلی کی تمام لڑکیوں میں یکتا تھی۔ جب اس نے غرارہ پہنا، جب اس نے چھوٹی موری کا پائجامہ پہنا اور گلے میں دوبل کا دوپٹا ڈالا تو دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ ناہید، پریم، مالا اور تزئین ایک ساتھ کہیں بیٹھی ہوتیں تو ان کی شوخیاں، شرارتیں دیکھنے کے لائق ہوتیں۔ سید غوث، تزئین کی وجہ سے زیادہ تر مردانے میں رہتا تھا۔ رکن الدین کے سوا میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ سید غوث اور تزئین کا رشتہ میرے ذہن میں ہے۔

آنند لال کا جاپ ختم ہونے میں چند دن رہ گئے تھے، ادھر میں نے چچا جان کو تار دے دیا تھا کہ تمام بہن بھائیوں کے ساتھ گلبرگہ آ جائیں۔ میں نے رکن الدین سے اجازت لے لی تھی کہ میں جہاں ناہید کا رشتہ طے کروں گا اسے اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر میں نے انکا کو بمبئی میں مقیم پارسی نوجوان سہراب کے پاس بھیجا کہ وہ پریم کے بارے میں اس کا عندیہ لے اور اگر ممکن ہو تو اسے پریم کے لئے ہموار کرے۔ انکا کا وجود فاصلوں سے بے نیاز تھا، وہ چھلاوا تھی چنانچہ ایک ہی دن میں سہراب کے دل میں ہلچل مچا کے آ گئی۔ پریم اس سے ایک عرصے سے نہیں ملی تھی۔ گلبرگے آتے وقت بھی اس نے سہراب کو مطلع نہیں کیا تھا۔ اسے انکا کی کرشمہ سازی کہئے کہ دوسرے دن سہراب رکن الدین کی حویلی کا پتا پوچھتا ہوا آیا اور پریم کو وہاں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ میں نے اس نوجوان سے بات کی۔ وہ ایک مہذب اور آسودہ حال گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ڈاکٹر سکینہ اور رکن الدین میری کوئی بات مسترد نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر بھی سہراب سے پریم کی شادی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تیسرے دن چچا جان بھی اپنے مختصر خاندان سمیت گلبرگہ آ گئے اور میں نے اپنے چچازاد بھائی کے لئے ناہید کا رشتہ مانگ لیا۔ چچا جان نے ذرا تذبذب کا اظہار کیا لیکن وہ بھی ناہید کی صورت، عادت اور رکن الدین کی حویلی کا تزک و احتشام دیکھ کر تیار ہو گئے۔

پانچویں دن آنند لال کا جاپ ختم ہو رہا تھا۔ میں اور سید غوث اس کے استقبال کو گلبرگہ شہر سے دور ایک نسبتاً ویران جگہ پہنچے۔ آنند دم سادھے بیٹھا تھا۔ میں سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے وقت انکا بیزاری اور اکتاہٹ کے ساتھ میرے سر سے یہ کہتی ہوئی رینگ گئی۔ ”جمیل!! میرا وقت آ گیا، مجھے یقین ہے، آنند لال مجھے فوراً تمہارے حوالے کر دے گا۔ ذرا سی دیر کی جدائی ہے۔“

”جاؤ، جاؤ۔“ میں نے اعتماد سے کہا۔ ”وہ بھی اپنا ہی سر ہے۔“

سورج کی آخری کرن کے بعد میں نے منڈل کے اندر جھانک کر دیکھا۔ آنند لال جاپ کے آخری [illegible] دیوی! جمیل احمد خان مہاراج

Downloaded from Paksociety.com

Downloaded from Paksociety.com